امیرالمومنین فی الحدیث، مایہ ناز فقیہ، بلند پایہ مجتہد اور محدث
امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی حیات و خدمات

سیرتِ امام بخاری رحمہ اللہ

11416: 22743:

فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221

فون: 4286641 1 00966 فون/فیکس: 2860422 1 00966

فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 فون/فیکس: 2207055 7 00966

فون: 0500887341 فیکس: 8691551 فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

فون: 5925 625 718 001 001 713 722 0419: فون: 4186619 416 001

فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 0044 0121 7739309:

فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 فون: 4180 2373 22 0091

فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 فون: 42157847 44 0091

فون: 358712 115 0094 فون: 2669197 114 0094

فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

شيمه، مولانا عبدالرحمن

سيرة الامام البخاري / مولانا عبدالرحمن شيمه - الرياض، ١٤٣٣ هـ

ص: ٣٩٧ مقاس: ٢١×١٤ سم

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١١٣-٧

(النص باللغة الاردية)

١. البخاري، محمد بن اسماعيل، ت ٢٥٦ هـ أ. العنوان

ديوي ٢٣٤,٦ ١٤٣٣/٤٥٧٧

رقم الإيداع: ١٤٣٣/٤٥٧٧

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١١٣-٧

سیرتِ امام بخاری رحمہ اللہ

194-256ھ

امیر المومنین فی الحدیث، مایۂ ناز فقیہ، بلند پایہ مجتہد اور نامور محدث
امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی حیات و خدمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

باب
2
امام بخاری رحمہ اللہ کے عہد کے عباسی حکمران

باب 3

تحصیل علم اور امام بخاری رحمہ اللہ کے اسفار

باب 4

امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذۂ کرام اور شاگردان رشید

باب 5

باب 6

باب
6

باب
7

باب 8

باب 9

باب 10

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ حَتّٰى يَتَنَاوَلَهٗ

صَحِيْحُ مُسْلِم ۲۵۴۶

"اگر دین اوجِ ثریا پر بھی ہوگا تو فارس کا ایک آدمی اسے جا لے گا۔"

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے وحی کا سلسلہ جاری فرمایا اور اسے خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ فرمانِ نبوی ہے: ''مجھ سے پہلے جس قدر بھی انبیاء تھے انھیں ایسے معجزات سے نوازا گیا جن کی بدولت لوگ ایمان سے سرفراز ہو جایا کرتے تھے اور مجھے وہ معجزہ وحی کی صورت میں عطا کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے متبعین سے زیادہ ہوں گے۔'' (صحیح البخاري: 4981)

نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی دو اقسام پر مبنی تھی۔ ایک وحی جلی، یعنی قرآنِ مجید اور دوسری وحی خفی، یعنی صاحب قرآن علیہ السلام کے فرامین عالیہ اور حیات مبارکہ۔ وحی کی ان دونوں اقسام میں سے کسی ایک کا انکار دونوں کے انکار کے مترادف ہے۔

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑا تین مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔ کسی شخص کے لیے وہ باعث اجر ہوتا ہے، کسی کے لیے ستر پوشی (معاشی ضروریات) کے کام آتا ہے اور کسی پر یہ بوجھ بن جاتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ان تین قسموں کی وضاحت فرمائی تو آپ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں سوال کیا گیا (کہ ان کی بھی یہی قسمیں ہیں؟) فرمایا: «مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا

هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○﴾ ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر گدھوں کے بارے میں کچھ نہیں اتارا مگر یہ ایک جامع اور منفرد آیت ضرور اتاری ہے: ''تو جو شخص ذرے کے برابر بھی بھلائی کرے گا وہ اسے بھی دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرے کے برابر بھی برائی کرے گا وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔'' (صحيح البخاري: 4962) یہ حدیثِ مبارکہ اس اظہار کے لیے کافی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حدیث بھی نازل فرمائی ہے، تبھی تو آپ نے یہ اشارہ فرمایا کہ گھوڑوں کی اقسام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ حکم نازل فرمایا ہے اور گدھوں کے متعلق کوئی خاص حکم نازل نہیں فرمایا۔ ہاں، یہ عمومی نوعیت کی آیت ضرور نازل فرمائی ہے۔ اس فرمان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے وحی کی دونوں صورتوں کو ایک ہی حکم میں رکھا اور ایک ہی حیثیت دی۔ اس وضاحت کے سامنے تو یہ اعتراض بھی جاں بہ لب نظر آتا ہے کہ حدیثیں ظنی ہیں اس لیے ان سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

قرآن مجید جس دور میں نازل ہو رہا تھا اس وقت تواتر سے ثابت نہیں تھا مگر اسے قطعی سمجھا جاتا تھا، اور اس سے احکام ثابت ہوتے تھے مثلاً قبلے کی تبدیلی کے بعد کوئی شخص صبح کی نماز کے دوران مسجد قباء آیا اور کہنے لگا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر قرآن مجید (میں حکم) نازل فرمایا ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کریں، چنانچہ تم بھی کعبے کی طرف رخ کر لو تو ان سب نے کعبے کی طرف رخ کر لیا۔'' (صحيح البخاري: 4488) اگر ایک راوی یا خبر آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اس سے احکام ثابت نہیں ہوتے تو قرآن مجید کا یہ حکم پہنچانے والے بھی تو ایک فرد تھے مگر سننے

والوں نے تو نماز ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا اور فوراً اپنا رخ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف کر لیا، حالانکہ یہ قرآنی حکم ان تک کسی تواتر یا قطعی طریقے سے نہیں پہنچا تھا۔ الغرض امت کے پہلے لوگوں نے احکام کے اثبات اور مسائل کے استنباط میں قرآن و حدیث میں فرق نہیں کیا، کیونکہ انھیں زبان نبوت سے یہی درس ملا تھا کہ وحی کے یہ دونوں سلسلے ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔

محدثین کرام نے سلسلۂ سند کی روشنی میں ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○﴾ کی حامل زبان مبارک سے صادر ہونے والے فرامینِ عالیہ اور حیاتِ مبارکہ کے مختلف مجموعے تیار کیے۔ جس مسلمان کے دل میں آسمانی تعلیمات کی قدر و منزلت ہے، وہ کتب حدیث کے مؤلفین کرام، یعنی محدثین عظام کو بھی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خدمتِ حدیث اور حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں ان کی لازوال قربانیوں کا کھلے دل سے معترف ہے۔ اور احادیث مبارکہ کے ان تمام مجموعوں میں صحیح بخاری کو اولین حیثیت دیتا ہے اور اس پر مکمل اعتماد کرتا ہے اور اسی بنا پر امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کو گلِ سرسبد کی حیثیت سے جانتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تگ و تاز اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ صحیح بخاری امت مسلمہ کی توجہ کا مرکز ہے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں کہلا سکتا جب تک وہ صحیح بخاری سے فراغت کی سند نہیں لے لیتا۔ صحیح بخاری محض ایک حدیث کی کتاب ہی نہیں بلکہ فقہ کی بھی ایک عمدہ ترین دستاویز ہے جس میں فرضی احکام و مسائل کے بجائے قرآن و حدیث کی صحیح فقہ پر مبنی 97 موضوعات (کتابوں) کے تحت 3858 ابواب

اور مکرر روایات کے ساتھ احادیث کی کل تعداد 7563 ہے۔ اور ایک ایک حدیث سے بیسیوں مسائل کا استنباط و استخراج امام بخاری کی فقیہانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے۔ عناوین میں آیات قرآنیہ کو شامل کرنا اور کتاب التفسیر میں شاندار تفسیری نکات آپ کی تفسیری قابلیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور احادیث کو مختلف سندوں اور متعدد الفاظ سے پیش کرنے سے آپ کی محدثانہ صلاحیتیں اس طور پر عیاں ہوتی ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک عظیم محدث، بلند پایہ فقیہ اور مایہ ناز مفسر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذۂ کرام بھی امام بخاری سے فیض حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کے اساتذہ کرام اور شیوخ کی تعداد کم و بیش ایک ہزار تک پہنچتی ہے جن میں خیر القرون کے اساطین علم کے اسمائے گرامی بھی آتے ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ چشم فلک نے وہ دن بھی دیکھے ہیں کہ امام بخاری سے صحیح بخاری کی سماعت کرنے والوں کی تعداد 90 ہزار کے لگ بھگ تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ علمی میدان میں نمایاں اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ فقہ ہو یا حدیث، اسمائے رجال ہو یا تاریخ، لغت ہو یا تفسیر، افتاء و ارشاد ہو یا تدریس آپ ہر ایک فن میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔

علاوہ ازیں امام بخاری رحمہ اللہ بہت سے ایسے اعلیٰ اوصاف سے متصف تھے جو ان کی ذات گرامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی حافظے کی صلاحیت بخشی تھی۔ ورع و تقویٰ آپ کا لباس، عبادت و ریاضت آپ کا معمول اور

عمدہ اخلاق، خیر خواہی اور ہمدردی آپ کا لازمہ تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کو امت نے مختلف حوالوں سے جو خراج تحسین پیش کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحیح بخاری پر مختلف نوعیت کے کام، جن کا سلسلہ تاحال جاری ہے، سیکڑوں کی تعداد میں پہنچتے ہیں۔ اور امت کا ہر فرد کم از کم امام بخاری رحمہ اللہ کے نام سے ضرور واقف ہے۔ یقیناً یہ ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔'' کی ایک روشن مثال ہے۔

جو شخص جس قدر بلندی پر ہوتا ہے، اسے اسی قدر طوفانوں اور آندھیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ پر بھی اعتراضات کیے جاتے رہے مگر ہر ایک کا مسکت جواب بھی دیا جاتا رہا۔ اب بھی کوئی اعتراض رات کے اندھیرے کی طرح وارد ہوتا ہے تو دن کے اجالے کی طرح اس کا جواب بھی آ جاتا ہے۔

صحیح بخاری شریف سے وابستہ علمائے کرام، طلباء اور مطالعہ کرنے والوں کی یہ ایک علمی ضرورت ہے کہ وہ حسب ذیل امور سے واقف ہوں:

امام بخاری رحمہ اللہ کی سیرت، اساتذہ کرام، ان کے طبقات، وسعت علمی، عقائد و نظریات، صحیح بخاری میں احادیث کو نقل و جمع کرنے کی شرائط، دیگر تصانیف اور ان کا اسلوب اور متعلقات و شروحات صحیح بخاری کے ساتھ ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ کی فقیہانہ بصیرت، محدثانہ صلاحیت، امام موصوف کے معاصرین اور تلامذہ۔ اسی ضرورت کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ کی سیرت پر مختلف زبانوں اور ادوار میں کام ہوتا رہا اور یہ سلسلہ رکنے کا نہیں۔ انھی کاوشوں میں ایک مزید اضافہ ''سیرت امام بخاری رحمہ اللہ'' ہے۔ اس میں مذکورہ تمام معلومات بڑے یگانہ اور جدید اسلوب میں

پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب کو تالیف کرنے کی سعادت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن چیمہ حفظہ اللہ نے حاصل کی، بعدازاں دارالسلام، لاہور کے شعبہ تحقیق وتصنیف میں بیش قیمت اضافے کیے گئے۔ شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ نے ترمیم و اضافہ کے ساتھ ساتھ نظر ثانی فرمائی۔ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے حکّ و اضافہ کیا اور اس کے لیے ایک جاندار مقدمہ ترتیب دیا۔ جزاهم الله احسن الجزاء.

زیر نظر کتاب کو شعبہ سیرت کے انچارج حافظ محمد نعمان فاروقی اور ان کے رفقاء حافظ حق نواز، حافظ سیف اللہ، قاری طارق جاوید عارفی اور حافظ محمد فاروق نے تمام مراحل سے گزارا اور یہ سب کام حافظ عبدالعظیم حفظہ اللہ کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ڈیزائننگ اور کمپوزنگ سیکشن سے علی الترتیب آرٹ ڈائریکٹر محمد صفت الٰہی، محمد عامر رضوان، اسد علی اور عبدالرافع اور ان کے رفقاء گل رحمٰن، خرم شہزاد اور اظہر حنیف نے ذمہ داریاں نبھائیں۔ میں ان تمام محسنین اور رفقائے گرامی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور دعا گو بھی۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

رمضان 1432ھ

بمطابق اگست 2011

مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ تدوینِ حدیث میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کو تدوین حدیث کا سنہری دور ہونے کا شرف حاصل ہے، جس میں نامور محدثین اور آئمۂ اسلام کا وہ دورہ تھا۔ اسی عہد میں احادیث مبارکہ کی امہات الکتب (بنیادی کتابیں) عالم وجود میں آئیں۔ حدیث کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول ومبادی طے پائے۔ علم الرجال پر مبنی ایک مستقل علم کی بنیاد اسی دور میں رکھی گئی۔ اسی دور میں رفض وخوارج، معتزلہ، جہمیہ اور دیگر بدعی فرقوں نے پر پرزے نکالے تو ان اساطینِ علم نے ان کے سدباب میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کے نویں طبقے کے اختتام پر ان کی خدمات کے حوالے سے لکھا ہے:

"اللہ کے لیے اپنے حال پر رحم کرتے ہوئے اور انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ان حفاظ کرام کو ٹیڑھی نظر سے مت دیکھو، ان میں نقص وکمزوری تلاش کرنا چھوڑ دو اور انھیں ہمارے زمانے کے محدثین پر قیاس نہ کرو۔

جن آئمۂ کرام کا میں نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو دین میں بصیرت اور راہِ نجات کا علم نہ رکھتا ہو۔ ہمارے زمانے کے کبار اہلِ علم میں سے کوئی بھی علم و معرفت میں ان کا مقابلہ کرنے کا اہل نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم سے اور کچھ نہ بن پڑے تو یوں کہو گے: احمد، ابن المدینی کون ہیں؟ ابوزرعہ اور ابو داود کیا ہیں؟ یہ تو بس محدث تھے فقہ اور اصولِ فقہ سے ناواقف تھے، رائے اور قیاس اور معانی و بیان سے نابلد تھے، انھیں دلیل و برہان کے ساتھ اللہ کی معرفت حاصل نہ تھی اور نہ وہ فقہائے امت میں شمار ہوتے تھے۔ حلم و تحمل سے کام لو اور خاموش رہو، بولنا ہے تو علم سے بولو۔ درحقیقت نفع مند علم وہی ہے جو ان محدثین کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔"

اسی سنہری دور کے گل سرسبد اور اس علمی کہکشاں کے نجم ثاقب امام المحدثین، امیر امراء المحدثین، سید الفقہاء، قدوۃ الصالحین محمد بن اسماعیل بخاری ہیں جن کا ذکر خیر، خدماتِ جلیلہ، رفعتِ شان کا تذکرہ آئندہ اوراق میں قدرے تفصیل سے بیان ہوگا۔ ہم یہاں ایک واقعی حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں جس سے امام المحدثین کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے اور علمائے امت کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ قرآن مجید فرقانِ حمید کے بعد دین کا صحیح ترین مجموعہ امام بخاری کی "اَلْجَامِعُ الصَّحِیحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُورِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ وَ سُنَنِہٖ وَ أَیَّامِہٖ" ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں معیارِ صحت کو ایسے بلند مقام پر پہنچایا ہے

کہ اس سے بالاتر مقام کا نہ کوئی تصور ہے اور نہ بعد میں آنے والے آئمۂ محدثین اس کو برقرار رکھ سکے ہیں۔ یوں کہنے کو تو بعد کے حضرات نے ''الصحیح'' کے عنوان سے متعدد مجموعے تیار کیے مگر ''اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ'' کا شرف وفضل صرف امام بخاری رحمہ اللہ کی ''الجامع الصحیح'' کو حاصل ہے۔ بلکہ کہنے والوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ نقشِ اول سے نقشِ ثانی بہتر ہوتا ہے مگر یہاں صورتِ حال اس سے مختلف ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ ؎

بازار حسن میں رُخِ یوسف کو دیکھ کر
حسرت کسی گلاب کی باقی نہیں رہی

امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کا براہِ راست سماع نوے ہزار شاگردوں نے کیا۔ اس وقت سے تاہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ علومِ اسلامیہ کا درس لینے والا کوئی طالبِ علم اس وقت تک تکمیل کے مرحلے کو نہیں پہنچتا جب تک الجامع الصحیح کا درس حاصل نہ کرے۔ اور کوئی شیخ، شیخ الحدیث نہیں کہلاتا جو ''الجامع الصحیح'' کا درس نہ دے۔

''الجامع الصحیح'' کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک اور بڑا کارنامہ ''التاریخ الکبیر'' ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے جب یہ کتاب دیکھی تو اسے امیر عبداللہ بن طاہر کے پاس لے گئے اور فرمایا: «أَيُّهَا الْأَمِيرُ! أَلَا أُرِيكَ سِحْراً؟» ''اے امیر! میں تمھیں طلسم، یعنی جادو نہ دکھاؤں؟'' چنانچہ امیر عبداللہ نے جب التاریخ کا نسخہ دیکھا تو بڑا متعجب ہوا۔ اسی کے بارے میں حافظ ابو العباس ابن عقدہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تیس ہزار احادیث بھی لکھ لے تب بھی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

امام ابو احمد الحاکم نے کتاب الکنی میں کہا ہے:

«وَ كِتَابُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ فِي التَّارِيخِ كِتَابٌ لَّمْ يُسْبَقْ إِلَيْهِ وَ مَنْ أَلَّفَ بَعْدَهُ شَيْئًا مِّنَ التَّارِيخِ أَوِ الْأَسْمَاءِ أَوِ الْكُنٰى لَمْ يَسْتَغْنِ عَنْهُ، فَمِنْهُمْ مَّنْ نَّسَبَهُ إِلٰى نَفْسِهِ مِثْلَ أَبِي زُرْعَةَ وَأَبِي حَاتِمٍ وَّمُسْلِمٍ وَّمِنْهُمْ مَّنْ حَكَاهُ عَنْهُ، فَاللّٰهُ يَرْحَمُهُ فَإِنَّهُ الَّذِي أَصَّلَ الْأُصُولَ»

''اور تاریخ میں امام محمد بن اسماعیل کی کتاب ایسی ہے کہ اس پر کوئی کتاب سبقت نہ لے جا سکی اور ان کے بعد جس نے بھی تاریخ یا اسماء یا کُنیٰ پر کوئی تالیف کی وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکا، پھر بعض نے تو اسے اپنی جانب منسوب کر لیا جیسا کہ امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم اور امام مسلم ہیں، اور بعض نے اس کے حوالے سے نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے ہی اصول کی بنیاد رکھی ہے۔''[1]

حافظ الخلیلی نے امام ابو احمد رحمہ اللہ کا یہ قول الارشاد میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن رشید نے انھی کے حوالے سے یہ قول اَلسَّنَنُ الْأَبْيَنُ وَالْمَوْرِدُ الْأَمْعَنُ، ص: 144 میں نقل کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عظمت و مرتبت کا اعتراف کیا ہے۔ یہ عبارت امام ابو احمد کی الکنیٰ: 274/2 میں بھی دیکھی جا سکتی ہے مگر اس میں بڑی تحریف و تصحیف واقع ہوئی ہے جیسا کہ السنن الأبین اور الطبقات الشافعیہ کے

1 طبقات الشافعية: 226,225/2.

ساتھ اس کے تقابل سے واضح ہوتا ہے۔ امام محمد بن یحییٰ الذہلی، جو معرفتِ علل کے امام ہیں، ان کے بارے میں دیکھنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک جنازے میں وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ چل رہے تھے اور ان سے راویوں کے نام، ان کی کنیتوں اور احادیث کی علل کے حوالے سے سوال کرتے تھے تو امام بخاری رحمہ اللہ تیر نکل جانے کی مانند جلد جلد بلا تکلف جواب دیتے جاتے تھے گویا کہ وہ قل ہو اللہ اُحد پڑھ رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر اٹھارہ سال کی عمر میں، چاندنی راتوں میں، مسجد نبوی میں، حجرۂ مبارک اور منبر کے درمیان روضة من رياض الجنة میں بیٹھ کر لکھی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ''التاریخ'' کو سمجھا نہیں اور نہ اسے پہچانا ہی ہے۔ میں نے اسے تین بار مرتب کیا ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ وہ ہر بار اس میں اصلاح اور حک و اضافہ کرتے ہوں گے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض حاسدین کو امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ابو احمد الحاکم الکبیر کی یہ رائے بڑی ناگوار گزری تو انھوں نے اس بارے میں امام ابن ابی حاتم کی کتاب بيان خطأ محمد بن إسماعيل البخاري في تاريخه کے سہارے امام ابو احمد کی تردید کی بے کار کوشش کی ہے۔ جس میں انھوں نے امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم کے ان اعتراضات کو جمع کیا ہے جو انھوں نے ''التاریخ الکبیر'' پر کیے تھے۔ امام ابو احمد الحاکم ہی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ میں رَے میں مقیم تھا، ایک دن میں نے دیکھا کہ طلبہ ابن ابی حاتم پر کتاب ''الجرح والتعدیل'' پڑھ رہے ہیں تو میں نے ابن عبدویہ الوراق سے کہا: یہ عجیب مذاق

---

1 تاريخ بغداد: 917/2.

ہورہا ہے کہ تم لوگ بعینہ محمد بن اسماعیل بخاری کی التاریخ پڑھتے ہو اور اسے ابوزرعہ
اور ابو حاتم کی طرف منسوب کرتے ہو، تو الوراق نے کہا: اے ابو احمد! تمھیں معلوم ہونا
چاہیے کہ جب ابوزرعہ اور ابو حاتم کے سامنے تاریخ البخاری پیش کی گئی تو وہ فرمانے
لگے: ''یہ ایسا بیش قیمت علم ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور ہمارے لیے مناسب
نہیں کہ ہم دوسروں سے نقل کریں۔'' چنانچہ انھوں نے ابو محمد عبدالرحمٰن رازی کو بٹھایا وہ
(تاریخ الکبیر کی روشنی میں) ایک ایک راوی کے متعلق سوال کرتے تھے، پھر یہ دونوں
حضرات کہیں اس کتاب سے زیادہ اور کہیں کم بیان کرتے جاتے تھے۔[1]

اس سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ ''الجرح والتعدیل'' کی اصل بنیاد امام
بخاری رحمہ اللہ کی ''التاریخ الکبیر'' ہے۔ امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے اپنی معلومات
کی بنیاد پر اس پر مزید اضافہ کیا۔ اور جس بات کو انھوں نے محلِ نظر سمجھا اسے امام
ابن ابی حاتم نے ایک مستقل کتاب میں جمع کردیا۔

یہ کتاب ذہبی زماں مولانا عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی کی تحقیق سے 1380ھ میں
شائع ہوئی ہے۔ اسی طرح خطیب بغدادی کی موضح أوهام الجمع و التفريق
بھی ان کی تحقیق سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمان
ابھی گزرا ہے کہ التاریخ کو میں نے تین بار مرتب کیا ہے۔ امام ابوزرعہ اور امام ابو
حاتم کے نقد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر امام بخاری رحمہ اللہ کی التاریخ کا
وہ نسخہ تھا جو اوائل میں امام بخاری نے مرتب کیا۔ یہی وجہ ہے بہت سے
اعتراضات ''التاریخ الکبیر'' کے مطبوعہ نسخہ پر وارد ہی نہیں ہوتے۔ جو اعتراض امام

---

1 تذكرة الحفاظ: 978/3.

ابوزرعہ نے کیا اور جو اصلاح بتلائی، وہ صحیح صورت ہی میں ''التاریخ الکبیر'' میں موجود ہے، مثلاً: کتاب کے پہلے راوی ہی کو لیجیے، امام ابن ابی الحاتم لکھتے ہیں:

«مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ سَمُرَةَ وَإِنَّمَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ خُبَيْبِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ كَمَا قَالَ»

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم کے والد کا نام سلیمان ذکر کیا ہے جبکہ اس کے والد کا نام خبیب ہے۔ حالانکہ التاریخ الکبیر میں بھی ''خبیب'' ہے، سلیمان نہیں۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ راوی کو اس کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں، امام ابن ابی حاتم ہی نے فرمایا ہے:

«إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ، إِنَّمَا هُوَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ عَنْ أَبِيهِ رَأَى زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ هٰذَا نَسَبَهُ إِلٰى جَدِّهِ» (بيان الخطأ، رقم: 36)

امام ابوزرعہ نے ابراہیم بن محمد بن جحش کہنے پر اعتراض کیا ہے مگر امام ابو حاتم نے فرمایا ہے کہ یہ کوئی اعتراض نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد کو دادا کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اپنے شیوخ کو تو امام بخاری رحمہ اللہ اکثر ان کے دادا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، جیسے: یوسف بن موسیٰ بن راشد کو یوسف بن راشد، اسحاق بن ابراہیم بن نصر کو اسحاق بن نصر، محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد الذہلی کو محمد بن عبد اللہ، کبھی محمد بن خالد، اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ کو اسحاق بن

مخلد کہتے ہیں۔[1]

علامہ معلّمی نے امام ابوزرعہ کے اعتراضات کا تجزیہ وتحلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«وَبِالْجُمْلَةِ فَقَدِ اسْتَقْرَأْتُ خَمْسِينَ مَوْضِعاً مِّنْ أَوَّلِ الْكِتَابِ، فَوَجَدْتُّهُ يَتَّجِهُ نِسْبَةُ الْخَطَأِ إِلٰى أَبِي زُرْعَةَ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ، لَا يَتَّجِهُ نِسْبَةُ الْخَطَأِ إِلَى الْبُخَارِيِّ نَفْسِهِ، إِلَّا فِي مَوْضِعٍ وَّاحِدٍ هُوَ رَقْمُ 25 ذَكَرَ رَجُلًا مِّمَّنْ أَدْرَكَهُ سَمَّاهُ مُحَمَّداً وَّ قَالَ الرَّازِيَانِ وَغَيْرُهُمَا اسْمُهُ أَحْمَدُ» (مقدمة بيان الخطأ)

''جملہ کلام یہ ہے کہ میں نے پچاس راویوں کا جائزہ لیا تو ان میں پانچ مقامات تو ایسے ہیں جہاں امام ابوزرعہ سے غلطی ہوئی ہے، یہاں ان کی نسبت خطا امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف درست نہیں۔ سوائے ایک مقام کے اور وہ: 25 نمبر ہے۔ جہاں انھوں نے ایک کا نام جس سے ان (امام بخاری) کی ملاقات ہوئی ہے محمد ذکر کیا ہے جبکہ امام ابوزرعہ اور ابو حاتم اس کا نام احمد ذکر کرتے ہیں۔''

مقدمہ

علامہ معلّمی کے اس تجزیے وتبصرے سے امام ابو زرعہ کے ان اعتراضات کی حیثیت سمجھی جاسکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ معصوم نہ تھے۔ کچھ راویوں کے بارے میں ان سے خطا ہوئی ہے بالخصوص اہلِ شام کے رواۃ میں ان سے تسامح ہوا ہے جیسا کہ حافظ ابن عقدہ نے فرمایا ہے: «قَدْ يَقَعُ لِمُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ

1 تهذيب: 282/7 ترجمة علي بن إبراهيم.

الْغَلَطُ فِي أَهْلِ الشَّامِ» ''امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے اہل شام کے بارے میں کچھ نہ کچھ غلطی ہوئی ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ: 306/8 میں فرمایا ہے: «يَحْيَى بْنُ أَبِي الْمُطَاعِ سَمِعَ مِنَ الْعِرْبَاضِ» یہ روایت سنن ابن ماجہ، حدیث: 42 میں اسی طرح صراحتِ سماع سے منقول ہے، حالانکہ امام ابوزرعہ نے امام دحیم کے سامنے اس پر بڑی شدت سے انکار کیا اور فرمایا: «أَنَا مِنْ أَنْكَرِ النَّاسِ لِهٰذَا وَالْعِرْبَاضُ قَدِيمُ الْمَوْتِ» ''میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ اس کا انکار کرتا ہوں اور عرباض بہت پہلے فوت ہو گئے تھے۔''[2]

علامہ ابن رجب نے بھی اس ضمن میں کہا ہے:

«وَالْبُخَارِيُّ رحمہ اللہ يَقَعُ لَهُ فِي تَارِيخِهِ أَوْهَامٌ فِي أَخْبَارِ أَهْلِ الشَّامِ»[3]

بلکہ امام ابو احمد الحاکم ہی نے فرمایا ہے: عبد اللہ الدیلمی أبو بشر کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے یوں ہی ''ابو بشر'' کہا ہے مگر ان سے یہ خطا ہوئی ہے، صحیح ''ابو بسر'' ہے۔[4] لیکن اس کے باوجود جس حقیقۃ الامر کا انھوں نے اظہار کیا ہے اس کا اعتراف گویا علامہ ابن رشید، علامہ تاج الدین عبد الوہاب سبکی وغیرہ نے بھی کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس بارے میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں، ان کے بعد آنے والے سبھی ان کے خوشہ چین ہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے

---

1 تاريخ بغداد: 102/13. 2 تهذيب: 380/11. 3 جامع العلوم والحكم، ص: 226 تحت الحديث: 28. 4 الكنى لأبي أحمد.

کہ اس کا اظہار امام ابو احمد ہی نے نہیں کیا، خطیب بغدادی بھی فرماتے ہیں:

«إنّما قفا مُسْلِمٌ طَرِيقَ الْبُخَارِيِّ وَنَظَرَ فِي عِلْمِهِ وَحَذَا حَذْوَهٗ وَلَمّا ورد الْبُخَارِيُّ نَيْسَابُورَ فِي آخِرِ أَمْرٍ لَّازَمَهٗ مُسْلِمٌ وَّ أَدَامَ الْاِخْتِلَافَ إِلَيْهِ»

''امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے طریقے کی پیروی کی ہے، ان کے علم کا اندازہ لگایا ہے اور انھی کی چال چلے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ جب آخری بار نیشاپور آئے تو امام مسلم رحمہ اللہ ان کے ساتھ ہو رہے اور ہمیشہ ان کے ہاں آتے جاتے تھے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے شام کے ایک راوی کا نام ''حسان بن وبرہ ابو عثمان النمری'' ذکر کیا ہے اور یہی نام امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن عساکر فرماتے ہیں: یہ ان کا وہم ہے صحیح ''حیان'' ہے اور وہ ''المری'' ہے ''النمری'' نہیں۔ یہ ساری تفصیل بیان کرکے لکھتے ہیں:

«وَمُسْلِمٌ يَتْبَعُ الْبُخَارِيَّ فِي أَكْثَرِ مَا يَقُولُ وَأَهْلُ الشَّامِ أَعْلَمُ بِهٖ مِنْ غَيْرِهِمْ»

''امام مسلم، امام بخاری کی اکثر اتباع کرتے ہیں، حالانکہ اہل شام شامیوں کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔''[2]

اس لیے امام ابو زرعہ ہوں، امام ابو حاتم ہوں یا امام مسلم ان کے بارے میں ان آئمہ کبار کی یہی رائے ہے کہ یہ حضرات امام بخاری رحمہ اللہ کے خوشہ چین ہیں۔

---

1 تاریخ بغداد: 102/13. 2 ابن عساکر: 372/15.

اس پر کسی کا چیں بہ جبیں ہونا محض امام بخاری رحمہ اللہ سے حسد و بغض کا نتیجہ ہے۔ امام ابو زرعہ اور امام مسلم نے امام بخاری سے استفادہ کیا ہے اور اس میں اضافہ اور مزید نکھار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر ان کا اصل الاصول اور بنیاد امام بخاری رحمہ اللہ کی التاریخ اور الجامع الصحیح ہیں، لہٰذا انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ الفضل للمتقدم۔

امام حاکم نے بھی معرفة أسامي محدثين کے حوالے سے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ كَفَانَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ رحمه الله هٰذَا النَّوْعَ فَشَفٰى بِتَصْنِيفِهِ فِيهِ وَبَيَّنَ وَلَخَّصَ»

''اس نوع کے بارے میں امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے۔ اس میں ان کی تصنیف ہمارے لیے شافی ہے۔ انھوں نے راویوں کو بیان کیا اور تلخیص سے کام لیا ہے۔''[1]

''اسامی الصحابہ'' کے نام سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب لکھی اور اس میں بھی انھیں سب سے تقدم حاصل ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«أَوَّلُ مَنْ عَرَفْتُهُ صَنَّفَ فِي ذٰلِكَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْبُخَارِيُّ، أَفْرَدَ فِي ذٰلِكَ تَصْنِيفاً، فَنَقَلَ مِنْهُ أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ وَغَيْرُهُ»

''میری معرفت کے مطابق اسماء الصحابہ کے بارے میں سب سے پہلے تصنیف کرنے والے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ اس میں انھوں نے مستقل

1 معرفة علوم الحديث للحاكم، ص: 77.

کتاب لکھی، اس سے امام ابوالقاسم بغوی اور دیگر نے نقل کیا ہے۔''[1]

اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اختصاص کا اندازہ کیجیے کہ انھوں نے عبدالرحمٰن کے والد ابزی الخزاعی کو صحابی قرار دیا ہے اور اپنی کتاب الوحدان میں اس کی ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔ مگر امام ابن مندہ وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے کہ ابزیٰ الخزاعی کو شرفِ صحبت حاصل نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَالْعُمْدَةُ فِي ذٰلِكَ عَلَى الْبُخَارِيِّ فَإِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي ذٰلِكَ»

''اس میں اعتماد امام بخاری پر ہے، اس موضوع میں انھی کی بات آخری بات ہے۔''[2]

''اسامی الصحابہ'' کی طرح جزء رفع الیدین اور جزء القراءۃ کے عنوان سے سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا اور ان مسائل میں بھی سب سے بڑا مرجع انھی کی یہ کتابیں ہیں۔

''کتاب الھبہ'' بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک تصنیف ہے۔ ان سے پہلے امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع بن جراح کی بھی کتابوں کا ذکر ملتا ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کی جامعیت کا اندازہ کیجیے کہ امام بخاری کے وراق محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ امام بخاری کی کتاب میں پانچ صد (500) احادیث ہیں جب کہ امام وکیع کی کتاب میں دو یا تین مسند احادیث ہیں اور امام عبداللہ بن مبارک کی تصنیف میں پانچ کے قریب احادیث ہیں۔

---

1 الإصابة: 2/1. 2 الإصابة: 14/1.

امام بخاری رحمہ اللہ کی معرفت عِلَلِ حدیث کا یہ عالم تھا کہ امام مسلم حدیث ''کفارۂ مجلس'' کی ان سے تعلیل معلوم کر کے پکار اٹھے تھے:

«لَا يُبْغِضُكَ إِلَّا حَاسِدٌ وَأَشْهَدُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِثْلُكَ»

''آپ سے بغض وہی رکھے گا جو حاسد ہوگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا اور کوئی نہیں۔''[1]

امام مسلم رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھ کر اس انداز سے سوال کرتے، جیسے بچہ (بڑوں سے) سوال کرتا ہے۔[2]

ابراہیم الخواص کہتے ہیں:

«رَأَيْتُ أَبَا زُرْعَةَ كَالصَّبِيِّ جَالِسًا بَيْنَ يَدَيْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ يَسْأَلُهُ عَنْ عِلَلِ الْحَدِيثِ»

''میں نے امام ابو زرعہ کو دیکھا وہ امام محمد بن اسماعیل کے سامنے بچے کی طرح بیٹھے تھے اور ان سے عِلَلِ حدیث کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔''[3]

امام بخاری رحمہ اللہ سے علل اور رجال کے بارے میں امام محمد بن یحییٰ ذہلی کے سوالات اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بڑی بے تکلفی سے ان کا جواب دینا اوپر ہم نقل کر آئے ہیں جس سے علل الحدیث میں امام بخاری کے کمال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر حاسدین کو امام بخاری کی یہ عظمت بھی ناگوار گزرتی ہے، وہ اپنے دل کا غبار کم

---

1 هدي الساري، ص: 488. 2 السير: 432/12. 3 طبقات الشافعية: 222/2، والسير: 407/12.

کرنے کے لیے امام ابو احمد الحاکم کے قول کے مقابلے میں حافظ مسلمہ بن قاسم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حافظ مسلمہ نے کہا:

"امام علی بن مدینی نے کتاب العلل تالیف کی تھی اور وہ اسے دوسروں کو دکھانے میں بڑے بخیل تھے، اتفاقاً ایک روز درس سے غیر حاضر ہوئے تو امام بخاری ان کے کسی صاحب زادے کے پاس پہنچ گئے اور اسے مال کا لالچ دیا کہ وہ انھیں ایک دن کے لیے یہ کتاب دکھا دے۔ صاحب زادے نے کتاب ان کے حوالے کر دی۔ امام بخاری نے اسے لے کر کاتبوں کے سپرد کر دیا اور انھوں نے اسے نقل کر دیا، پھر وہ کتاب اس صاحب زادے کو واپس کر دی۔ اس کے بعد جب امام علی آئے اور انھوں نے اس موضوع پر کلام کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بارہا بالکل انھی کی عبارت میں جواب دیا۔ امام علی بن مدینی معاملہ بھانپ گئے اور سخت رنجیدہ خاطر ہوئے بالآخر اسی رنج و غم میں کچھ دن بعد انتقال کر گئے۔ اور امام بخاری اس کتاب کی بدولت ان سے بے نیاز ہو کر خراسان چلے گئے اور کتاب الصحیح کی تالیف میں مصروف ہو گئے جس سے ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ ساری داستان تہذیب التہذیب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمے میں ذکر کی ہے۔ مگر حافظ مسلمہ کا یہ بیان از اول تا آخر بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا یہ قول نقل کر کے اس کا مدلل جواب بھی دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

① اس قصے کی خرابی اتنی ظاہر ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں، اس کے لغو اور بے بنیاد ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں۔ مسلمہ 353 ھ میں 60 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[1] اور امام بخاری 256 ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ اس طرح ان کی پیدائش امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے 37,36 سال بعد بنتی ہے اور امام علی بن مدینی المتوفی 234 ھ سے تقریباً 59,58 سال بعد اور انھوں نے اپنے اس دعوے کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔

② امام علی بن مدینی کا جب انتقال ہوا تو امام بخاری وہیں مقیم تھے۔ اس لیے یہ کہنا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس کتاب کی بدولت بے نیاز ہوکر خراسان چلے گئے، بالکل اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔

③ امام علی بن مدینی سے ان کی کتاب العلل کا سماع امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ بہت سے حضرات نے کیا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ امام علی بن مدینی اس کتاب کے بارے میں بڑے بخیل تھے بالکل خلاف حقیقت ہے۔ امام ابن المدینی کی کتاب العلل کا ایک حصہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قراءت ان کے تلامذہ نے امام صاحب پر کی تھی اور امام ابن ابی حاتم، امام دارقطنی، امام بیہقی اور خطیب بغدادی نے اس کی نصوص اپنی تصانیف میں نقل کی ہیں۔ اس لیے امام ابن المدینی کی طرف اس کے بارے میں بخل کی نسبت محض تصوراتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

④ حافظ مسلمہ بن قاسم کی جس طرح اس بے سند حکایت کا بطلان واضح ہے بالکل

---

1 لسان:44/6.

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ وہ خلقِ قرآن کے قائل تھے بہت بڑی جسارت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ جو میری طرف اس بات کی نسبت کرتا ہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے وہ جھوٹا ہے۔[1]

بلکہ انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں اور جو کوئی اسے اللہ کی مخلوق کہے وہ کافر ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کی ان وضاحتوں کے باوجود حافظ مسلمہ بن قاسم کا قول امام بخاری پر بہتانِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ «هُوَ شَيْءٌ لَّمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ أَحَدٌ» ''یہ ایسی بات ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کہی۔''[3]

⑤ حافظ مسلمہ بن قاسم قرطبی گو ''التاریخ الکبیر'' اور ''الصلۃ'' وغیرہ کتب کے مصنف ہیں مگر وہ اس قابل نہیں کہ تنہا ان کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ حافظ ذہبی نے (السیر 111/16 میں) انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔[4]

ابوجعفر المالقی نے کہا ہے: «فِيهِ نَظَرٌ» اور اندلس کی ایک جماعت اس پر معترض تھی اور بسا اوقات کہتے تھے وہ جھوٹا ہے۔ مگر قاضی محمد بن احمد نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا تو نہ تھا البتہ ضعیف العقل تھا۔ علامہ ابن الفرضی نے تو کہا ہے کہ اس سے مشبہہ جیسا برا کلام محفوظ کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اگرچہ اس کے فرقہ مبتدعہ مشبہہ سے تعلق کی نفی کی ہے مگر علامہ ابن الفرضی کا قول ان سے بہر حال

---

1 تهذيب: 54/9، والسير: 457/12، وهدي الساري وغيره. 2 تاريخ بغداد: 32/2، والسير: 456/12 وغيره. 3 تهذيب: 55/9. 4 ميزان: 112/4.

مقدم ہے۔ لہٰذا جب حافظ مسلمہ فرد ضعیف اور نا قابلِ اعتبار ہے تو اس کے اس قول سے امام بخاری کے بارے میں کہی گئی باتیں کیونکر قابلِ اعتبار ہو سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ حاسدین امام بخاری اُس کے اسی بے ثبوت قول کو امام ابو احمد الحاکم وغیرہ کے قول کے مقابلے میں پیش کر کے اپنا غم غلط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ میں جہاں ایک محدث کے کامل اوصاف پائے جاتے ہیں اور اس فن کے آئمہ کا امام ہونے کا انھیں شرف حاصل ہے وہاں وہ فقہ الحدیث اور مسائل کے استنباط واستخراج میں بھی امامت کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ چنانچہ ان کے مشہور استاد امام محمد بن بشار، جن کا لقب بندار تھا، فرماتے ہیں: «هُوَ أَفْقَهُ خَلْقِ اللّٰهِ فِي زَمَانِنَا» ''وہ ہمارے زمانے میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔'' امام بندار بصرہ میں سکونت پذیر تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بصرہ میں تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا: «قَدِمَ الْيَوْمَ سَيِّدُ الْفُقَهَاءِ» ''آج ہمارے فقہاء کے سردار آئے ہیں۔''

حاتم بن محمد وراق کہتے ہیں کہ میں نے علمائے مکہ سے سنا، فرماتے تھے: ''محمد بن اسماعیل ہمارے امام، ہمارے اور خراسان کے فقیہ ہیں۔''[1]

امام ابو مصعب احمد بن ابی بکر ازہری المتوفی 242ھ جو اہل مدینہ کے فقیہ اور امام مالک سے ان کے موطأ کے راوی ہیں اور امام دارقطنی نے موطأ میں ان کی روایت کو یحییٰ بن بکیر کی روایت سے راجح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل ہمارے نزدیک امام احمد سے زیادہ فقیہ اور حدیث میں ان سے زیادہ

1 السیر: 425/17.

بصیرت رکھتے ہیں۔'' حاضرین میں سے کسی نے کہا: آپ نے حد سے تجاوز کیا ہے (کہ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی امام بخاری کو بڑھا دیا ہے) تو امام ابومصعب نے فرمایا:

«لَوْ أَدْرَكْتَ مَالِكاً وَّنَظَرْتَ إِلٰى وَجْهِهِ وَوَجْهِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ لَقُلْتَ: كِلَاهُمَا وَاحِدٌ فِي الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ»

''اگر تم امام مالک سے ملو اور ان کو اور محمد بن اسماعیل کو دیکھو تو تم کہو گے کہ یہ دونوں حدیث اور فقہ میں ایک ہی مرتبہ پر فائز ہیں۔''[1]

امام نعیم بن حماد اور یعقوب بن ابراہیم الدورقی نے فرمایا ہے کہ محمد بن اسماعیل «فَقِيهُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ» ''اس امت کے فقیہ ہیں۔''[2]

امام قتیبہ بن سعید کے پاس سائل نے طلاقِ سکران کے بارے میں پوچھا، حسنِ اتفاق کہ جواب دینے سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ وہاں پہنچ گئے تو امام قتیبہ نے فرمایا: ''یہ احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علی بن مدینی ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمھارے مسئلے کے حل کے لیے انھیں بھیجا ہے۔''[3]

امام قتیبہ کی بات کا بجز اس کے اور کیا مفہوم ہوسکتا ہے کہ امام بخاری ان حضرات کے علوم و معارف کے امین اور وارث ہیں۔ بلکہ امام اسحاق، جو حدیث اور فقہ کے امام اور مجتہد ہیں، نے تو فرمایا ہے:

«لَوْ كَانَ فِي زَمَنِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ لَاحْتَاجَ إِلَيْهِ لِمَعْرِفَتِهِ بِالْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ»

---

1 مقدمة فتح الباري، ص: 482. 2 السير: 12/424، وتهذيب: 9/51. 3 السير: 12/418 وغيره.

”اگر محمد بن اسماعیل بخاری، امام حسن بصری کے دور میں ہوتے تو حسن بصری بھی ان کی حدیث اور فقہ میں معرفت کی بنا پر ان کے محتاج ہوتے۔“[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

«جَبَلُ الْحِفْظِ وَإِمَامُ الدُّنْيَا فِي فِقْهِ الْحَدِيثِ»

”حفظ کے پہاڑ اور فقہ الحدیث میں دنیا کے امام ہیں۔“[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں اسی قسم کی آراء دیگر اہل علم سے بھی منقول ہیں، ہمارا مقصد اس حوالے سے تمام اقوال کا استیعاب نہیں۔ بتلانا صرف یہ ہے کہ انھیں ان کے اساتذہ، شیوخ معاصرین اور بعد کے دور کے بہت سے اہلِ علم نے فقیہ اور مجتہد قرار دیا ہے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف تو ان حضرات نے بھی کیا ہے جن کے بعض اکابرین نے آئمۂ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے، چنانچہ علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْبُخَارِيَّ مُجْتَهِدٌ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَ أَمَّا مَا اشْتَهَرَ أَنَّهُ شَافِعِيٌّ فَلِمُوَافَقَةِ إِيَّاهُ فِي الْمَسَائِلِ الْمَشْهُورَةِ وَ إِلَّا فَمُوَافَقَتُهُ لِلْإِمَامِ الْأَعْظَمِ لَيْسَ أَقَلَّ لِمَا وَافَقَ فِيهِ الشَّافِعِيَّ»

”خوب جان لو کہ امام بخاری بلاریب مجتہد ہیں اور جو ان کا شافعی ہونا مشہور ہے تو اس کا سبب مسائل مشہورہ میں ان کی امام شافعی سے موافقت ہے۔ ورنہ ان کی امام اعظم ابوحنیفہ سے موافقت، امام شافعی کی موافقت

---

1 مقدمة فتح الباري، ص:483 وغيره. 2 تقريب، ص:825.

سے کم نہیں۔'' [1]

غور فرمایا آپ نے کہ آخری جملے میں حضرت کشمیری کیا فرما رہے ہیں۔ یہ ہیچمداں (کم علم) تو اسے بھی ان کے اس قول کے تناظر ہی میں سمجھتا ہے جو انھوں نے صحیح بخاری کی احادیث کے حوالے سے فرمایا ہے:

«أَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ عُلَمَاءَ الْمَذَاهِبِ كُلَّهُمْ يَتَفَاخَرُونَ بِمُوَافَقَةِ حَدِيثِ الْبُخَارِيِّ إِيَّاهُمْ لِكَوْنِهِ أَصَحَّ عِنْدَهُمْ»

''آپ جانتے ہیں کہ تمام مذاہب کے علماء بخاری کی حدیث کی موافقت پر فخر کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے۔'' [2]

اسی طرح گویا ان مذاہب کے علماء اپنے اپنے مسائل میں امام بخاری رحمہ اللہ کی موافقت پر فخر کرتے ہیں۔ علامہ کشمیری ہی فرماتے ہیں:

«وَالْإِمَامُ الْبُخَارِيُّ مُوَافِقٌ لَّنَا فِي اشْتِرَاطِ الْوُضُوءِ لِلْجَنَازَةِ»

''امام بخاری جنازہ کے لیے اشتراطِ وضوء میں ہمارے موافق ہیں۔'' [3]

حتی کہ شوافع نے تو انھیں شافعی اور حنابلہ نے حنبلی بنا دیا، حالانکہ وہ مجتہد ہیں۔

اسی طرح مولانا محمد زکریا شیخ ابراہیم بن عبد اللطیف سندھی کی کتاب سحق الأغبياء من الطاعنين في كمل الأولياء والأتقياء والعلماء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

«قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْعَلَوِيُّ: الْبُخَارِيُّ إِمَامٌ مُّجْتَهِدٌ بِرَأْسِهِ

---

1 مقدمه فيض الباري، ص: 58، نیز دیکھیے: العرف الشذي، ص: 29، 41، 206. 2 فيض الباري: 2/478. 3 العرف الشذي، ص: 31.

كَأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَالْمَالِكِ وَأَحْمَدَ»

''سلیمان بن ابراہیم علوی نے کہا ہے کہ امام بخاری امام، مستقل مجتہد ہیں، جیسے امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد ﷭ ہیں۔''[1]

کسی کے کہنے کی کیا بات خود امام بخاری ﷫ نے اپنے موقف و مذہب کی وضاحت فرما دی ہے:

«لَا أَعْلَمُ شَيْئًا يَّحْتَاجُ إِلَيْهِ إِلَّا وَهُوَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَقُلْتُ لَهُ: يُمْكِنُ مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ»

''انسان جس مسئلے کا بھی محتاج ہے اس کا جواب کتاب و سنت میں موجود ہے۔ میں (ان کے تلمیذ محمد بن ابی حاتم وراق) نے کہا: کیا ان تمام مسائل کی معرفت ممکن ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ''ہاں!''[2]

اس سے امام بخاری کے موقف کو سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ مسائل کے حل میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو کافی و شافی سمجھتے ہیں۔ کسی فقہ کی پیروی کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں۔ شارحِ صحیح بخاری حافظ ابن حجر ﷫ نے بالکل بجا فرمایا ہے:

«لَمْ نَجِدْ عَنْ أَحَدٍ مِّمَّنْ عَرَفَ حَالَ الْبُخَارِيِّ وَسِعَةَ عِلْمِهٖ وَجَوْدَةَ تَصَرُّفِهٖ حَكٰى أَنَّهٗ كَانَ يُقَلِّدُ فِي التَّرَاجِمِ وَلَوْ كَانَ كَذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ مَزِيَّةٌ عَلٰى غَيْرِهٖ وَقَدْ تَوَارَدَ النَّقْلُ عَنْ كَثِيرٍ مِّنَ الْأَئِمَّةِ أَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ مَا امْتَازَ بِهٖ كِتَابُ الْبُخَارِيِّ دِقَّةُ نَظْرِهٖ

---

1 مقدمة اللامع الدراري: 68/1. 2 السير: 412/12، ومقدمة فتح الباري.

فِي تَصَرُّفِهِ فِي تَرَاجِمِ أَبْوَابِهِ»

''جو حضرات امام بخاری کے حال، ان کے وسعتِ علم، جودتِ تصرف سے واقف ہیں ان میں سے ہم نے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے بیان کیا ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ تراجمِ ابواب میں تقلید کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسروں پر انھیں کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ بہت سے ائمہ سے یہ متواتر منقول ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے امتیاز میں من جملہ یہ بات ہے کہ انھوں نے اس کے تراجمِ ابواب میں اپنی باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے۔''[1]

اور اہل علم کے ہاں تو یہ جملہ معروف ہے کہ «فِقْهُ الْبُخَارِيِّ فِي تَرَاجِمِهِ»

''امام بخاری کی فقہ صحیح کے تراجمِ ابواب میں ہے۔''

امام بخاری کا ''الجامع الصحیح'' کی ترتیب وتصنیف کا مقصد صرف صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کرنا ہی نہیں تھا بلکہ ''روایت و درایت'' پر مشتمل کتاب مقصود تھی۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

«لَيْسَ مَقْصُودُ الْبُخَارِيِّ الِاقْتِصَارَ عَلَى الْأَحَادِيثِ فَقَطْ بَلْ مُرَادُهُ الِاسْتِنْبَاطُ عَنْهَا وَالِاسْتِدْلَالُ......»

''امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود صرف احادیث ذکر کرنا نہیں بلکہ ان کی مراد استنباط اور استدلال بھی ہے۔''[2]

شارح صحیح بخاری نے بھی فرمایا ہے:

«وَهٰذَا الْكِتَابُ وَ إِنْ كَانَ أَصْلُ مَوْضُوعِهِ إِيرَادُ الْأَحَادِيثِ

---

1 فتح الباري: 14/1، حديث: 62. 2 مقدمة فتح الباري، ص: 8.

الصَّحِيحَةِ فَإِنَّ أَكْثَرَ الْعُلَمَاءِ فَهِمُوا مِنْ إِيرَادِهِ أَقْوَالَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَفُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ إِنَّ مَقْصُودَهُ أَن يَّكُونَ كِتَابُهُ جَامِعًا لِّلرِّوَايَةِ وَالدِّرَايَةِ»

''اس کتاب کا اگرچہ اصل موضوع صحیح احادیث بیان کرنا ہے، تاہم اکثر علماء نے اس میں اقوالِ صحابہ وتابعین اور فقہائے امصار کے اقوال آنے سے سمجھا ہے کہ امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ان کی کتاب روایت و درایت کی جامع ہو۔'' [1]

گویا یہ کتاب صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ فقہ الحدیث کا ایک نادر مجموعہ ہے جو ستانوے کتب اور تین ہزار آٹھ سو ستاون ابواب پر مشتمل ہے۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے تین ہزار آٹھ سو ستاون مسائل کو قرآن مجید اور صحیح احادیثِ مبارکہ سے ثابت کیا ہے۔ اس بین حقیقت کے باوجود بعض مسموم اذہان کو امام بخاری رحمہ اللہ کا فقیہ اور مجتہد ہونا ناگوار گزرتا ہے۔

بلکہ بعض عاقبت نا اندیش لوگوں نے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مقام کو داغ دار کرنے کے لیے ایک قصہ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کر دیا۔ اور آج تک وہ اس جھوٹے واقعہ کو ڈھال بنائے ہوئے ہیں۔ چند سال کی بات ہے کہ ایک مسئلے کی تحقیق و تنقیح کے لیے حکومتی سطح پر ایک مجلس بلائی گئی۔ دوران گفتگو میں ہیچمدان نے امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کا اشارہ کیا تو بریلوی مکتب فکر کے ایک بڑے جامعہ کے شیخ الحدیث نے گل چھڑی اڑائی کہ امام بخاری نے تو یہ فتوی دیا تھا، ان

1 فتح الباري: 6/366.

کی رائے کا کیا اعتبار۔ ان کی اس جسارت پر میری حیرت کی انتہا نہ رہی، میں نے بآواز بلند کہا: شیخ الحدیث صاحب! امام بخاری کی طرف اس فتوے کا انتساب صریح جھوٹ اور امام بخاری پر بہتانِ عظیم ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ انھی کے ایک اور شیخ الحدیث نے انھیں خاموش رہنے کا کہا اور اس کی بھی وضاحت کردی کہ امام صاحب کی طرف اس کا انتساب درست نہیں۔

یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امام بخاری، بخارا تشریف لائے، لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تو وہ ان کا جواب دیتے مگر مشہور حنفی فقیہ احمد بن حفص ابو حفص کبیر المتوفی 217ھ نے انھیں فتویٰ دینے سے منع کردیا اور کہا کہ تم فتویٰ دینے کے اہل نہیں ہو۔ مگر امام بخاری فتویٰ دینے سے باز نہ آئے۔ تا آنکہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ دو بچوں نے اگر بکری یا گائے کا دودھ پیا ہو تو اس سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ ان کے اس فتوی کی بنا پر لوگوں نے انھیں بخارا سے نکال دیا۔

جہاں تک میری معلومات ہیں یہ قصہ سب سے پہلے علامہ محمد بن احمد ابوبکر شمس الائمہ سرخسی المتوفیٰ 438ھ نے المبسوط: 135/5 اور 297/31 میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد یہی قصہ حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیۃ: 67/1 میں اور علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی نے کشف الأسرار شرح المنار میں، صاحب العنایہ اور شیخ حسین بن محمد الدیار بکری نے تاریخ الخمیس: 342/2 میں کشف کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حالانکہ علامہ سرخسی نے اس کی کوئی سند اور حوالہ پیش نہیں کیا۔ یہ بزرگ اپنی تمام تر

عظمتوں کے باوصف اپنی اس کتاب میں احادیث مبارکہ ذکر کرنے میں بڑے دلیر اور متساہل ہیں۔ وہ بڑی جرأت سے بے اصل روایات بلا اسناد ذکر کرتے ہیں۔ یہ تو ایک واقعہ ہے اس کی سند کے اہتمام کا ان کے ہاں دور، دور تک تصور نہیں۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اسی واقعہ کے بارے میں شیخ احمد بن حفص ابوحفص الکبیر کے ترجمہ میں کہا ہے:

«هِيَ حِكَايَةٌ مَّشْهُورَةٌ فِي كُتُبِ أَصْحَابِنَا ذَكَرَهَا أَيْضًا صَاحِبُ الْعِنَايَةِ وَغَيْرُهُ مِنْ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ لٰكِنِّي أَسْتَبْعِدُ وُقُوعَهَا بِالنِّسْبَةِ إِلٰى جَلَالَةِ قَدْرِ الْبُخَارِيِّ وَدِقَّةِ فَهْمِهِ وَسِعَةِ نَظْرِهِ وَ غَوْرِ فِكْرِهِ مِمَّا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنِ انْتَفَعَ بِصَحِيحِهِ وَعَلٰى تَقْدِيرِ صِحَّتِهَا فَالْبَشَرُ مُخْطِيءٌ»

''یہ قصہ ہمارے حنفی حضرات کی کتابوں میں مشہور ہے، اسے صاحب عنایہ اور دیگر شارحینِ ہدایہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک اس کا وقوع امام بخاری کی جلالتِ قدر، باریک بینی، وسعتِ نظر اور نکتہ شناسی کی بنا پر بہت بعید ہے، جیسا کہ صحیح بخاری سے بہرہ مند ہونے والے پر مخفی نہیں، بالفرض اسے صحیح کہا جائے تو وہ انسان تھے اور انسان سے خطا ہوجاتی ہے۔''[1]

اس قصے کا بطلان نصف النہار کی طرح واضح ہے۔ ابوحفص کبیر 217ھ میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد امام بخاری آخرِ عمر میں بخارا تشریف لائے، کسی نے

[1] الفوائد البهية، ص: 18.

ان کے آنے پر تعرض نہیں کیا۔ امام بخاری اور امام محمد بن یحییٰ ذہلی کا نیشاپور میں اختلاف 250ھ میں ہوا۔ اسی سال وہ رے تشریف لے گئے اور اس کے بعد بخارا تشریف لے گئے۔ امیر بخارا خالد بن احمد [1] اور حریث بن ابی الورقاء کی ملی بھگت سے اس الزام کے پیشِ نظر کہ وہ قرآنی الفاظ کو مخلوق کہتے ہیں بخارا سے نکال دیے گئے۔ [2]

امام بخاری پر عقیدہ کے اس الزام کے علاوہ حنفی فقیہ حریث بن ابی الورقاء کو امام بخاری کا نماز میں رفع الیدین کرنا اور اکہری اقامت کہنا جیسے مسائل نے دو آتشہ کردیا۔ حاکم بخارا خالد بن احمد کے پاس امام بخاری کے خلاف احتجاج کیا جس کے نتیجے میں بالآخر امام بخاری نے بخارا کو خیر باد کہا۔ [3]

اس ''کارِ خیر'' میں محمد بن احمد بن حفص، جو ابو حفص کے فرزند ارجمند تھے، نے بھی کچھ حصہ لیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

«فَهَمَّ خالِدٌ حَتّٰى أَخْرَجَهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَفْصٍ إِلٰى بَعْضِ رِبَاطَاتِ بُخَارىٰ»

''چنانچہ خالد نے امام بخاری کو نکالنے کا قصد کیا تو محمد بن احمد بن حفص نے انھیں بخارا کے بعض سرائے کی طرف نکال دیا۔'' [4]

یہی بات علامہ ذہبی کے حوالے سے مولانا لکھنوی نے الفوائد البہیہ (ص:19)

---

1 اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ امام صاحب میرے گھر پر میرے بیٹوں کو الجامع اور التاریخ پڑھائیں۔ امام صاحب نے اس کا انکار کردیا تو اس نے حریث وغیرہ سے اس بارے میں معاونت طلب کی تھی۔

2 السیر:12/465. 3 السیر:12/465. 4 السیر: 12/617.

میں بھی ذکر کی ہے۔جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام بخاری کو بخارا سے 217 ہجری میں فوت ہونے والے ابوحفص کے حوالے سے نکلوانے کا قصہ انتہائی لغو ہے۔

علامہ کوثری، جو بات کو بگاڑنے میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں، نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ یہ قصہ ابوحفص کبیر المتوفی 217ھ کا نہیں ہوسکتا۔مگر ساتھ یہ گوہر افشانی بھی فرمائی کہ یہ ابوحفص صغیر محمد بن احمد بن حفص کا ہے جیسا کہ انھی کے حوالے سے ان کے تلمیذ رشید شیخ ابوغدہ نے قواعد علوم الحدیث کے حاشیہ،ص:382 میں نقل کیا ہے۔ اصل قصے کا انکار انھوں نے بھی نہیں کیا۔حالانکہ علامہ سرخسی اور دیگر فقہاء نے امام بخاری کو شہر بخارا سے نکلوانے والے کا نام ابوحفص کبیر بتلایا ہے۔ اگر علامہ کوثری کی بات درست ہے تو اس سے علامہ سرخسی وغیرہ کی بہرحال تردید ہوتی ہے۔

شیخ محمد بن احمد بن حفص ابوعبداللہ، جن کی کنیت ابوحفص صغیر بھی بیان کی گئی ہے، ان کے تذکرے میں بھی امام بخاری کے اس فتوے کا اور اس کے نتیجے میں بخارا سے ان کے نکلوائے جانے کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ بخارا سے نکالے جانے کا سبب حاکم بخارا کا عناد، امام بخاری کے بارے میں قرآن پاک کو مخلوق کہنے کی غلط شکایت اور حریث بن ابی الورقاء کی مسلکی مخالفت ہے جس میں کچھ عمل دخل شیخ محمد بن احمد کا بھی ہے جیسا کہ السیر کے حوالے سے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ امام بخاری کی طرف منسوب فتوے کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ کوثری نے ہاتھ کی صفائی سے اسی کو اخراج کا سبب بتلایا ہے۔

بہر حال علامہ ابوحفص کبیر کے دور میں امام بخاری کا بخارا سے نکالے جانے کا قصہ غلط اور علامہ سرخسی وغیرہ کا اس حوالے سے بیان بے بنیاد ہے۔ حیرت ہے ایک اور فقیہ علامہ محمد بن ابن البزاز الکردری متوفی 827ھ نے اپنے الفتاوی البزازیہ میں امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کا باعث ایک اور مسئلہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ ایمان کومخلوق کہنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

«فَاتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّهٗ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَّالْقَائِلُ بِخَلْقِهٖ كَافِرٌ وَّ أُخْرِجَ صَاحِبُ الْجَامِعِ الْإِمَامُ الْبُخَارِيُّ مِنْ بُخَارٰى بِسَبَبِهٖ»

''اتفاق ہے کہ ایمان مخلوق نہیں، جو ایمان کومخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے۔ اور امام بخاری صاحب الجامع کو بخارا سے اسی بنا پر نکالا گیا تھا۔ (کہ وہ ایمان کومخلوق کہتے تھے۔)''[1]

اندازہ کیجیے بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ ہمارے نزدیک تو جس طرح علامہ سرخسی کا بیان کیا ہوا سبب بے بنیاد اور امام بخاری پر اتہام ہے اسی طرح علامہ کردری کا یہ بیان بھی کذب و افترا پر مبنی ہے۔ دراصل یہ حضرات نقلِ روایت میں قابل اعتبار نہیں۔ سنی سنائی بات کو بیان کرنے اور اس پر حکم صادر کرنے میں سخت متساہل ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔

بات طول پکڑ گئی۔ مقصد یہ تھا کہ امام بخاری فقیہ اور مجتہد ہیں مگر بعض طبائع ان کے اس مرتبے پر بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اور اس قسم کی بہتان طرازیوں سے ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے

1 البزازية:6/329.

کے لیے یہ بھی اگلتے ہیں کہ الجامع الصحیح کے متعدد تراجمِ ابواب کی احادیث کے ساتھ کوئی موافقت نہیں، حالانکہ تراجم ابواب کی اہمیت اور ان میں وارد احادیث کی باب سے مناسبت پر اہلِ علم نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور شارحین ''الجامع الصحیح'' نے بھی اس کی عقدہ کشائی کی ہے۔ ماضی قریب میں ایک حنفی مولوی عمر کریم نے اس حوالے سے اپنی شیخی بگھاری تو مولانا ابوالقاسم بنارسی نے ''الجزی العظیم'' اور حل مشکلات البخاری میں اس کا جواب دیا۔ جواب ''دفاع صحیح بخاری'' کے نام سے ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ شاہد محمود حفظہ اللہ کی تعلیقات سے مزین ہوکر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ کور ذوق کو امام بخاری کی رفعتوں اور نکتہ شناسیوں سے کیا علاقہ ہے۔ علامہ محمد انور کشمیری فرماتے ہیں:

«وَالْبُخَارِيُّ سَابِقُ الْغَايَاتِ فِي وَضْعِ التَّرَاجِمِ، فَإِنَّهُ قَدْ تَحَيَّرَتِ الْعُقَلَاءُ فِيهَا»

''تراجم قائم کرنے میں امام بخاری غایات پر پہنچنے میں گوئے سبقت لیے ہوئے ہیں۔ عقلاء ان کے تراجم پر حیرت زدہ ہیں۔''[1]

امام بخاری نے ابطالِ حیل کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ طاعون اگر کسی جگہ پھیلا ہوا ہو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم پہلے سے وہاں موجود ہو تو وہاں سے مت نکلو۔ حافظ ابن قیم امام بخاری کے تفقہ کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

«هٰذَا مِنْ دِقَّةِ فِقْهِهِ رَحِمَهُ اللهُ، فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ قَدْ نَهٰى ﷺ عَنِ الْفِرَارِ

---

1 العرف الشذي، ص: 29.

مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِذَا نَزَلَ بِالْعَبْدِ، رِضًا بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ تَسْلِيمًا لِّحُكْمِهِ، فَكَيْفَ بِالْفِرَارِ مِنْ أَمْرِهِ وَدِينِهِ إِذَا نَزَلَ بِالْعَبْدِ؟»

''یہ استدلال امام بخاری رحمہ اللہ کی دقتِ فہم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قضاء و قدر آجانے کے بعد وہاں سے فرار سے روکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کے احکامات جب بندے پر لاگو ہو جائیں تو اس سے فرار کی کیا گنجائش ہے؟''[1]

اس لیے اگر کچھ کم عقلوں کو الجامع الصحیح کے تراجم اور ان میں مذکور احادیث کے مابین کوئی توافق نظر نہیں آتا تو انھیں اہل عقل و فکر سے رجوع کرنا چاہیے نہ کہ الٹا امام بخاری کو ہدفِ تنقید بنایا جائے۔

بعض حضرات نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ امام بخاری آئمہ متبوعین میں سے نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو امام ترمذی بھی ان کا مذہب و موقف بیان کرتے۔ (ماتمس إليه الحاجة) حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ حافظ ذہبی رقمطراز ہیں:

«وَكَذَا لَا أَذْكُرُ فِي كِتَابِي مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَتْبُوعِينَ فِي الْفُرُوعِ أَحَدًا لِّجَلَالَتِهِمْ فِي الْإِسْلَامِ وَ عَظْمَتِهِمْ فِي النُّفُوسِ مِثْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَالْبُخَارِيِّ، فَإِنْ ذَكَرْتُ أَحَداً مِّنْهُمْ فَأَذْكُرُهُ

---

1 إغاثة اللهفان: 391/1.

عَلَى الْإِنْصَافِ»

’’اور اسی طرح میں اپنی اس کتاب میں فروع میں ائمۂ متبوعین کا ذکر نہیں کروں گا، اسلام میں ان کی جلالتِ شان اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت کی بنا پر، جیسے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام بخاری رحمہم اللہ ہیں۔ اگر میں ان میں سے کسی کا ذکر کروں گا تو راہِ انصاف پر ذکر کروں گا۔‘‘[1]

اس لیے امام بخاری کو آئمۂ متبوعین میں نہ سمجھنا بھی ان سے عناد ہی کا نتیجہ ہے۔ رہی یہ بات کہ امام ترمذی نے کہیں ان کا مذہب ذکر نہیں کیا جبکہ وہ دیگر فقہاء کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ امام ترمذی تو اہلِ کوفہ کے فقہاء امام سفیان ثوری، وکیع بن جراح کے فقہی اقوال ذکر کرتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ کے نام سے ایک فقہی قول بھی ذکر نہیں کیا۔ امام ترمذی نے جابجا عند أصحابنا کہہ کر محدثین کے مذہب کو بیان کیا ہے۔ تو کیا امام بخاری رحمہ اللہ ان کے اصحاب میں شامل نہیں ہیں، پھر کیا امام ترمذی نے تمام فقہائے مجتہدین کے مذاہب بیان کرنے کا اہتمام کیا! نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ امام ترمذی نے بیان مذاہب میں امام اسحاق اور امام عبداللہ بن مبارک کا نام بھی جابجا لیا ہے۔ کیا وہ بھی ان معترضین کے نزدیک مجتہد ہیں؟ بلکہ امام عبداللہ بن مبارک کو تو بعض حضرات حنفی باور کرانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

اس لیے امام بخاری کے اجتہاد و تفقہ پر شرذمہ قلیلہ (چند لوگوں) کے اس قسم کے اعتراضات بیمار ذہن کی علامت ہیں۔ ان کے اس مقام و مرتبہ کا اعتراف ان کے شیوخ نے، معاصرین نے، تلامذہ نے اور بعد کے ہر طبقہ کے اہلِ علم نے کیا ہے۔

---

1 میزان الاعتدال: 2/1.

اس پر کسی حاسد کے ناک بھوں چڑھانے سے ان کی شان کم نہیں بلکہ مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔

امام بخاری ایک محدث، جرح و تعدیل کے امام، تاریخ ورجال کے پیشوا، معرفتِ علل کے شہسوار، اور فقہ الحدیث میں مقتدا ہی نہیں تفسیر میں بھی بلند مقام کے حامل تھے۔ الجامع الصحیح میں کتاب التفسیر کے علاوہ "التفسیر الکبیر" کے نام سے بھی ان کی ایک مستقل تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی نام سے اس کتاب کا ذکر مقدمہ فتح الباری، ص: 492 میں کیا ہے۔ بروکلمان نے تاریخ الادب العربی: 3/179 میں اس کے ایک نسخہ کا پیرس کی لائبریری میں ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس کے ایک حصے کا جزائر میں ہونے کا پتہ بھی دیا ہے۔ امام صاحب کی اسی تفسیری خدمت کی بنا پر علامہ محمد بن علی الداوودی المتوفی 945ھ نے امام بخاری کا تذکرہ طبقات المفسرین، ص:370 میں کیا ہے۔

امام بخاری کی ان خدماتِ علمیہ سے یہ بات نصف النہار کی طرح روشن نظر آتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے جس قدر تصانیف چھوڑیں ہیں، بعد میں آنے والے سبھی ان کے خوشہ چین اور نیازمند ہیں۔ اور یہی ان کے کمال کا اعتراف ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعاً۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ان علمی فتوحات کے علاوہ یہ بھی دیکھیے کہ وہ اپنے اخلاق و کردار، ورع وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت، مجاہدہ و ریاضت، اطاعت وعبادت میں بھی یکتائے روزگار اور اپنی مثال آپ تھے۔ محدث رجاء بن رجاء نے تو فرمایا ہے:

«هُوَ آيَةٌ مِّنْ آيَاتِ اللّٰهِ تَمْشِي عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ»

''وہ تو زمین پر چلتی پھرتی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔''[1]

ابوسہل فرماتے ہیں میں مصر کے تیس سے زائد علمائے کرام کو ملا ہوں جو کہتے تھے:

''دنیا میں ہماری حاجت وضرورت بس یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوجائے۔'' (مقدمہ، ص 484) عبداللہ بن حماد الآ ملی فرماتے ہیں: ''میں تو پسند کرتا ہوں کہ میں امام بخاری کے سینے کا بال ہوتا۔'' (السیر: 422/12) احمد بن نصر الخفاف جب امام بخاری سے روایت کرتے تو ان الفاظ سے ان کا نام لیتے:

«حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ الْعَالِمُ الَّذِي لَمْ أَرَ مِثْلَهُ»

عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں: ''میں نے بصرہ کے علماء سے سنا کہ دنیا میں معرفتِ حدیث اور نیکی میں ہم نے محمد بن اسماعیل جیسا اور کوئی نہیں دیکھا۔''

ترجمہ نگاروں نے لکھا ہے کہ امام بخاری رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا یوں اہتمام کرتے کہ دن کو روزانہ ایک بار مکمل قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے اور تراویح کے علاوہ سحری کے وقت تین راتوں میں قرآن مجید ختم کرتے۔ اور نمازِ تراویح میں اپنے ساتھیوں کو ایک دفعہ قرآن مجید سناتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیات تلاوت فرماتے تھے۔ یوں گویا پورے رمضان میں اکتالیس مرتبہ قرآنِ مجید ختم کرتے تھے۔

نماز میں خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ امام صاحب کے تلمیذ محمد بن ابی حاتم الوراق کا بیان ہے: ان کے رفقاء نے انھیں باغ میں دعوت دی، وہاں ظہر کی نماز

---

1 مقدمة، ص: 484.

کے بعد سنن سے فارغ ہوئے تو قمیص مبارک اٹھا کر اپنے ایک ساتھی سے کہا: دیکھو قمیص میں کیا ہے؟ چنانچہ قمیص دیکھنے پر بھڑ نکلی جس نے 16 یا 17 بار امام صاحب کو ڈسا تھا اور جسم متورم تھا۔ ایک ساتھی نے کہا: جب اس نے پہلی بار ڈسا تھا آپ نماز توڑ دیتے، انھوں نے فرمایا: «كُنْتُ فِي سُورَةٍ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُتِمَّهَا» ''میں ایک سورت پڑھ رہا تھا میں نے چاہا کہ اسے مکمل کرلوں۔''[1]

خطیب بغدادی وغیرہ نے بالکل اسی نوعیت کا واقعہ کسی رات کی نماز کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے۔ (ایضاً) نماز سے محبت کا ہی نتیجہ تھا کہ ''الجامع الصحیح'' میں حدیث نقل کرنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

امام بخاری مستجاب الدعوات تھے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تو فوراً قبول ہو جاتی، محمد بن ابی حاتم الوارق کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

«دَعَوْتُ رَبِّي مَرَّتَيْنِ فَاسْتَجَابَ لِي يَعْنِي فِي الْحَالِ فَلَا أُحِبُّ أَنْ أَدْعُوَ بَعْدُ فَلَعَلَّهُ يُنْقِصُ حَسَنَاتِي»

''میں نے دوبار اپنے رب سے دعا کی تو اس نے فوراً قبول کرلی، اب میرا دل نہیں چاہتا کہ مزید کوئی دعا مانگوں جس سے میری نیکیوں میں کمی آئے یا دنیا ہی میں اس کا بدلہ مل جائے۔''[2]

دعا عبادت ہے اور طلبِ دعا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ یہاں امام صاحب کی مراد غالباً دنیا سے متعلقہ امور کی دعا ہے تو گویا انھوں نے مخصوص دنیا طلبی کی دعا کو پسند نہیں کیا اور یہ ربنا آتنا في الدنيا حسنة کے منافی نہیں۔ یا یہ کہ وہ دعا دنیا میں

---

1 تاریخ بغداد: 13،12/2. 2 مقدمة، ص: 480، والسير: 444/12.

قبول ہو جائے اور آخرت میں اس کا کوئی صلہ نہ ملے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو دعا بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوتی اس کا اجر قیامت کے دن کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔

محمد بن عباس الفِرَبْرِی کا بیان ہے کہ میں امام بخاری کے ہمراہ فِرَبر کی مسجد میں تھا۔ میں نے ایک معمولی تنکا ان کی ڈاڑھی میں سے نکالا اور چاہا کہ اسے مسجد میں پھینک دوں مگر انھوں نے فرمایا: ''اسے مسجد سے باہر پھینک کر آؤ۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی نوعیت کا ایک واقعہ محمد بن منصور سے نقل کیا ہے کہ ہم امام بخاری کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک صاحب نے ان کی ڈاڑھی سے تنکا نکال کر مسجد میں پھینک دیا۔ محمد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس تنکے اور لوگوں کی طرف التفات فرماتے ہیں، چنانچہ جب لوگوں کو غافل پایا تو امام صاحب نے تنکا اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ جب مسجد سے باہر تشریف لے گئے تب اسے مسجد سے باہر پھینک دیا۔ گویا انھوں نے سمجھا کہ جو چیز ڈاڑھی میں نہیں رہ سکتی وہ مسجد میں کیسے رہ سکتی ہے۔[2]

مسجد میں بو دار چیز کھا کر آنا تو کجا امام صاحب کچا لہسن، بو دار سبزی جسے ''کراث'' کہا جاتا تھا وہ بھی نہیں کھاتے تھے، اس لیے کہ ساتھیوں کو ان کی بو نا گوار نہ گزرے۔[3]

رسول اللہ ﷺ فداہ أرواحنا و أجسادنا و أموالنا بھی بو دار چیز کھانے سے بالعموم گریز کرتے تھے۔ اسی کا احیاء اور پاسداری امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد

---

1 السیر:12/445. 2 مقدمة، ص:481. 3 السیر:12/445.

ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے وراق کا بیان ہے کہ امام صاحب نے فرمایا:

«مَا أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ فِيهِ ذِكْرُ الدُّنْيَا إِلَّا بَدَأْتُ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ»

''جب بھی میں دنیوی معاملے میں بات کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کی ابتدا اللہ کی حمد وثنا سے کرتا ہوں۔''

اس سے ان کے ذکر وفکر کا اندازہ کیجیے جو بالکل ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (النور24:37) کا مصداق ہے کہ ان کی دنیوی معاملات کی مجلس بھی اللہ کی حمد وثنا سے خالی نہ تھی۔

ان کے اخلاصِ نیت کا اندازہ کیجیے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں کچھ مال آیا۔ خریدار حاضر ہوئے، انھوں نے مال خریدنا چاہا اور امام صاحب کو پانچ ہزار درہم نفع دینے کی پیشکش کی۔ امام صاحب نے فرمایا: رات ہے آپ تشریف لے جائیں۔ صبح کچھ اور لوگ حاضر ہوئے تو انھوں نے دس ہزار درہم نفع دینے کی پیش کش کی مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

«إِنِّي نَوَيْتُ الْبَارِحَةَ أَنْ أَدْفَعَهَا إِلَى الْأَوَّلِينَ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِمْ وَقَالَ: لَا أُحِبُّ أَنْ أَنْقُضَ نِيَّتِي»

''میں نے گزشتہ رات نیت کی تھی کہ یہ مال پہلے گاہکوں کو دے دوں گا، چنانچہ انھی کو مال دیا اور فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی نیت کو بدلوں۔''[1]

غور فرمائیے! دنیوی لین دین میں بھی نیت کی پاسداری کا کتنا احساس ہے

مقدمہ

1 مقدمة فتح الباري.

کیوں نہ ہو! انھوں نے تو ''الجامع الصحیح'' کا آغاز ہی «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» سے کیا ہے۔

غیبت جو ہمارے معاشرے کا ایک بڑا روگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ عموماً ''لحم خوری'' کے چسکے نے ہمیں اس بدعادت کا بھی عادی بنادیا ہے مگر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ ہیں کہ فرماتے ہیں: «أَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ وَلَا يُحَاسِبُنِي أَنِّي اغْتَبْتُ أَحَداً» ''میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ملوں گا تو وہ میرا حساب نہیں لے گا کہ میں نے کسی کی غیبت کی ہو۔''

انھوں نے یہ بھی فرمایا:

«مَا اغْتَبْتُ أَحَداً قَطُّ مُنْذُ عَلِمْتُ أَنَّ الْغِيبَةَ تَضُرُّ أَهْلَهَا»

''جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ غیبت، غیبت کرنے والے ہی کو نقصان دیتی ہے، میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہی قول مقدمہ فتح الباری، ص:480 میں بھی ذکر کیا ہے مگر وہاں الفاظ ہیں: «مُنْذُ عَلِمْتُ أَنَّ الْغِيبَةَ حَرَامٌ» ''جب سے مجھے پتہ چلا ہے کہ غیبت حرام ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے وراق کا بیان ہے کہ وہ بہت کم کھاتے تھے، طالب علموں پر بڑا احسان کرتے اور افراط کی حد تک سخی تھے۔ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ میری پانچ سو درہم ماہانہ آمدنی ہے جسے میں طالب علموں پر

1 السیر: 441/12.

خرچ کر دیتا ہوں۔

امام بخاری ایک بار بیمار ہوگئے تو ان کا قارورہ طبیبوں کو دکھایا گیا تو انھوں نے کہا یہ قارورہ تو عیسائی پادریوں سے ملتا جلتا ہے کیونکہ وہ کھانے میں سالن استعمال نہیں کرتے۔ امام بخاری نے معالجین کی تصدیق کی اور فرمایا: میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا۔ ساتھیوں نے حکیموں سے مرض کا علاج پوچھا تو انھوں نے کہا: ان کا علاج سالن کھانے میں ہے۔[1]

بعض ایام ایسے بھی گزرتے کہ کوئی روٹی نہیں کھائی صرف دو یا تین باداموں پر گزارہ کیا۔ طالب علموں پر اکثر خرچ کرتے، ضرورت مند طالبِ علم دیکھتے تو چپکے سے کم وبیش بیس، تیس درہم اسے تھما دیتے، ایک طالب علم کو یوں ہی تین سو درہم دیے۔ اس نے دعائیہ کلمات کہنے چاہے تو امام صاحب نے فرمایا: اور حدیث پڑھو، یہ اس لیے کہ کسی کو پتہ نہ چلے اور بات آئی گئی ہو جائے۔ آپ کے خادم اور وراق محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ میں نے ایک گھر نوسو بیس درہم کا لیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے آپ سے ایک کام ہے کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں، فرمایا: نوح بن ابی شداد صراف کے پاس جاؤ، اس سے ایک ہزار درہم لے آؤ اور لا کر مجھے دو۔ چنانچہ میں ایک ہزار درہم لے آیا تو انھوں نے وہ مجھے دے دیے کہ انھیں گھر کی خریداری میں خرچ کرلو۔ چنانچہ میں نے وہ رقم شکریہ کے ساتھ لے لی۔ کچھ وقت بعد میں نے عرض کیا: میری ایک ضرورت ہے مگر میں آپ سے اس کے ذکر کی جرأت نہیں کرتا۔ انھوں نے سمجھا کہ میں کچھ زیادہ مال چاہتا ہوں تو

---

1 مقدمة فتح الباري.

...کر نہ کرو، بتلاؤ کیا ضرورت ہے، مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے روز تمھارے حوالے سے میں پکڑا نہ جاؤں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ انھوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کے مابین مؤاخات قائم کی تھی، پھر اس بارے میں انھوں نے حضرت سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے بھائی چارہ کی حدیث بیان فرمائی۔ وراق کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میرا سارا مال جو آپ نے ہی مجھے دیا تھا آپ کے نام ہبہ کرتا ہوں، میرا مقصد باہمی مناصفت تھی، یعنی آدھا آدھا اور یہ اس لیے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میری لونڈی اور عورت ہے اور تم نوجوان ہو، مجھ پر واجب ہے کہ میں تمھارے ساتھ مال وغیرہ میں نصفا نصفی (برابر تقسیم) کروں۔ اس کی مزید تفصیل بیان کرنے کے بعد الوراق بالآخر فرماتے ہیں:

«إِنَّكَ قَدْ جَمَعْتَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَأَيُّ رَجُلٍ يَبَرُّ خَادِمَهٗ بِمِثْلِ مَاتَبَرُّنِي»

''آپ نے دنیا و آخرت کی خیر جمع کر لی ہے، کون ہے جو اپنے خادم سے ایسی نیکی کرتا ہے جو آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔'' [1]

اس واقعے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اپنے احباب سے حسنِ سلوک سے پیش آنے حتی کہ صحابہ کے مابین مؤاخات کے تناظر میں معاملہ کرنے کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔

اسی نوعیت کا یہ واقعہ بھی دیکھیے جسے عبداللہ بن محمد الصارفی یوں بیان کرتے ہیں کہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کے گھر میں ان کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ان کی لونڈی کمرے میں

---

1 السير:12/451,452.

داخل ہوئی تو کسی طرح امام بخاری کے سامنے پڑی سیاہی کی دوات گر پڑی۔ امام بخاری نے فرمایا: ''تو کیسے چلتی ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''جب راستہ ہی نہ ہو تو میں کیسے چلوں!'' امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: «اِذْهَبِي فَقَدْ أَعْتَقْتُكِ» ''جاؤ میں نے تمھیں آزاد کر دیا۔'' حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ اس نے تو آپ کو غصہ دلایا (مگر آپ نے اسے تنبیہ کرنے کی بجائے آزاد کر دیا؟) امام بخاری نے فرمایا: ''اگرچہ اس نے مجھے غصہ دلایا ہے مگر میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر میں نے اپنے آپ کو راضی کر لیا ہے۔''[1]

لونڈی ہی کے بارے میں یہ واقعہ بھی کتنا سبق آموز ہے جسے ان کے وراق نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی خریدنا چاہتے تھے، انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا۔ غلاموں کا تاجر خوبصورت لونڈیاں لایا تھا۔ ان میں ایک بدصورت چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی اور فربہ جسم والی لونڈی تھی۔ امام صاحب نے اسے دیکھا اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا اور کہا: یہ میرے لیے خرید لو۔ میں نے عرض کیا: یہ تو بدصورت ہے، کوئی اچھی لونڈی نہیں۔ جنھیں ہم نے دیکھا، ان میں سے کوئی خوبصورت اسی قیمت پر ہمیں مل جائے گی تو انھوں نے فرمایا: یہی خرید لو، میں نے اس کی ٹھوڑی کو چھوا ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ جس کو میں ہاتھ لگاؤں پھر اسے نہ خریدوں۔ چنانچہ مہنگے داموں پانچ سو درہم میں اسی کو خرید لیا۔[2]

اندازہ کیجیے ورع، صبر و تحمل اور بردباری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔

ایک بار امام بخاری بخارا کی جانب ایک رباط، یعنی سرائے، تعمیر کروا رہے تھے۔

---

1 السیر: 452/12، و مقدمة، ص: 480. 2 السیر: 447/12.

ان کے تعاون کے لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے، امام بخاری خود بھی ان کے ساتھ اینٹیں اٹھاتے ہیں، ان سے کہا گیا کہ لوگ کافی ہیں آپ اینٹیں اٹھانے کی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا: یہی میرا کام تو مجھے فائدہ دے گا۔ جو لوگ کام کر رہے تھے ان کے کھانے کے لیے ایک گائے ذبح کی گئی۔ سالن تیار ہو گیا تو تین درہم یا اس سے کچھ کم کی روٹیاں خرید کر لائی گئیں۔ ایک درہم کی تقریباً 5 مُد روٹیاں ملتی تھیں۔ یوں کل پندرہ مُد قریباً بارہ کلو روٹیاں ملیں۔ کھانے والوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں اتنی برکت ڈال دی کہ سبھی حضرات کھا چکے پھر بھی کچھ روٹیاں بچ گئیں۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کی تواضع، انکساری اور دل کی صفائی کا اندازہ کیجیے کہ ایک روز امام بخاری نے ایک نابینا شخص، جس کی کنیت ابومعشر تھی، سے فرمایا: «اِجْعَلْنِي فِي حِلٍّ» ''مجھے معاف کردو'' ابومعشر نے کہا: ''کیا معاف کروں!'' امام بخاری نے فرمایا: ''میں نے ایک دن حدیث بیان کی تھی، میں نے تمھیں دیکھا: تعجب سے تم اپنا سر اور ہاتھ ہلا رہے تھے تو میں یہ دیکھ کر مسکرا دیا۔ (کہ دیکھو خوشی سے یہ بھی سر ہلا رہا ہے، پھر مجھے خیال آیا کہ یہ تو نابینا ہے، میرے مسکرانے کو دیکھ نہیں رہا۔ بینا ہوتا تو کہیں میرے مسکرانے کو تمسخر نہ سمجھ لیتا)۔'' ابومعشر نے کہا: ''اللہ آپ پر رحمت فرمائے، میں نے آپ کو معاف کر دیا۔''[2]

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر واقعات کی بنا پر علامہ شعرانی نے انھیں لواقح الأنوار

1 السیر: 450/12، ومقدمة، ص: 481. 2 مقدمة، ص: 480 وغیرہ.

في طبقات الأخيار میں ذکر کیا ہے۔جس میں انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر نویں صدی اور بعض دسویں صدی ہجری تک کے اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے جو مقتدا تسلیم کیے گئے ہیں اور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی برگزیدہ ہستی، عظیم محدث وفقیہ اور عظیم مفسر کے تعارف کے لیے ہمارا عالمی طباعتی ادارہ، دارالسلام ریاض، لاہور، ''سیرت امام بخاری'' کے نام سے یہ کتاب اپنے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔جس میں حضرت امام صاحب کی ہمہ جہتی خدمات اور ان کی شخصیت کے بارے میں بڑے سلیقے سے تفصیلی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

دارالسلام کے ڈائریکٹر محترم مولانا عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ وزادہ اللہ عزاً وشرفاً نے جہالت کے خلاف قلم وقرطاس کے ذریعے سے جو علمی جہاد شروع کر رکھا ہے اس پر پوری ملتِ اسلامیہ ان کی مخلصانہ جہودِ علمیہ پر سپاس گزار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام مساعیِ حسنہ کو قبول فرمائے جو وہ کتاب وسنت سے وابستہ رکھنے اور اپنے اسلاف سے رشتہ استوار کرنے کے بارے میں سرانجام دے رہے ہیں۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں یہاں محترم حافظ عبدالعظیم اسد صاحب عزه الله في الدنيا والآخره کا ذکر نہ کروں جن کی شبانہ روز کوششوں سے دارالسلام روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

بلکہ ان کے تمام رفقاء بھی لائقِ تحسین ہیں جن کا ہمہ وقت تعاون انھیں حاصل ہے۔محترم حافظ صاحب ہی نے ہیچمدان کو اس کتاب کے لیے تمہیدی کلمات لکھنے کا

علم جس اخلاص و محبت بھرے الفاظ میں فرمایا اس پر میرے لیے مجالِ انکار نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ اپنی مرضیات سے نوازے اور تمام حسنات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ارشاد الحق اثری

7 جنوری 2011ء

2 صفر المظفر 1432ھ

- نام ونسب اور ولادت باسعادت
- مولد ومسکن
- خاندانی حالات

نام ونسب اور ولادت باسعادت

نام ونسب اور ولادت

امام بخاری رحمہ اللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرِدزبہ۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور ''امیر المومنین فی الحدیث'' لقب تھا۔ آپ جمعۃ المبارک کے روز، 13 شوال 194ھ کو اُزبکستان کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔[1]

مستنیر بن عتیق کہتے ہیں کہ امام صاحب نے یہ تاریخ پیدائش مجھے اپنے والدِ گرامی کی ایک تحریر میں دکھائی۔[2]

امام بخاری کے دادا ابراہیم بن مغیرہ کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت بخاری کے پَردادا مغیرہ نے بخارا کے حکمران یَمَان جُعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور بخارا ہی کو اپنا مستقل وطن قرار دے لیا تھا۔ وہاں کا دستور تھا کہ

یمان جعفی: ان کا پورا نام ابو جد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن یمان البخاری، الجعفی، المسندی ہے۔ ابن خلکان کے نزدیک عبداللہ المسندی کے چچا سعید بن جعفر الجعفی کی طرف پَردادا کی نسبتِ ولاء کی وجہ سے امام صاحب بھی جعفی کہلاتے ہیں۔ (تهذيب الكمال: 88/16)

1 سير أعلام النبلاء: 392,391/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669، و طبقات الشافعية الكبرىٰ: 212/2. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669.

جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا تو اس کی نسبت اسی کے قبیلے کی طرف ہو جاتی۔ امام بخاری کو اسی وجہ سے جعفی کہا جاتا ہے کہ ان کے پردادا یمان جعفی کے ہاتھ پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کے سلسلۂ نسب کے آخری نام، یعنی بردِزبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فارسی النسل تھے۔ اور یہ بزرگ اپنے قومی مذہب کے مطابق ہی زندگی بسر کرتے تھے۔[2]

محدثین ''بردِزبہ'' کے معنی ''کسان'' بتاتے ہیں۔ بعض نے بردزبہ کے بجائے احنف لکھا ہے۔ احنف نام کا ایک شخص بڑا عاقل وفہیم گزرا ہے۔ بردِزبہ بھی نہایت عقل مند بزرگ تھے۔ اس وجہ سے انھیں بھی لوگوں نے احنف کہنا شروع کر دیا، بالکل اُسی طرح جس طرح کسی بہت بڑے سخی کو لوگ حاتم طائی سے تشبیہ دینے لگتے ہیں۔[3]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669. 2 اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام بخاری فارسی النسل تھے۔ اہل فارس کے فضائل میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «لَوْ كَانَ الدِّينُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ أَوْ قَالَ: مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ حَتّٰى يَتَنَاوَلَهُ» ''اگر دین اسلام ثریا ستارے (جتنی دوری اور بلندی) پر ہوگا تب بھی فارس کا ایک آدمی یا فرمایا: ایک فارسی النسل اسے ضرور حاصل کرلے گا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2546)، حافظ ابن حجر نے امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بالکل سچ ثابت ہوا کیونکہ اس قوم کا ایک شخص حدیث کی حفاظت اور اس کے اہتمام کے سلسلے میں اس قدر شہرت حاصل کر گیا کہ کوئی دوسرا اس مقام تک نہ پہنچ سکا۔ (فتح الباري: 8/819)، لہٰذا محدثین کا یہ دعویٰ قطعی طور پر صحیح ہے کہ نبی ﷺ کا یہ فرمان امام بخاری پر اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح سورج نکلنے پر دن کے اُجالے میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ 3 طبقات الشافعية الكبرٰى: 2/ 212، وتاريخ بغداد: 2/6، والأنساب للسمعاني: 1/293.

مولد و مسکن

بخارا کا تاریخی پس منظر اور محل وقوع

بخارا شہر کو عالمِ اسلام بالخصوص وسط ایشیا میں اسلامی تہذیب کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ ماوراء النہر کے علاقے میں خراسان کا یہ ایک مشہور و معروف قدیم شہر ہے۔ دریائے جیحون سے پیدل دو روز کی مسافت (تقریباً 50 کلومیٹر)، سمرقند سے سات روز کی مسافت (تقریباً 178 کلومیٹر)، جب کہ مَرْوْ سے بارہ منزل اور خوارِزم سے پندرہ منزل کی مسافت پر واقع ہے۔ تقریباً 60 مربع کلومیٹر کی وسعت میں اس کی چھوٹی سی شہر پناہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی فصیل بھی ہے جو 100 مربع کلومیٹر کو گھیرے ہوئے ہے۔

کسی زمانے میں بخارا علاقہ ازبکستان کا سب سے بڑا شہر تھا جو دریائے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر واقع تھا۔ یہ شہر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرزندِ گرامی سعید بن عثمان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ بعض کے نزدیک 54ھ

ماوراء النہر: عربوں نے دریائے جیحون (Oxus) یا دریائے آمو کے پار کے علاقے کو یہ نام دیا تھا۔ بخارا، سمرقند، خیوا (خوارِزم) اور تاشقند اس علاقے کے مشہور شہر تھے۔ (المنجد في الأعلام) یونانی ماوراء النہر کو Transoxiana کہتے ہیں۔

میں عربوں نے عبیداللہ بن زیاد کی قیادت میں شدید لڑائی کے بعد اسے فتح کیا تھا۔

علّامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد کی بصرہ واپسی کے بعد 55ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان کو خراسان کا گورنر بنایا۔ سعید نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جیحون عبور کیا تو بخارا کی ملکہ نے صلح کی پیشکش کی۔ یوں سعید بن عثمان کا بخارا پر قبضہ ہوگیا۔[1] بعض مؤرخین قتیبہ بن مسلم کو اس شہر کا فاتح قرار دیتے ہیں جنھوں نے 91ھ (710ء) میں اسے فتح کیا۔ قتیبہ بن مسلم، ولید بن عبدالملک کے ماتحت خراسان کا گورنر تھا۔ قتیبہ بن مسلم ہی وہ بہادر کمانڈر ہے جس نے دریائے جیحون اور دریائے سیحون کا درمیانی علاقہ، جسے ماوراء النہر کہا جاتا ہے، فتح کیا تھا اور فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے وہ چین کی سرحد سے متصل شہر ''کاشغر'' تک جا پہنچا تھا۔ 260ھ سے قبل طاہریوں کے زوال (259ھ) کے بعد یعقوب بن لیث کو خراسان کا امیر تسلیم کیا گیا۔ عوام کی درخواست پر نصر بن احمد سامانی (سمرقند کے حکمران) نے اپنے چھوٹے بھائی اسماعیل کو بخارا کا والی مقرر کر دیا۔ یوں 260ھ سے لے کر ان کے زوال تک بخارا سامانیوں ہی کے ماتحت رہا۔ ایک وقت آیا کہ پورا ماوراء النہر اسماعیل کے زیرنگیں ہوگیا۔ 287ھ میں وہ عمرو بن لیث پر فتح پا چکا تھا، حتی کہ بخارا ایک بہت بڑی سلطنت کا پایۂ تخت بن گیا۔

پھر حالات نے پلٹا کھایا اور باشندگانِ بخارا نے 4 ذی الحجہ 616ھ/10 فروری 1220ء کو چنگیز خان کے لشکر کی اطاعت قبول کر لی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے بخارا کی جامع مسجد اور چند محلّات کو چھوڑ کر پورا شہر نذر آتش کر دیا۔ تھوڑے عرصے بعد وقت نے پھر کروٹ لی اور چنگیز خان کے جانشین کے عہد میں بخارا اپنی اصلی حالت

1 ماخوذ از معجم البلدان:355/1.

پر لوٹ آیا اور ایک گنجان آباد شہر بن گیا۔ اس کے بعد پھر انقلاب کی آندھی آئی اور 7 رجب 671ھ/ 28 جنوری 1273ء کو ایران کے مغول ایلخان آباقا نے بخارا پر قبضہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ 1500ء کے بعد بخارا پر شیبانی خاں کی سرکردگی میں ازبک قابض رہے۔ 1153ھ/ 1740ء میں نادرشاہ نے بخارا فتح کر لیا۔ انیسویں صدی عیسوی میں امیرِ بخارا مظفرالدین (85-1860ء) کو روسیوں کا اطاعت گزار ہونا پڑا۔[1]

پھر طویل مدت تک روس کے قبضے میں رہنے کے بعد دسمبر 1991ء میں روس سے آزادی حاصل ہوئی۔ اس وقت یہ ازبکستان کی اسلامی ریاست کا عظیم شہر ہے۔

1 اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 4/110-116، وتاریخ الطبري: 4/221، والمنجد في الأعلام.

•

خاندانی حالات

امام بخاری رحمہ اللہ کے والد گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ کے والد کا نام اسماعیل اور کنیت ابوالحسن تھی۔ بلند مرتبے کے محدّث اور امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ یحییٰ بن جعفر بیکندی، احمد بن حفص، نصر بن حسین اور بعض دیگر محدثین نے ان سے اخذِ فیض کیا۔ انتہائی پرہیز گار اور محتاط اصحاب علم میں شمار ہوتے تھے۔ کتاب الثقات میں طبقۂ رابعہ میں ان کے متعلق یہ بتایا گیا ہے: ''امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم، حماد بن زید اور امام مالک سے روایات نقل کرتے ہیں۔[1] ان سے عراقی علماء روایات بیان کرتے ہیں۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں اپنے والد کا یوں تذکرہ کیا ہے:

''ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی نے حماد بن زید کو عبداللہ بن مبارک سے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا اور امام مالک سے سماع کیا۔''[3] بقول یحییٰ بن جعفر بیکندی، اسماعیل بن ابراہیم بیان کرتے ہیں:

1 حماد بن زید اور امام مالک رحمہما اللہ نے 179ھ میں وفات پائی۔ امام بخاری کے والد اسماعیل حج کی نیت سے 178ھ میں مکہ اور مدینہ کے سفر پر نکلے تھے۔ ممکن ہے اسی سفر کے دوران میں انھوں نے مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ سے سماع کیا ہو۔ 2 کتاب الثقات لابن حبان: 98/8. 3 التاریخ الکبیر: 343,342/1.

''میں نے دیکھا کہ حماد بن زید مکہ مکرمہ تشریف لائے اور انھوں نے امام عبداللہ بن مبارک ؒ سے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔''[1] اپنی وفات کے وقت اسماعیل بن ابراہیم ؒ نے فرمایا تھا:

''میرے مال میں حرام تو دور کی بات ہے، حرام کا شائبہ تک نہیں ہے۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ دیگر بہت سے مفاخر اور فضائل کے ساتھ ساتھ یہ فخر بھی امام صاحب کو حاصل تھا کہ باپ اور بیٹا دونوں رفیع المرتبت محدث شمار ہوئے۔ یہ اعزاز ملت اسلامیہ میں چند خوش نصیب شخصیات ہی کو نصیب ہوا ہے۔

احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے والد کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا۔ انھوں نے جب یہ کہا کہ میرے مال میں حرام یا مشکوک آمدنی کا ایک درہم تک موجود نہیں تو میں نے اپنے دل میں بڑی خفت محسوس کی (کہ میں اپنے متعلق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔) یہ قصہ سننے کے بعد امام بخاری ؒ نے فرمایا: ''آدمی عمر بھر کی نسبت موت کے وقت زیادہ سچا ہوتا ہے۔''[3]

امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم خوابوں کی تعبیر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ

احمد بن حفص: ابوحفص احمد بن حفص البخاری، الحنفی 150ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وکیع بن جراح اور ابو اسامہ وغیرہ سے سماع کیا۔ حصول علم کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ آپ رائے واجتہاد میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ماوراء النہر کے پورے علاقے کے اصحاب علم استاذ تھے۔ بخارا شہر میں محرم 217ھ میں فوت ہوئے۔ (سیر أعلام النبلاء: 157/10)

1 فتح الباري: 68,67/11. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669. 3 سير أعلام النبلاء: 447/12.

قمیص پہنے ہوئے ہیں اور آپ کے پاس ایک عورت بیٹھی رو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: ''مت رو! جب میں فوت ہو جاؤں تو رو لینا۔'' احمد بن حفص کہتے ہیں کہ مجھے اس خواب کی تعبیر بتانے والا کوئی نہ ملا۔ آخر کار میں امام بخاری کے والد اسماعیل کے پاس گیا تو انھوں نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی:

''نبی ﷺ کا دین اور سنت تا حال زندہ اور قائم ہیں۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کے والد کا سنِ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ والد کی وفات کے وقت خود امام بخاری کی عمر کتنی تھی، اس کا بھی علم نہیں ہو سکا، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ آپ اس وقت بہت کم سن تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ہی نے آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ

امام بخاری کی والدہ ماجدہ کا نام اور نسب معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کے متعلق صرف اتنی معلومات مل سکی ہیں کہ وہ انتہائی عبادت گزار اور بلند ہمت خاتون تھیں۔ ہر وقت اللہ کی یاد اور اس سے دعا والتجا میں مصروف رہتیں۔ یہ خوبی ان میں خاندانی طور پر موجود تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ بچپن ہی میں نابینا ہو گئے تھے۔ ایک رات ان کی والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ انھیں فرما رہے ہیں: ''تمھارے رونے اور کثرتِ التجا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لختِ جگر کی آنکھوں کا نور لوٹا دیا ہے۔'' صبح ہوئی تو والدہ نے دیکھا کہ بیٹے کی بینائی لوٹ آئی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ یوں بھی بیان ہوا ہے کہ خواب کی رات آپ کی والدہ محترمہ کی آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنے بیٹے محمد کو دیکھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہیں اور بینائی لوٹ آئی ہے۔[3]

1 سير أعلام النبلاء: 157/10. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669، وسیرة البخاری از مبارک پوری، ص:38. 3 سيرة البخاري از مبارک پوری، ص:35.

علامہ سبکی کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ طلبِ علم کے زمانے میں امام بخاری کی بینائی کثرتِ سفر اور گرمی کی شدت کی وجہ سے دوبارہ ختم ہوگئی تھی۔ جبریل بن میکائیل کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب میں خراسان پہنچا تو میری بصارت ختم ہوگئی۔ مجھے ایک آدمی نے تدبیر بتائی کہ سر کے بال منڈوا کر سر پر گلِ خِطْمِی [1] کا ضماد (لیپ) لگاؤ، میں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ نے اس تدبیر کو کارآمد بنا دیا اور میری بینائی لوٹ آئی۔'' [2]

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کی آنکھوں کا نور بھی واپس آیا اور آپ کی بینائی اتنی تیز ہوگئی کہ آپ تاریخ کبیر کا مسودہ چاندنی راتوں میں تحریر فرماتے رہے۔ [3]

پرورش اور تعلیم و تربیت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اخلاقی اعتبار سے نہایت پاکیزہ اور علمی و دینی ماحول میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔ علامہ قسطلانی نے امام بخاری کے متعلق ایک محدث کا قول نقل کیا ہے:

> ''آپ علم کی گود میں پل کر جوان ہوئے اور تادمِ زیست اسی انداز سے شرف و فضیلت حاصل کرتے رہے۔'' [4]

چونکہ آپ کے والد محترم آپ کے بچپنے ہی میں وفات پا گئے تھے، اس لیے آپ کی

1 نیلے رنگ کا ایک پھول جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔ 2 طبقات السبكي: 2/216، وسير أعلام النبلاء: 12/452. 3 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 35. 4 إرشاد الساري: 1/46.

والدہ نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ بچپن ہی سے آپ کو اللہ کی طرف سے بے پناہ حافظہ عطا کیا گیا تھا اور یہ نعمت عظمیٰ آپ کو والد گرامی سے ورثے میں ملی تھی۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کے کاتب محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے امام ممدوح سے سوال کیا: ''آپ نے حفظِ حدیث کا آغاز کب کیا؟'' وہ فرمانے لگے:

''حفظِ حدیث کا ملکہ مجھے اُسی وقت ودیعت کر دیا گیا تھا جب میں بالکل ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔'' میں نے پوچھا: ''اس وقت آپ کی عمر کتنی ہوگی؟'' فرمایا: ''دس برس یا اس سے بھی کم۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں دس سال کی عمر میں مکتب سے فارغ ہو کر علامہ داخلی (بخارا شہر کے مشہور ومعروف اور جلیل القدر محدث) کے درس میں جانے لگا۔ ایک دن علامہ موصوف نے دورانِ سبق یہ سند بیان کی: ''سفیان نے ابوزبیر سے بیان کیا اور ابوزبیر نے ابراہیم سے روایت کیا ہے۔'' میں نے استاذ صاحب سے عرض کیا: ابوزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ اِس پر انھوں نے مجھے جھڑک دیا۔ میں نے استاذ مکرم سے گزارش کی کہ اگر آپ کے پاس اصل کتاب موجود ہے تو اس میں دیکھ لیں، چنانچہ علامہ صاحب کمرے میں تشریف لے گئے اور اصل کتاب دیکھی، پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا: ''برخوردار! صحیح سند کیسے ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ اصل سند یوں ہے: ''زبیر بن عدی، ابراہیم سے بیان کرتے ہیں۔'' اس پر انھوں نے مجھی سے قلم لیا اور اپنی کتاب میں تصحیح فرمائی، پھر فرمایا: ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ فرمایا: ''گیارہ برس۔''

1 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 38. 2 تاريخ بغداد: 6/2، وسير أعلام النبلاء: 393/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669.

مزید فرمایا: ''میں سولہ برس کی عمر میں امام ابن مبارک اور امام وکیع کی تمام کتب حفظ کر چکا تھا اور مجھے اہل الرائے کے پورے کے پورے ذخیرۂ علم پر مکمل دسترس ہوگئی تھی۔''[1] مزید فرماتے ہیں: ''جب میں اٹھارہ برس کا ہوا تو میں نے قضايا الصحابة والتابعين وأقاويلهم کے نام سے ایک مفید مجموعہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے جس گھر میں پرورش پائی وہ علم کے ساتھ ساتھ سامانِ زندگی سے بھی بھرپور تھا۔ آپ نے حصولِ علم کے لیے بہت دولت خرچ کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مال سے بے حد فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ وہ مال خالص حلال کمائی سے حاصل ہوا تھا۔ آپ کے والد محترم اپنے عہد کے بہت بڑے تاجر تھے۔ عام تاجروں سے خود اپنی غفلت یا کارندوں کی وجہ سے بہت سے ناروا کام ہو جاتے ہیں۔لیکن آپ کے والد محترم کی تجارت ہر قسم کے شبہے سے پاک رہی۔ یہ بات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے جو انھوں نے اپنی وفات کے وقت کہی تھی کہ حرام تو دور کی بات ہے، میرے مال میں مشکوک آمدنی کا ایک درہم بھی شامل نہیں ہے۔آپ کے والد صاحب نے یہ وضاحت اس لیے کی تھی تاکہ امام بخاری اس مال کو مشتبہ خیال کر کے اس سے دست بردار نہ ہو جائیں بلکہ اپنی مشکلات میں اس سے فائدہ اٹھائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ لوگوں کو اپنا مال ''مضاربت'' پر دیا کرتے تھے تاکہ وہ خود تمام

مضاربت: اس تجارت کو کہتے ہیں جس میں ایک آدمی کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کا عمل یا محنت۔ دونوں میں ایک معاہدے کے مطابق نفع کو 1/2، 1/3 یا 1/4 کے حساب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ جبکہ ماہرین معاشیات کے نزدیک مضاربت خرید و فروخت کے اس عمل کو کہتے ہیں جسے بازار کے نرخوں کے فرق سے فائدہ اٹھانے والے ماہرین انجام دیتے ہیں۔

1 تاريخ بغداد: 7,6/2، و سير أعلام النبلاء: 393/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670,669. 2 سير أعلام النبلاء: 400/12، و تاريخ بغداد: 7/2.

امور سے کٹ کر علم دین کی خدمت میں مصروف رہیں۔علم دین سے اسی لگاؤ کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر تمام مصروفیات سے بے نیاز رکھا۔[1]

ازدواجی زندگی

امام بخاری کی شادی ہوئی تھی یا نہیں اس بارے میں بعض اہل علم شک میں مبتلا رہے ہیں۔ علامہ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر امام بخاری نے شادی کی ہوتی تو اس کا تذکرہ ضرور کہیں نہ کہیں مل جاتا۔لیکن مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری اس بارے میں رقم طراز ہیں: ''مؤرخین کا یہ قاعدہ نہیں رہا کہ لوگوں کے نکاح اور شادیوں کا احوال بھی درج کیا کریں۔تاریخ کی کتابوں میں سیکڑوں ایسے لوگ ملتے ہیں جن کے نکاح یا عدمِ نکاح کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ جب تک صحیح سند سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، اس کمزور دلیل کی بنا پر یہ کیسے فرض کرلیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک سنت مؤکدہ پر عمل کرنے سے محروم رہے ہوں گے۔[2]

مولانا محمد عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مہربانی سے ہمیں امام صاحب کی شادی کا ثبوت مل گیا ہے۔ اس بارے میں امام ذہبی نے امام بخاری کے کاتب محمد بن ابی حاتم کے حوالے سے ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جس میں امام بخاری کی شادی کا تذکرہ موجود ہے۔طوالت سے بچنے کے لیے یہاں اس سلسلے میں چند جملے نقل کیے جاتے ہیں، البتہ امام کے اخلاق و عادات کے بیان میں اس کا مفصل تذکرہ آئے گا۔

1 سیرۃ البخاری ازمبارک پوری،ص:62، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:671. 2 سیرۃ البخاری ازمبارک پوری،ص: 96,95.

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن امام بخاری رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: ''تمھیں کوئی بھی حاجت یا ضرورت ہو تو مجھے بلا جھجک بتا دیا کرو، شرمایا نہ کرو۔ میں تمھاری وجہ سے اللہ کے ہاں مواخذے سے ڈرتا ہوں۔''

میں نے عرض کیا: ''وہ کیسے؟'' فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت سعد بن ربیع اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارے کا تذکرہ فرمایا۔

میں نے عرض کیا: ''عالی جاہ! میرے بارے میں آپ کو جو فکر لاحق ہے، میں اس سے آپ کو بریٔ الذمہ سمجھتا ہوں۔ آپ بالکل فکر مند نہ ہوں اور آپ جو مال مجھے عنایت فرمانا چاہتے ہیں، میں آپ کی یہ پیش کش شکریے کے ساتھ آپ کو واپس کرتا ہوں۔ میں تو صرف آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''میری بیوی کے علاوہ میرے پاس لونڈیاں بھی ہیں، جب کہ تم نے تو ابھی شادی بھی نہیں کی، اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنا آدھا مال تمھیں دے دوں تا کہ ہم دونوں مالی لحاظ سے برابر ہو جائیں (اور باہم مل کر گزر بسر کر لیں۔)''[1]

اس واقعے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی اپنی بیوی کا تذکرہ فرما دیا۔ اس طرح آپ کی شادی کے بارے میں جو اشتباہ تھا وہ ختم ہو گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اولاد

علامہ ولی الدین الخطیب فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔'' یہی بات ملا علی قاری نے بھی شرح مشکوٰۃ میں لکھی ہے۔[2] امام حاکم رحمہ اللہ

1 سیر أعلام النبلاء: 451/12. 2 مرقاة المفاتیح: 57/1، وسیرۃ البخاري از مبارک پوری، ص: 96.

فرماتے ہیں: ''امام بخاری اور امام مسلم کے ہاں نرینہ اولاد نہیں تھی۔''[1] امام ذہبی کے علاوہ کسی اور حوالے سے امام بخاری کے ہاں اولاد کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔

علامہ عجلونی رحمہ اللہ سے امام بخاری کی کنیت ابوعبداللہ کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اہل عرب کے ہاں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ بچپن ہی سے اپنے لیے کنیت اختیار کر لیتے ہیں، چاہے ان کے ہاں اولاد نہ بھی ہو۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

امام ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے امام صاحب کی نرینہ اولاد کا ثبوت مہیا ہو جاتا ہے۔

بکر بن منیر اس کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں: ''امام بخاری کے لیے ان کے بیٹے احمد نے کچھ سامانِ تجارت بھیجا۔ جب وہ مال آپ کے پاس پہنچا تو بعض تاجر وہ مال خریدنے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ انھوں نے یہ مال پانچ ہزار درہم منافع پر خریدنا چاہا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ایک رات انتظار کر لیجیے۔ دوسرے دن کچھ اور تاجر آئے۔ انھوں نے دس ہزار درہم منافع کی پیشکش کر دی۔ آپ نے انھیں جواب دیا:

> ''گزشتہ رات کچھ لوگ میرے پاس (سامان خریدنے) آئے تھے، میں انھی کو سامان دینے کی نیت کر چکا ہوں۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ مال رات کو آنے والے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور فرمایا:

1 معرفة علوم الحديث، ص: 52. 2 سير أعلام النبلاء:12/448,447، وطبقات السبكي: 227/2.

''میں اپنے ارادے کو تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری کے مقدمے میں اسی واقعے کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

''امام صاحب کے پاس یہ مال ابوحفص نامی شخص نے بھجوایا تھا۔''[2] ممکن ہے کہ ابوحفص، امام بخاری کے بیٹے احمد ہی ہوں اور ابوحفص انھی کی کنیت ہو۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی اولاد تو تھی مگر صاحب علم نہ ہونے کی وجہ سے شہرت نہ پا سکی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے بھائی

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جب میں سولھویں سال میں داخل ہوا تو اس وقت میں امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع بن جرّاح رحمہما اللہ کی تمام کتب حفظ کر چکا تھا اور مجھے اہل رائے کے کلام پر مکمل عبور حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ محترمہ اور بھائی احمد کے ہمراہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گیا۔ ادائے حج کے بعد میرے بھائی احمد والدہ محترمہ کو لے کر واپس گھر روانہ ہو گئے اور میں حدیث پڑھنے کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔''[3]

اس واقعے سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ کا احمد نامی ایک بھائی تھا لیکن کیا ان کے علاوہ بھی آپ کے بھائی تھے؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے محمد بن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا:

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672.

3 تاريخ بغداد: 7/2، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669.

”کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی بھی وقت ایسی حالت میں ہو جس میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہ فرمائے۔“

آپ کی بھابھی نے پوچھا کہ یہ بات آپ یوں ہی کہہ رہے ہیں یا واقعی آپ نے کوئی تجربہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

”ہاں، مجھے تجربہ ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ میں نے دو دفعہ دعا مانگی تو وہ قبول ہوگئی۔ اس کے بعد مزید دعا کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کہیں میری نیکیاں کم نہ ہو جائیں یا مجھے دنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جائے۔“[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”امام بخاری کے بھائی اپنی والدہ کو لے کر بخارا واپس آ گئے تھے اور ان کا انتقال بھی یہیں ہوا تھا۔“[2]

1 سير أعلام النبلاء: 12/448. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669.

امام بخاری ﷫ کے عہد کے عباسی حکمران

- امام بخاری ﷫ کے ہم عصر مسلمان حکمران

امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر مسلمان حکمران

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ عباسی دورِ حکومت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے نو عباسی حکمرانوں کا زمانہ پایا۔ جن کا نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

مامون الرشید

ابو العباس عبداللہ بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن ابوجعفر منصور عباسی 170ھ میں پیدا ہوا۔[1] اس نے 195ھ کے آخری دنوں میں حکومت سنبھالی۔[2] امام بخاری ان دنوں تقریباً سوا برس کے تھے۔ یہ وہ پہلا حکمران ہے جس نے خلق قرآن کے مشہور مسئلے میں فقہائے امت اور علمائے کرام کو سخت آزمائشوں سے دوچار کیا۔ 12 رجب 218ھ کو مامون کا انتقال ہوا۔[3] اس کے بعد معتصم نے اقتدار سنبھالا۔ امام بخاری اس وقت 24 برس کے تھے، البتہ مامون اور معتصم کی ان سزاؤں اور آزمائشوں میں امام بخاری کے مبتلا ہونے کا تذکرہ نہیں ملتا۔

معتصم باللہ

ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن ابوجعفر منصور عباسی 180ھ میں

[1] سیر أعلام النبلاء: 273/10. [2] سیر أعلام النبلاء: 274/10. [3] سیر أعلام النبلاء: 289/10.

پیدا ہوا۔ مامون کے بعد 14 رجب 218ھ کو اس کی بیعت خلافت کی گئی۔ [1]

خلقِ قرآن کے مسئلے میں مامون نے فقہاء اور علمائے امت پر جس تشدد اور تعذیب کا سلسلہ شروع کیا تھا، معتصم کے دورِ حکومت میں وہ سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ کئی علماء کو تو اس نے شہید کرا دیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو معتصم باللہ کے ہاتھوں بہیمانہ تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ اس تشدد کے دوران میں حضرت امام کے بازو بھی توڑ دیے گئے تھے۔

اس تشدد سے قطع نظر حکمرانی کے اعتبار سے معتصم بہادر حکمران تھا۔ اقتدار پر اس کی مضبوط گرفت تھی۔ اس کے دور میں بہت سے شہر فتح ہوئے۔ اسلام کے بدترین دشمن رومی اس کے دور میں شکست سے دو چار ہوئے اور اسلام کو عزت و شوکت عطا ہوئی۔ معتصم نے 11 ربیع الاول بروز جمعرات 227ھ کو وفات پائی۔ [2] اس کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ خلیفہ بنا۔ امام بخاری اس وقت تقریباً 33 برس کے تھے۔

واثق باللہ

اس کا نام ہارون بن معتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن ابوجعفر منصور عباسی تھا، ابوجعفر اور ابو القاسم کنیت تھی۔ اس کی ولادت شعبان 196ھ میں ہوئی۔ [3] اُس نے اپنے والد کے دورِ حکومت کے دوران ہی 227ھ میں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ اس کے پیش رو حکمرانوں نے فقہاء اور علمائے امت کے خلاف جو تشدد شروع کر رکھا تھا اس نے وہ یکسر ختم کر دیا۔ اس طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی، جو طویل عرصے سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے چلے آرہے تھے، تکلیفوں

1 سیر أعلام النبلاء: 290/10. 2 سیر أعلام النبلاء: 306/10. 3 سیر أعلام النبلاء: 307/10.

سے نجات مل گئی۔ واثق ساڑھے پانچ برس خلیفہ رہا۔ 24 ذوالحجہ 232ھ کو فوت ہوا۔ اس وقت امام بخاری کی عمر 38 برس سے کچھ زیادہ تھی۔[1]

متوکل علی اللہ

ابو الفضل جعفر بن معتصم باللہ محمد بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن ابو جعفر منصور عباسی 205ھ میں پیدا ہوا۔ ذوالحجہ 232ھ میں اپنے بھائی واثق باللہ کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔[2] اس کے دورِ خلافت میں سنتِ نبوی کا دور دورہ رہا۔ مجالسِ خاص میں بھی سننِ مطہرہ کا تذکرہ ہوتا اور ان سے رہنمائی کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اہل علم میں بالخصوص اور عامۃ الناس میں بالعموم اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے اقدامات کیے گئے۔ دینی اور دنیوی معاملات میں اس وقت اہل علم کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی راہ ہموار کی جاتی۔ اس کے دور میں فقہاء اور علمائے امت سے حسن سلوک روا رکھا گیا اور ان کی ہر طرح سے سرپرستی کی گئی۔

4 شوال 247ھ کو متوکل علی اللہ کو قتل کر دیا گیا تھا، پھر اس کا بیٹا منتصر باللہ خلیفہ بنا۔[3] اس وقت امام بخاری کی عمر 53 برس تھی۔

منتصر باللہ

اس کا نام محمد بن المتوکل علی اللہ تھا۔ ابو جعفر اور ابو عبداللہ کنیت تھی۔[4] 5 شوال 247ھ کو خلیفہ بنا۔ چھ ماہ اور چند دن حکومت کرنے کے بعد 5 ربیع الآخر 248ھ کو فوت ہوا۔[5]

1 سیر أعلام النبلاء: 31/12،314/10. 2 سیر أعلام النبلاء: 31،30/12. 3 سیر أعلام النبلاء: 41/12. 4 سیر أعلام النبلاء: 42/12. 5 سیر أعلام النبلاء: 45/12.

مستعین باللہ

ابو العباس احمد بن معتصم باللہ محمد بن ہارون الرشید 221ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے پیش رو حکمران واثق اور متوکل کا بھائی تھا۔ ربیع الآخر 248ھ میں منتصر باللہ کی وفات کے بعد خلافت کے لیے اس کی بیعت کی گئی۔[1] 31 سال کی عمر میں خلافت سے معزول کیا گیا اور شوال 251ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد معتز باللہ حکمران بنا۔[2] ان دنوں امام بخاری کی عمر 57 برس ہو چکی تھی۔

معتز باللہ

اس کا نام ابو عبداللہ محمد تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کا نام زبیر بن المتوکل علی اللہ بتایا ہے۔ 232ھ میں پیدا ہوا۔ مستعین باللہ کی معزولی کے وقت تقریباً 20 سال کی عمر میں خلافت کے لیے اس کی بیعت کی گئی۔ رجب 255ھ کے آخر میں اپنے چچا زاد مہتدی باللہ کی خاطر حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی۔[3]

مہتدی باللہ

امیر المؤمنین مہتدی باللہ بڑا متقی، عادل و منصف اور عبادت گزار عباسی خلیفہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جرأت مند اور بہادر بھی تھا لیکن خلافت کے استحکام کے لیے اسے نہ سازگار ماحول ملا اور نہ بہتر افراد میسر آ سکے۔

حالات بہت بگڑ گئے[4] اور رجب 256ھ میں اسے شہید کر دیا گیا۔

1 سیر أعلام النبلاء: 46/12. 2 سیر أعلام النبلاء: 49/12. 3 سیر أعلام النبلاء: 533,532/12.

4 سیر أعلام النبلاء: 539/12، وتاریخ بغداد: 351-349/3.

معتمد علی اللہ

معتمد علی اللہ 229ھ کو پیدا ہوا۔ مہتدی باللہ کے قتل کے بعد 16 رجب 256ھ کو اسے خلیفہ بنایا گیا۔[1] امام بخاری اس کی خلافت کے ابتدائی دور میں فوت ہوئے۔

1 سیر أعلام النبلاء: 540/12.

- تحصیل علم کے سفر کی اہمیت
- حصول علم کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے سفر

تحصیل علم کے سفر کی اہمیت

محدثین کی اصطلاح میں جو سفر سماعِ حدیث، حصولِ حدیث یا پہلے سے مسموع حدیث کی سند کا عالی درجہ حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، وہ ''رِحلَت'' کہلاتا ہے اور خطیب بغدادی نے اس پر مستقل ''رحلات المحدثین'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ علمِ حدیث کے لیے سفر کرنا اللہ کے قرب کا بہترین ذریعہ اور افضل ترین عمل ہے بلکہ علم میں وسعت، پختگی اور گہرائی اسی طریقے سے ممکن ہے۔ علمائے دین حصولِ علم کے لیے سفر کی ضرورت واہمیت اور افادیت وفضیلت سے آگاہ تھے۔ اسی لیے وہ اس کام کے لیے کمرِ ہمت باندھ کر رات دن ایک کر دیتے تھے اور بسا اوقات شدید بھوک اور پیاس برداشت کرتے تھے۔ اس تگ و دو کے نتیجے میں اللہ نے انھیں بھی اور ان کے ذریعے سے اور لوگوں کو بھی رفعتیں عطا فرمائیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین بعض دفعہ صرف ایک حدیث کے لیے پورا پورا مہینہ سفر کی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر مجھے یہ پتا چل جائے کہ اونٹ اس عالم تک پہنچ سکتے ہیں جو کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو تو میں اس کے پاس ضرور پہنچوں گا۔“

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث کی خاطر مصر تشریف لے گئے۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر مجھے صرف ایک حدیث کے حصول کے لیے کئی راتوں بھی سفر کرنا پڑا تو ضرور کروں گا۔“ اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے صرف ایک مسئلے کے لیے کوفہ کا سفر کیا۔[1]

عبداللہ بن بریدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی ایک حدیث کی تصدیق کے لیے مدینہ منورہ سے چل کر مصر میں صحابیِ رسول فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت فضالہ اپنی اونٹنی کو گھاس کھلا رہے تھے۔ فضالہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مرحبا کہا۔ آنے والے صحابی نے کہا کہ میں آپ کے پاس محض ملاقات کی غرض سے نہیں آیا بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ ہم دونوں نے فلاں موقع پر فلاں حدیث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ امید ہے آپ کو یاد ہوگی۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ایک حدیث کسی واسطے سے پہنچی تو انھوں نے اس کی تحقیق کی غرض سے سفر کرنے کے لیے ایک اونٹ خریدا۔ اس پر پالان کس کر ایک ماہ کا طویل سفر کیا اور ملک شام میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے وہ حدیث دوبارہ سنی۔[2]

امام یحییٰ بن معین کا فرمان

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چار آدمی صاحبِ فراست اور وسیع علم کے حامل

1 كتاب الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، ص:402، باب ذكر المحفوظ عن أئمة أصحاب الحديث في أصح الأسانيد. 2 تدريب الراوي:142/2.

نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس نے صرف اپنے ہی شہر میں تعلیم حاصل کی ہو اور علمِ حدیث کے لیے اس نے سفر کی مشقت نہ اٹھائی ہو۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''پھر ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ نکلا تاکہ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کریں تاکہ وہ (پیچھے رہنے والے بھی اللہ سے) ڈریں۔''[2]

امام رازی کا فرمان

امام رازی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''...... جب اپنے ہی علاقے میں علم کا حصول ممکن ہو تو اس کے لیے سفر کرنا واجب نہیں، تاہم مذکورہ بالا آیت کے الفاظ سفر پر دلالت کرتے ہیں خصوصاً بابرکت اور نفع بخش علم کے حصول کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا ہی پڑتی ہیں۔''[3]

حماد بن زید رحمہ اللہ سے سوال ہوا: کیا حدیث کا علم رکھنے والوں کا قرآن میں کہیں ذکر ملتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا مذکورہ آیت (التوبۃ: 122) میں انھی کا تذکرہ تو ہے۔ یمن کے محدث امام صنعانی رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے، خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ آیت میں ہر وہ شخص آجاتا ہے جو علم کے حصول اور تفقہ فی الدین کے لیے سفر کرتا ہے اور واپس آکر اپنے اہل خانہ اور اہلِ علاقہ کو وہی علم سکھاتا ہے۔

1 تدریب الراوي: 144/2. 2 التوبة 9:122. 3 التفسير الكبير للإمام الرازي، التوبة 9:122.

ابراہیم بن ادہم کا فرمان

ایک بہت بڑے بزرگ ابراہیم بن اَدہم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”محدثین کرام رحمہم اللہ کے حدیث کی خاطر سفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس امت سے مصیبتوں کو اٹھا لیتا ہے۔“[1]

محدثین نے حصولِ علم حدیث کے سفر کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ جب اس مبارک سفر کا قصد ہو تو پہلے اپنے علاقے کے راویانِ حدیث سے جس قدر حدیثیں مل سکیں انھیں حاصل کر لیں، پھر سفر شروع کریں۔

1 تدریب الراوي: 2/144.

حصول علم کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے سفر

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں محدثین کی روایات کو باقی رکھا، چنانچہ اپنی عمر کے سولھویں برس تک بخارا اور بلادِ خراسان کے شیوخ کرام سے علم حدیث حاصل کرتے رہے۔ اس اثنا میں حضرت امام نے امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع بن جراح رحمہما اللہ کی تصنیفات زبانی یاد کر لی تھیں اور اہل الرائے کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی جن کتابوں کا ہمیں پتا چلا ہے ان میں سے چند یہ ہیں: كتاب الجهاد، كتاب الزهد والرقائق، مسند عبدالله بن المبارك، كتاب البر والصلة، الأربعين في الحديث وغیرہ۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ حج کے لیے گیا۔ حج کے بعد میرا بھائی والدہ محترمہ کو لے کر واپس چلا گیا اور میں علم حدیث کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے تحصیل علم کے لیے پہلا سفر 210ھ میں کیا۔ اگر آپ طلب علم کے دورِ آغاز ہی میں سفر شروع کر دیتے تو آپ بھی وہ کچھ حاصل کر لیتے جو آپ کے ہم عصر یزید بن ہارون اور ابو داود طیالسی جیسے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین حاصل کر چکے تھے۔

آپ نے امام عبدالرزاق ؒ کا زمانہ بھی پایا۔ آپ ان سے ملاقات کا ارادہ بھی کر چکے تھے۔ ان سے ملاقات ہو بھی جاتی لیکن آپ کو اطلاع ملی کہ امام عبدالرزاق ؒ کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے آپ نے یمن جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا، پھر اطلاع ملی کہ وفات کی خبر غلط ہے، تاہم امام عبدالرزاق ؒ سے آپ کی ملاقات تو نہ ہو سکی لیکن آپ بالواسطہ ان سے روایات نقل کرتے رہے۔[1]

امام صاحب نے مکہ مکرمہ کی درس گاہوں میں جن مشہور ہستیوں سے فیض پایا ان میں امام ابوالولید احمد بن محمد الأزرقی، ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقرئ المکی، امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر الحمیدی ؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ امام صاحب اپنی عمر کے اٹھارھویں برس (212ھ میں) مدینہ پہنچے اور وہاں کے شیوخ میں سے ابراہیم بن منذر، مطرف بن عبداللہ اور ابراہیم بن حمزہ ؒ وغیرہ سے کسب فیض کیا۔

امام بخاری ؒ فرماتے ہیں: ''اسی دوران (18 برس کی عمر میں) میں نے مختلف مسائل میں صحابہ اور تابعین کرام کے فتوے، فیصل شدہ مقدمات اور ان کی آراء کو جمع کیا جس کا نام قضایا الصحابه والتابعين ہے۔''[2] حجاز میں چھ برس تک قیام کے بعد بصرہ کا رخ کیا۔

امام سہل بن سری ؒ کہتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے فرمایا:

1 هدي السري مقدمة فتح الباري، ص: 670. 2 تاريخ بغداد: 7/2، وسير أعلام النبلاء: 400/12.
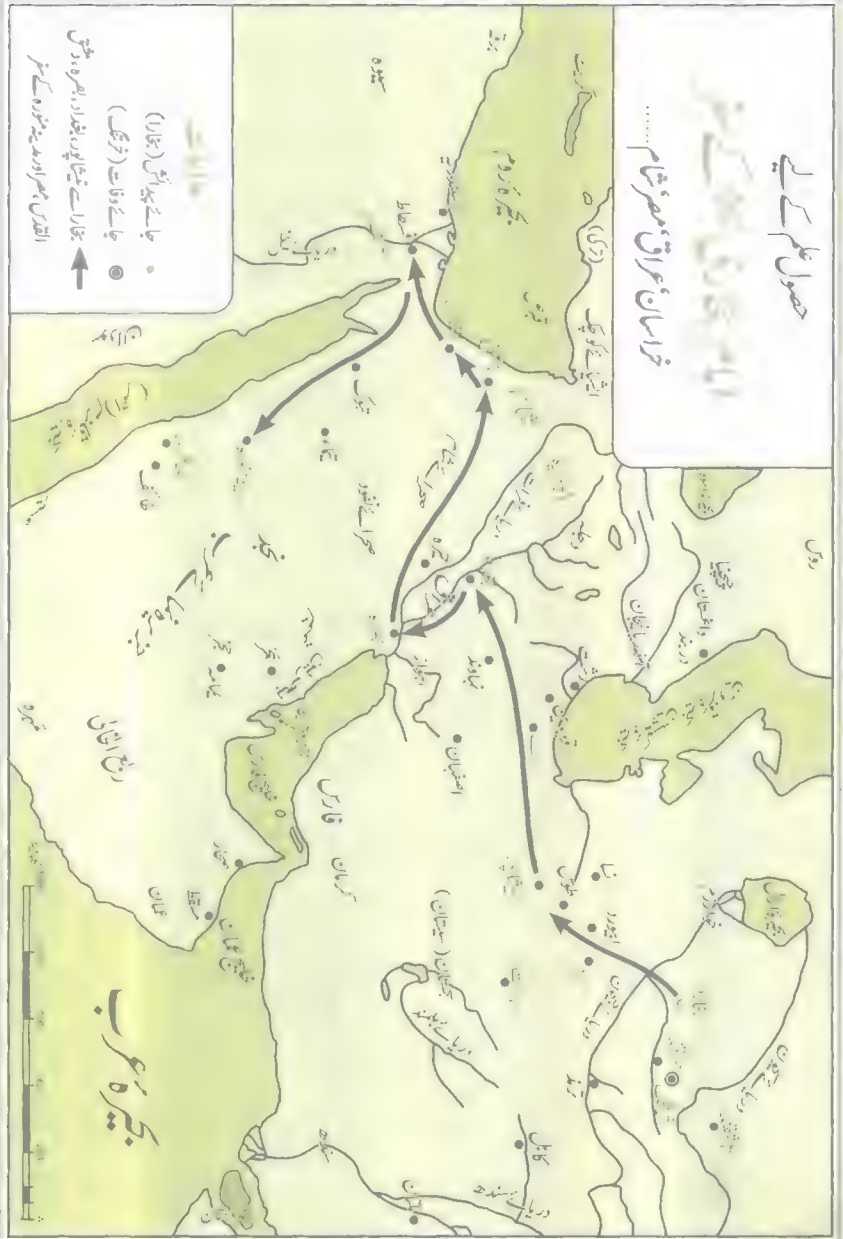
''میں مصر، شام اور الجزیرہ میں دو مرتبہ گیا ہوں، بصرہ میں چار دفعہ اور حجاز میں چھ برس تک قیام پذیر رہا۔ محدثین کے ہمراہ بے شمار مرتبہ کوفہ اور بغداد بھی گیا۔''[1]

اسی طرح خراسان اور گردونواح کے شہر، مثلاً: مرو، بلخ، ہرات ، نیشاپور ، رَے اور خراسان کے پہاڑی علاقے (جبالِ خراسان) میں شروع ہی سے امام بخاری رحمہ اللہ کی آمدورفت رہی۔ بخارا اور اس کے قریبی شہر سمرقند اور تاشقند کے علاقے آپ

خراسان: فارسی زبان میں خراسان کے معنی ہیں: مشرقی زمین۔ ابتدا میں یہ صوبہ ایران کے مشرقی علاقے سے شروع ہوکر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک وسیع تھا، جس میں ماوراء النہر اور سِجستان کے علاقے بھی شامل تھے۔ زمانۂ وسطی میں یہ ایران کا ایک صوبہ رہا جو شمال مشرق میں دریائے جیحون تک پھیلا ہوا تھا۔ پہلے کی نسبت رقبہ کم ہوگیا لیکن افغانستان کے شمال مغربی علاقے ہرات وغیرہ اس میں شامل تھے۔ پھر عربوں نے انتظامی امور میں سہولت کے پیش نظر اسے چار حصوں میں تقسیم کردیا۔ وہ چار حصے یہ تھے: نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ۔ فتوحات اسلامیہ کے ابتدائی دور میں خراسان کا دارالحکومت مرو یا بلخ رہا۔ خاندانِ طاہریہ نے نیشاپور کو صدر مقام بنالیا۔ ماضی کا خراسان اب پانچ ملکوں (ایران، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان) میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اب رَے اور نیشاپور ایران میں، ہرات اور بلخ افغانستان میں، ترمذ، بخارا اور سمرقند اُزبکستان میں، جبکہ مرو ترکمانستان میں شامل ہے۔ آج کل مشرقی ایران کے صوبے کا نام ''خراسان'' ہے۔

ہرات: شمال مغربی افغانستان کا یہ شہر ایرانی سرحد کے قریب دریا ''ہری رُود'' پر واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2 لاکھ ہے۔ استراخانی کھالوں، اون اور قالینوں کی صنعت کے سلسلے میں بہت مشہور ہے۔ ہرات، صوبہ ہرات کا صدر مقام بھی ہے۔ (المنجد في الأعلام)

نیشاپور: ایران کا یہ شہر مشہد کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ قدیم خراسان کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر بھی مرو، ہرات اور بلخ کی طرح اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز شمار ہوتا تھا۔ نظام الملک طوسی نے یہاں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ 1221ء میں مغلوں نے اسے تباہ وبرباد کردیا تھا۔ (المنجد في الأعلام)

بخارا، سمرقند اور تاشقند: یہ تینوں شہر ازبکستان کے مرکزی شہر ہیں۔ تاشقند اس وقت ازبکستان کا دارالحکومت ہے۔ بخارا کے گرد ایک چھوٹی شہر پناہ ہے جو تقریباً 60 مربع کلومیٹر پر واقع ہے جبکہ ◄◄

1 سير أعلام النبلاء: 12/407، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670.

کے وطن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ طلب علم کے لیے ان تمام شہروں میں تشریف لے گئے اور ان شہروں کے مشائخ کے ہاں سکونت پذیر ہوئے۔ میں نے یہاں متقدمین کے جتنے بھی نام گنوائے ہیں، اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتنے جید مشائخ سے کسبِ فیض کیا تھا۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ مختلف شہروں میں تشریف لے گئے تاکہ وہاں مقیم محدثین سے کسبِ فیض کر سکیں اور وہاں کی کتابیں دیکھ سکیں۔ اس سلسلے میں آپ خراسان، جبالِ فارس، تمام عراقی شہروں اور حجاز کے علاوہ شام اور مصر بھی گئے۔ بغداد میں تو آپ کئی دفعہ تشریف لے گئے۔ آپ کے کثرتِ سفر کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کے اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ امام جعفر بن محمد

» ایک بڑی فصیل بھی ہے جو تقریباً 100 مربع کلومیٹر کو گھیرے ہوئے ہے۔ سمرقند جیسے بڑے بڑے شہر اس فصیل کے اندر آجاتے ہیں۔ یہ سب وہ علاقے ہیں جن میں امام صاحب علم حدیث کو یوں تلاش کرتے رہے جیسے کوئی شخص اپنے ہی گھر میں سے اپنی گم شدہ چیز تلاش کرتا ہے۔

بغداد: عہد صحابہ میں بغداد کو ''بغداذ'' ذال کے ساتھ لکھا، پڑھا اور بولا جاتا تھا۔ علامہ یاقوت حموی اسے ''بغداذ'' لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ہر ماہ ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ بغداد کے معنی ہیں: ''باغ داذ'' یعنی داد نامی شخص کا باغ۔ بعض کے نزدیک ''بغ'' ایک بت کا نام تھا۔ کسریٰ نے ایک ہیجڑے کو زمین کا یہ ٹکڑا عطا کیا تھا۔ وہ ہیجڑا بتوں کا پجاری تھا۔ اس نے کہا: ''بغ داذ''، یعنی ''بغ'' نے زمین کا یہ ٹکڑا دیا۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے سب سے پہلے 145ھ میں اسے آباد کرنا شروع کیا۔ 149ھ میں ہاشمیہ سے دارالحکومت بغداد منتقل ہو گیا۔ اس نے اسے مدينة السلام کا نام دیا۔ 656ھ میں ہلاکو خان نے اور 1401ء میں امیر تیمور نے اس شہر کو تباہ کیا۔ 1638ء میں عثمانی خلیفہ مراد رابع نے اس پر قبضہ کر لیا۔ موجودہ زمانے میں یہ عراق کا ملکی اور صوبائی دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی 32 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ (المنجد في الأعلام)

القطّان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ امام بخاری رحمۃ اللہ سے سنا، آپ کہہ رہے تھے:

''میں نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے (احادیث) لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک استاذ سے دس ہزار یا اس سے بھی زائد احادیث تحریر کی ہیں۔ میرے پاس احادیث کا جس قدر بھی ذخیرہ موجود ہے، میں اُن سب کی تمام اسناد بیان کرسکتا ہوں۔'' [1]

ایک ہزار اساتذہ سے اوپر کی زائد تعداد کے بارے میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان اساتذہ کی تعداد 80 ہے۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ آپ کے اساتذہ کی اس بہت بڑی تعداد میں سے صحیح بخاری میں آپ کے 289 شیوخ کے نام آئے ہیں۔

بخارا کے امیر أَحْیَد بن ابی جعفر کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا: ''بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ میں نے بصرہ میں جو حدیث سنی، اسے شام پہنچ کر لکھا۔ اسی طرح شام میں جو حدیث سنی، اسے مصر میں جا کر تحریر کیا۔'' میں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ مکمل حدیث لکھتے تھے؟ اس سوال پر آپ نے خاموشی اختیار کی۔ [2]

1 تاریخ بغداد: 10/2، وسیر أعلام النبلاء: 407/12. 2 تاریخ بغداد: 11/2، وسیر أعلام النبلاء: 411/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 681. اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب جو بھی حدیث لکھتے کیا وہ مکمل ہوتی تھی؟ صحیح بخاری کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے تمام احادیث کو مکمل بیان نہیں کیا بلکہ ایک حدیث کو اگر دس مقامات پر بیان کر کے اس سے دس مسئلے اخذ کیے ہیں تو ہر جگہ تقریباً ایسے الفاظ نقل فرمائے ہیں جو متعلقہ مقام پر بطور استدلال ضروری تھے، چونکہ اکثر مقامات پر ایک حدیث کو مکمل بیان نہیں فرمایا، اس لیے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ واللہ أعلم بحقیقة الحال (ابن سعد)

طلبِ علم کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے کثرتِ سفر پر امام ابوبکر بن ابی عتاب الاعین کی روایت سے بھی ثبوت ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یوسف فریابی کے گھر کے باہر بیٹھ کر محمد بن اسماعیل بخاری سے پڑھا ہے۔ ان دنوں امام بخاری بالکل بے ریش تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام فریابی 212 ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت امام بخاری 17 برس کے تھے۔[1] یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ کے کثرتِ سفر کا ایک بیّن ثبوت ہے کیونکہ امام فریابی اس وقت فلسطین میں قیساریہ کے ساحلی مقام پر مقیم تھے۔

امام محمد بن ازہر سجستانی کہتے ہیں: ''میں امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی وہاں بیٹھے حدیث کا سبق بغیر لکھے محض زبانی سن رہے تھے۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ بخاری سبق کیوں نہیں لکھتے؟ جواب ملا: یہ بخارا واپس جا کر اپنی یادداشت اور قوتِ حفظ سے کام لے کر لکھ لیں گے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے الجزیرہ کا سفر بھی کیا اور وہاں کے مختلف شیوخ سے علمِ حدیث پڑھا۔

امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری، نیشاپور میں پہلی دفعہ 209 ھ میں تشریف لائے۔ جب 250 ھ میں آپ آخری مرتبہ یہاں آئے تو پانچ سال تک قیام فرمایا اور اس دوران میں مسلسل حدیث ہی پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔

آپ کے کاتب محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا: ''میں جب بھی حدیث پڑھنے پڑھانے بیٹھا ہوں تو صحیح اور ضعیف حدیث کو پرکھ کر ہی اٹھا ہوں۔ میں نے فقہاء کی کتابیں بھی دیکھیں۔ کم وبیش پانچ مرتبہ بصرہ گیا،

1 سير أعلام النبلاء: 401/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670.

وہاں جو بھی صحیح حدیث ملی میں نے لکھ لی، البتہ جس حدیث کا مجھے علم نہ ہو سکا، وہ الگ بات ہے۔''[1]

محمد بن ابی حاتم مزید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا: ''میں اٹھارہ برس کی عمر میں امام حمیدی رحمہ اللہ کے ہاں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک حدیث کے سلسلے میں امام حمیدی کی ایک آدمی سے بحث ہو رہی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی امام حمیدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لو! وہ آ گیا جو ہمارے مابین فیصلہ کر دے گا۔'' میں آپ کی مجلس میں بیٹھ گیا تو ان دونوں بزرگوں نے اپنا اپنا مدعا میرے رُوبرو بیان کیا۔ میں نے امام حمیدی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔[2] امام حمیدی حرمِ مکہ کے شیخ تھے۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا: ''میں جب بھی بغداد جاتا تھا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر لازماً کسبِ فیض کرتا تھا۔ آخری مرتبہ جب میں وہاں گیا اور پھر واپسی کے لیے آپ سے اجازت چاہی تو امام احمد نے فرمایا: ''علم اور لوگوں کو بغداد میں چھوڑ کر تم خراسان جانا چاہتے ہو؟'' (جب مجھے خراسان میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو) امام احمد بن حنبل کی یہ بات مجھے بڑی شدت سے یاد آئی۔''[3]

اصل معاملہ یہ تھا کہ خراسان کے علاقے میں اہل الرائے کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ وہ بزرگوں کے اقوال اور فقہی فروعات ہی کو اصل دین سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلے میں اہل الحدیث اور محدثین کرام کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ ان کے کام میں روڑے اٹکاتے تھے۔ اِسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انھیں بغداد والوں کے مقابلے

1 سیر أعلام النبلاء: 416/12. 2 سیر أعلام النبلاء: 401/12. 3 تاریخ بغداد: 23,22/2، وطبقات الحنابلة: 277/1، و سیر أعلام النبلاء: 403/12، وطبقات السبكي: 217/2.

میں کچھ بھی نہ سمجھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بغداد سے تعلق رکھتے تھے۔ فی الجملہ امام بخاری رحمہ اللہ نے علمِ حدیث کے حصول کے لیے بارہا بہت سے سفر کیے۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ ہم یہاں مذکورہ بالا واقعات ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

علم کے لیے انسانی جدوجہد

محمد بن یوسف بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات امام بخاری کے ساتھ ان کے گھر مقیم تھا۔ رات بھر میں یہ دیکھتا اور گنتا رہا کہ امام صاحب 18 مرتبہ اپنے بستر سے اٹھے۔ ہر بار چقماق سے دیا روشن کرتے اور ذہن میں جو کچھ وارد ہوتا اسے لکھ لیتے۔[1] (چقماق، ایک خاص قسم کا پتھر ہے جو آگ سُلگانے کے کام آتا ہے۔)

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں: ''مجھے جب بھی امام صاحب کے ہمراہ سفر کی سعادت ملتی تو ہم ایک ہی مکان میں قیام کرتے تھے۔ امام صاحب بعض اوقات رات کو پندرہ سے بیس مرتبہ بستر سے اٹھتے، آگ جلاتے، پھر دیا روشن کرتے اور جس جس حدیث کے متعلق ذہن میں جو کچھ وارد ہوتا وہ لکھ لیتے اور متعلقہ احادیث پر بھی نشان لگا دیتے تھے۔''[2]

ہانی بن نضر کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب کبھی باہم مل کر انگور اور شہتوت کھانے کے لیے جاتے، اس دوران میں کھیل کود کا موقع بھی ہوتا اور امام بخاری بھی ہمارے ساتھ ہوتے، آپ کھیل کود میں شریک ہونے کے بجائے اپنے علمی کام ہی میں مصروف رہتے۔[3]

امام بخاری کے کاتب محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام داخلی رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں ایک بزرگ ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ وہ

1 تهذيب الكمال: 95/16، وطبقات السبكي: 220/2، وسير أعلام النبلاء: 404/12. 2 تاريخ بغداد: 13/2، وتهذيب الكمال: 94/16، وسير أعلام النبلاء: 404/12. 3 سير أعلام النبلاء: 405/12.

مجھے جو حدیثیں سناتے، میں ان میں سے صحیح احادیث کی طرف رہنمائی کر دیتا اور ان احادیث کے متعلق محدثین کی آراء بھی انھیں بتا دیتا تھا۔ ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگے کہ ابو جاد میں ہمارے امیر کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے قوتِ حفظ کے لیے بَلاذُر نامی دوا استعمال کی ہے۔ ایک دن میں نے علیحدگی میں آپ سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی دوا ہے جو دماغی طاقت کے لیے استعمال ہوتی ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ پھر آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''اچھے حافظے کے لیے ذاتی شوق و رغبت اور اپنے کام کی طرف مسلسل متوجہ رہنے سے زیادہ مجھے کوئی اور چیز مفید نظر نہیں آتی۔''

اس سلسلے میں امام بخاری نے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''نیشاپور میں قیام کے دوران میں مجھے اپنے گھر سے خطوط ملتے۔ ان خطوط میں میری بعض رشتے دار خواتین بھی مجھے سلام لکھ بھیجتیں۔ میں بھی جوابی خط لکھا کرتا تھا۔ میں نے خط میں ان خواتین کو بھی سلام لکھنا چاہا لیکن میں ان کے نام بھول گیا، چنانچہ اُنھیں سلام نہ لکھ سکا۔ اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میں ایک چھوٹی سی بات بھی یاد نہ رکھ سکا۔''[1]

حصول علم کی راہ میں مشکلات کا سامنا

امام بخاری رحمہ اللہ نے علمِ دین کی خاطر شدید بھوک برداشت کی۔ بعض اوقات آپ کو گھاس بھی کھانی پڑی مگر حصولِ علم کی جدوجہد میں کبھی ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک بار امام بخاری طالب علمی کے زمانے میں آدم بن

1 سير أعلام النبلاء: 12/406.

ابی ایاس سے احادیث کے حصول کے لیے ملک شام کی طرف سفر کر رہے تھے کہ ان کا زادِ راہ وقت پر نہ پہنچ سکا، چنانچہ آپ گھاس اور پتے کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ نہ کسی کو بتایا نہ کسی سے سوال کیا حتی کہ تیسرے دن ان کے پاس ایک اجنبی آیا۔ اس نے آپ کو دیناروں سے بھری ہوئی تھیلی دی اور کہا: ''اس سے اپنی ضروریات پوری کیجیے۔''[1]

عمرو بن حفص الاشقر کہتے ہیں آیا کہ بصرہ میں ہم لوگ امام بخاری کے ساتھ مل کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے امام صاحب کو غائب پایا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ آپ ایک مکان میں اپنے آپ کو چھپائے بیٹھے ہیں۔ آپ کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑے بھی نہ تھے۔ ہم نے مل کر رقم اکٹھی کی، آپ کے لیے لباس خریدا اور آپ کو پہنایا۔[2]

یہ سرد و گرم حالات بھی امام صاحب کو طلب علم کے عزمِ صمیم سے متزلزل نہ کر سکے۔ آپ نے کمال استقامت کا مظاہرہ کیا اور امامت فی الحدیث کے بلند مقام تک پہنچے۔ ان کی اس فضیلت کا بلا اختلاف سبھی اعتراف کرتے ہیں۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن محمد سمر قندی سے یہ سنا کہ محمد بن اسماعیل بخاری کی یوں تو سب عادات بہت اچھی تھیں، تاہم ذیل کی تین خوبیوں سے

آدم بن ابی ایاس: ابو الحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن خراسانی عسقلانی آپ کا نام ہے۔ آپ بغداد میں جوان ہوئے۔ وہیں سے علم حدیث حاصل کیا، پھر کوفہ، بصرہ، حجاز، مصر اور شام وغیرہ میں علمِ حدیث کے لیے سفر کیا۔ لیث بن سعد، شعبہ بن حجاج اور اسرائیل بن یونس جیسے اساطینِ علم سے علم حاصل کیا اور امام بخاری، امام دارمی اور امام رازی جیسے شاگردوں کو فیض پہنچایا۔ جمادی الثانیہ 220ھ میں 88 سال کی عمر پا کر عسقلان میں وفات پا گئے۔ (تهذيب الكمال: 490/1)

1 سير أعلام النبلاء: 448/12. 2 طبقات السبكي: 217/2.

آپ خاص طور پر متصف تھے:

''آپ نہایت کم گو تھے۔ لوگوں کی دولت و ثروت کی کوئی طمع نہ رکھتے تھے۔ کسی کے ذاتی معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھتے، بس اپنے علمی کاموں ہی میں مگن رہتے تھے۔'' [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عباس الدُّوری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر اچھا طالب علم کوئی نہیں دیکھا کیونکہ آپ اصول اور فروع، یعنی احکام اوران سے متعلقہ دیگر امور کی مکمل چھان بین کرتے اوران کی تہ تک پہنچتے تھے، پھر ہم لوگوں سے مخاطب ہوکر فرماتے: ''ان کے پورے کے پورے کلام کو ضبطِ تحریر میں لے آؤ، کوئی بات درج ہونے سے رہ نہ جائے۔'' [2]

امام صاحب کے کاتب محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے یہ بات سنی: ''حدیث لکھنے کا میرا انداز دوسرے لوگوں جیسا نہ تھا۔ میں جب بھی کسی سے کوئی حدیث سنتا اور لکھتا اور وہ شخص مجھے سمجھ دار معلوم ہوتا تو اس سے اس کا نام، کنیت اور حسب نسب پوچھتا۔ میں یہ بھی پوچھتا کہ اس نے یہ حدیث کہاں سے لی ہے۔ اگر وہ زیادہ عقل مند اور باشعور نہ ہوتا تو میں اس سے درخواست کرتا کہ مجھے اپنا اصل نسخہ دکھائیے جس میں یہ حدیث لکھی ہوئی ہے۔ ان امور کی طرف دوسرے لوگ توجہ نہیں دیتے تھے۔'' [3]

1 سیر أعلام النبلاء: 448/12. 2 سیر أعلام النبلاء: 406/12. 3 سیر أعلام النبلاء: 406/12.

عبدالرحمٰن بن محمد بخاری کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں حجاز، عراق، شام اور مصر کے ایک ہزار سے زیادہ لوگوں سے کئی بار ملا ہوں۔ شام، مصر اور الجزیرہ کے علماء سے دو مرتبہ اور بصرہ کے علماء سے چار مرتبہ ملاقات کی ہے۔ حجاز میں چھ سال گزارے۔ خراسان کے علمائے حدیث کے ساتھ بارہا کوفہ اور بغداد گیا۔ جن علماء کے ساتھ کوفہ اور بغداد گیا ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن یحییٰ، ابن شقیق، قتیبہ اور شہاب بن معمر۔ اور ملک شام امام فریابی، ابومسہر، ابومغیرہ، ابوالیمان اور بعض دیگر لوگوں کے ہمراہ گیا۔'' پھر فرمایا: ''میں نے ان میں سے کسی کو بھی اس حقیقت سے اختلاف کرتے نہیں پایا کہ دین قول اور عمل کا نام ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔''[1]

محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کا یہ ارشاد اُس وقت سنا جب آپ ایک حدیث کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک شخص سے مخاطب تھے: ''کیا تم میرے متعلق یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے کوئی بات چھپائی ہے؟ حالانکہ میں نے ایک شخص سے دس ہزار احادیث محض اس لیے پڑھنی چھوڑ دی تھیں کہ مجھے اس پر اعتماد نہ تھا۔ اسی طرح ایک اور آدمی سے اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ احادیث صرف اس لیے نہیں پڑھیں کہ میرے نزدیک وہ شخص قابل اعتماد نہیں تھا۔''[2]

1 سير أعلام النبلاء:12/408,407. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:673.

امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام اور شاگردان رشید

- امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذۂ کرام شہروں کی مناسبت سے
- امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ کے طبقات
- امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگردانِ رشید

امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذۂ کرام شہروں کی مناسبت سے

امام بخاری رحمہ اللہ نے علمِ حدیث کے حصول کی غرض سے بے شمار سفر کیے۔ وہ مختلف قصبات و دیہات اور بلاد وامصار میں طویل عرصے تک مسلسل گھومتے رہے۔ بہت سی علمی مجالس میں حاضری دی۔ تقریباً سبھی ہم عصر علمائے حدیث سے ملاقاتیں کیں۔ مشہور شیوخ اور ائمۂ حدیث سے کسبِ فیض کیا اور علم کے لاتعداد چشموں سے سیراب ہوئے۔ حضرت امام کی روایت کردہ احادیث بھی بہت زیادہ ہیں۔

آپ نے شیوخ الحدیث سے باقاعدہ کسبِ فیض سے پہلے ایک لائحۂ عمل مرتب کیا کہ کن علمائے کرام سے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ آپ نے اپنے اساتذہ کو ہر لحاظ سے پرکھا اور طے کیا کہ صرف ثقہ، یعنی ہر لحاظ سے مستند اور قابلِ اعتماد علماء ہی سے علم حدیث حاصل کیا جائے گا۔

امام فرماتے ہیں:

''میں نے ایک ہزار ائمۂ حدیث سے احادیث پڑھی اور لکھی ہیں۔ میرے پاس جتنی بھی احادیث موجود ہیں میں ان سب کی اسناد بیان کرسکتا ہوں۔''[1]

1 تہذیب الأسماء واللغات:1/90.

جعفر بن محمد قطان کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا:

''میں نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے احادیث لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک سے کم وبیش دس ہزار احادیث حاصل کی ہیں۔ میرے پاس کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی میں سند نہ بیان کرسکوں۔'' [1]

آپ نے مزید فرمایا: ''میں نے ایک ہزار اسی (1080) اساتذہ سے احادیث پڑھی اور لکھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک محدث تھا۔ وہ سب کے سب یہی کہتے تھے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور یہ بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے۔'' [2]

محمد بن ابی حاتم نے امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے: ''میں جب بلخ پہنچا تو لوگوں

بلخ: قدیم خراسان کا ایک مشہور شہر ہے جس کے آثار افغانستان کے شہر مزار شریف کے قریب ایک گاؤں کے اطراف میں اب بھی موجود ہیں۔ عربوں نے دسویں صدی عیسوی میں یہاں نوبہار کا ذکر کیا ہے۔ اس میں سب سے بلند عمارت ایک گنبد کی تھی جو عباسیوں کے دور میں برمکی وزراء کی ملکیت رہا۔ اس شہر سے جنوب میں پہاڑیوں کے دامن تقریباً 19 کلومیٹر دور ہیں، جبکہ آمو دریا سے اس کا فاصلہ تقریباً 57 کلومیٹر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور (32ھ) میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے اسے ترکوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ 43ھ میں قیس بن ہیثم نے شہر پر مکمل قبضہ کرلیا اور نوبہار کے گنبد سمیت تمام عبادت گاہوں کو تباہ کردیا۔ اسلامی عہد سے پہلے یہ شہر ماوراء النہر، ترکستان اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا مرکز تھا۔ اسلامی دور میں سائنس اور ثقافت کے اعتبار سے مزید بہتر ہوا۔ زرعی لحاظ سے اتنا خوشحال کہ پورے ماوراء النہر اور خوارزم تک کو غلہ یہیں سے دستیاب ہوتا تھا۔ ازبکوں کے زمانے میں پرانے بلخ کے شمال مشرق میں نئے بلخ کے نام سے ایک قصبہ بن گیا۔ بہر حال یہ شہر مختلف طاقتوں کے ہاتھوں کئی بار اُجڑا اور آباد ہوا۔ 1901ء میں حبیب اللہ خان کے زمانے سے لے کر اب تک مزار شریف اور بلخ افغانستان کی ایک ولایت ہے۔ اس وقت بلخ مزار شریف کی ولایت میں »

1 سير أعلام النبلاء: 407/12، و تهذيب الكمال: 93/16. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670، وسير أعلام النبلاء: 395/12.

نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں انھیں اپنے تمام اساتذہ کے حوالے اور سند کے ساتھ ایک ایک حدیث لکھواؤں تو میں نے اپنے ایک ہزار اساتذہ کے حوالوں کے ساتھ ایک ہزار احادیث لکھوا دیں۔''[1]

مذکورہ بالا واقعے سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ تمام شیوخ کا ذکر تو بہت مشکل ہے، تاہم امام بخاری چند شہروں میں جن اساتذۂ کرام کے پاس پہنچے، یہاں ان کا ذکر کیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کے اُن اساتذۂ کرام کا ذکر خیر بھی کریں گے جن کا امام ذہبی، امام مزّی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے احاطہ کیا ہے۔

یہاں ان شہروں کے تعلق سے آپ کے ممتاز اساتذۂ کرام کا تذکرہ کیا جاتا ہے جہاں پہنچ کر امام بخاری نے علمی استفادہ کیا۔

بخارا

بخارا شہر میں آپ کے مایۂ ناز اساتذہ میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عبداللہ بن محمد مسندی، محمد بن یوسف بیکندی، ہارون بن اشعث بخاری اور محمد بن سَلام بیکندی رحمہم اللہ۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء ہیں جن سے آپ نے استفادہ کیا، تاہم وہ آپ کے بڑے اساتذہ میں شمار نہیں ہوتے۔

بَلخ

بَلخ میں آپ کے اکابر اساتذہ یہ تھے: مکی بن ابراہیم حنظلی، یحییٰ بن بشر الزاہد،

» ایک ضلع ہے۔ مزار شریف سے اس کا فاصلہ 22 کلومیٹر اور کابل سے 643 کلومیٹر ہے۔ یہاں کے باشندے ازبکی، فارسی اور پشتو زبانیں بولتے ہیں۔

1 سير أعلام النبلاء: 414/12.

محمد بن ابان، ابوعلی حسن بن شجاع بلخی اور امام قتیبہ بن سعید وغیرہ۔

مَرو

مرو شاہجان میں عبدان بن عثمان، علی بن حسن بن شقیق، محمد بن مقاتل مروزی اور صدقہ بن فضل کے علاوہ دیگر بہت سے علماء سے آپ نے استفادہ کیا۔

ہرات

ہرات میں آپ کے نمایاں ترین اساتذہ یہ تھے: احمد بن عبداللہ بن ایوب الحنفی، ابوالولید بن ابورجاء الہروی۔

نیشاپور

نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، بشر بن حَکَم، اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ، اسحاق بن منصور، احمد بن حفص اور محمد بن یحییٰ ذہلی کے علاوہ دیگر بہت سے علماء سے امام بخاری نے فیض پایا۔

بغداد

بغداد سلطنت عباسیہ کا دارالخلافہ تھا۔ خلفاء نے اپنے اپنے دور میں علم کی اس قدر حوصلہ افزائی کی کہ بغداد کو علوم کا مرکز بنا دیا۔ بڑے بڑے باکمال اہل علم اصحاب فن ہر طرف سے نقل مکانی کر کے بغداد میں رونق افروز ہوگئے تھے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے بھی متعدد مرتبہ بغداد کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ امام بخاری 210ھ کے آخر میں عراق تشریف لائے۔ کچھ عرصہ قیام کیا اور اس دوران میں یہاں امام احمد بن حنبل، محمد بن عیسیٰ طَبّاع، سریج بن نعمان، محمد بن سابق اور امام عفان رحمہم اللہ وغیرہ سے احادیث پڑھیں۔

رَے

رَے میں صرف ایک ہی استاذ ابراہیم بن موسیٰ تمیمی کا ذکر ملتا ہے جن سے امام صاحب نے استفادہ کیا۔

بصرہ

عراق کے شہر بصرہ میں امام صاحب کے بہت سے اساتذہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ نمایاں اساتذہ میں سے چند یہ ہیں: ابوعاصم نبیل، محمد بن عبداللہ انصاری، عبدالرحمٰن بن حماد شعیثی، صاحب بن عون، محمد بن عرعرہ، حجاج بن منہال، صفوان بن عیسیٰ، حرمی بن حفص بن عمر عتکی، بدل بن محبّر اور عبداللہ بن رجاء وغیرہ۔

واسط

واسط میں حسان بن حسان، حسان بن عبداللہ، سعید بن سلیمان اوران کے دیگر ساتھیوں سے امام صاحب نے علم حاصل کیا۔

کوفہ

کوفہ میں امام بخاری کے اکابر اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عبیداللہ بن موسیٰ عبسی، ابونُعیم (عبدالرحمٰن بن ہانی بن سعید کوفی)، خالد بن مَخلد، طلق بن غنّام، احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان ازدی، خلاد بن یحییٰ، حسن بن عطیہ، قبیصہ اور خالد بن یزید مقریٔ وغیرہ۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے امام حمزہ سے سماعت کی۔

واسط: اس نام سے کئی شہر مشہور ہیں لیکن یہاں مراد عراق کا ایک مرکزی شہر ہے جو کوفہ اور بصرہ کے بالکل وسط میں ہونے کی وجہ سے واسط کہلاتا ہے۔

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ میں آپ کے ممتاز شیوخ یہ تھے: ابوعبدالرحمٰن مقریٔ، خلاد بن یحییٰ، حسان بن حسان بصری، عبداللہ بن یزید مقریٔ، اسماعیل بن سالم صائغ، ابو الولید احمد بن محمد ازرقی اور امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی رحمہم اللہ۔

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ میں امام صاحب نے ان علمائے کرام سے استفادہ کیا: عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی، ایوب بن سلیمان بن بلال، اسماعیل بن ابی اویس، ابراہیم بن منذر حزامی، مطرف بن عبداللہ، ابراہیم بن حمزہ، ابوثابت محمد بن عبیداللہ اور یحییٰ بن قزعہ۔

مصر

مصر میں امام صاحب نے جن قابل احترام اساتذۂ سے فیض پایا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: احمد بن صالح مصری، عثمان بن صالح، سعید بن ابی عیسیٰ، سعید بن کثیر بن عُفیر، سعید بن ابی مریم، احمد بن شبیب، احمد بن اشکاب، عبداللہ بن صالح، عبداللہ بن یوسف، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر اور اصبغ بن فَرَج۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے محدثین رحمہم اللہ۔

شام

آپ کے بہت سے شامی اساتذۂ گرامی میں سے چند نام یہ ہیں: ابوالیمان حکم بن نافع، آدم بن ابی ایاس، علی بن عیّاش، بشر بن شعیب، ابونصر اسحاق بن ابراہیم، حیاۃ بن شریح، ابوالمغیرہ عبدالقدوس، احمد بن خالد وہبی، محمد بن یوسف فریابی اور ابومسہر۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ سے امام بخاری نے اخذِ علم کیا۔[1]

الجزیرہ

الجزیرہ میں آپ نے اسماعیل بن عبداللہ بن زرارہ الرّقی، عمرو بن خالد، احمد بن عبدالملک بن واقد حرانی، احمد بن یزید حرانی ﷭ اوران کے دیگر رفقاء سے فیض پایا۔ امام بخاری نے ابومُسہر سے بھی سماع کیا ہے مگر انھیں ان سے سماع میں شک تھا، چنانچہ امام صاحب نے الصحیح کے علاوہ جہاں بھی ان سے کوئی سند بیان کی وہاں انھوں نے حدثنا أبو مسهر یا حد ثنا رجل عنه سے سند بیان کی ہے۔ امام صاحب نے احمد بن عبدالملک بن واقد حرانی سے بھی روایت کی ہے۔ ان سے آپ کی ملاقات عراق ہی میں ہوگئی تھی، اس لیے الجزیرہ تشریف لے جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔[2] آپ نے یہ بھی فرمایا: ''میں بغداد میں معلّٰی بن منصور رازی کے پاس 210ھ میں گیا تھا۔''[3]

امام بخاری نے حدیث کے حصول کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کیا، اسی وجہ سے

الجزیرہ: یہ خشکی کا ایک خطہ ہے جو دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اور جزیرہ اَقور کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے اہم ترین شہروں میں سے موصل، رقہ، رأس العین اور حران وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ (معجم البلدان: 134/2)

1 سير أعلام النبلاء: 395,394/12، وطبقات السبكي: 215,213/2، والإمام البخاري، ص: 63-75. 2 امام ذہبی، امام سبکی اور امام مزی وغیرہ کا کہنا ہے کہ امام بخاری الجزیرہ میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء: 396/12) الجزیرہ کے لوگوں سے جو روایات منقول ہیں وہ بالواسطہ مروی ہیں جبکہ حافظ ابن حجر، امام نووی اور ابن عساکر کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری الجزیرہ گئے تھے کیونکہ امام صاحب کا اپنا قول ہے: ''میں شام، مصر اور الجزیرہ دو دو مرتبہ اور بصرہ چار مرتبہ گیا ہوں۔'' (هدي السّاري مقدمة فتح الباري، ص: 670، و تغليق التعليق: 388/5) امام ذہبی نے بھی یہ بات نقل کی ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 407/12.) 3 سير أعلام النبلاء: 396,395/12.

امام بخاری اپنے سے مقدم علماء کے ہم طبقہ بن گئے اور یوں انھیں
ی معنوی شان حاصل ہوئی۔ ہر چند کہ زمانی اعتبار سے پیچھے تھے لیکن
درجے کے لحاظ سے اوّل نمبر پر آ گئے۔

امام قتیبہ بن سعید ثقفی فرمایا کرتے تھے: ''اگر امام بخاری صحابہ میں ہوتے تو اللہ کی بہت بڑی نشانی ہوتے۔''[1]

اکثر اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر امام بخاری تابعین میں بھی ہوتے تو اللہ کی بہت بڑی نشانی ہوتے۔ ان کی انتھک جدوجہد، بلند حوصلگی اور قوتِ حافظہ نے انھیں بڑے بڑے ائمہ کا ہم سر بنا دیا۔ امام بخاری کے بارے میں اہل علم کے اقوال آئندہ صفحات میں آئیں گے۔

1 سیر أعلام النبلاء: 12/431.

امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ کے طبقات

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت امام کے ان تمام اساتذہ کو ذیل کے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے:

پہلا طبقہ

وہ حضرات جنھوں نے تابعین سے پڑھا اور پھر امام بخاری کو پڑھایا۔ ان میں محمد بن عبداللہ انصاری، امام حمید سے روایت کرتے ہیں۔ مکی بن ابراہیم نے یزید بن ابی عبید کی روایات امام بخاری کو پڑھائیں۔ ابو عاصم نبیل نے بھی یزید بن ابی عبید کی روایات ہی کا درس دیا۔ عبیداللہ بن موسیٰ انھیں اسماعیل بن ابی خالد کی روایات پڑھاتے رہے۔ ابونعیم، امام بخاری کو اعمش کی روایات کا درس دیتے تھے۔ خلاد بن یحییٰ نے عیسیٰ بن طہمان کی روایات پڑھائیں۔ علی بن عیاش اور عصام بن خالد نے حریز بن عثمان کی احادیث پڑھائیں۔ ان تمام اربابِ علم کے اساتذہ تابعین کرام تھے۔

دوسرا طبقہ

اس طبقے میں ان اساتذہ کا شمار ہوتا ہے جو مذکورہ بالا محدثین کے ہم عصر تھے مگر وہ ثقہ تابعین سے روایات نقل نہیں کر سکے۔ ان میں آدم بن ابی ایاس، ابومسہر عبدالاعلیٰ بن مسہر،

سعید بن ابی مریم، ایوب بن سلیمان بن بلال اور ان جیسے دیگر اساتذہ شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ

اس طبقے میں درمیانے درجے کے اساتذہ شامل ہیں۔ ان کی تابعین سے ملاقات ثابت نہیں۔ یہ صرف تبع تابعین سے روایات نقل کرتے ہیں۔ ان میں سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، نُعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ امام بخاری کے ساتھ امام مسلم بھی ان محدثین سے نقلِ حدیث میں شریک رہے ہیں۔

چوتھا طبقہ

اس طبقے میں امام کے ان اساتذہ کے نام آتے ہیں جو طالب علمی کے زمانے میں آپ کے رفیق تھے، تاہم آپ سے پہلے فراغت پا چکے تھے۔ ان میں محمد بن یحییٰ ذہلی، ابو حاتم رازی، محمد بن عبدالرحیم صاعقہ، عبد بن حمید اور احمد بن نضر کے علاوہ انھی جیسے دیگر اصحاب علم و فضل کے نام آتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ان ہم عصر رفقاء سے وہ احادیث نقل کی ہیں جو آپ اپنے اساتذہ سے نہیں سن سکے یا دیگر ایسی روایات جو آپ کہیں اور سے حاصل نہ کر سکے۔

پانچواں طبقہ

اس طبقے میں وہ لوگ شامل ہیں جو عمر اور سند کے اعتبار سے تو امام صاحب کے شاگرد ہیں، لیکن آپ نے علم میں اضافے کے لیے ان سے بھی روایات سنی اور لکھی ہیں۔ ان میں عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن ابی العاص خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں سے امام بخاری نے بہت کم روایات نقل کی ہیں۔

اپنے ان شاگردوں سے روایت کر کے امام بخاری نے امام وکیع کے اس قول پر عمل کیا ہے جو عثمان بن ابی شیبہ نے امام وکیع سے نقل کیا تھا:

''کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے سے زیادہ علم والے، اپنے برابر درجے کے عالم اور اپنے سے کم علم رکھنے والے عالم سے روایت نہ کرے۔''[1]

امام بخاری کے وہ اساتذہ جن کا تذکرہ امام مزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہاں نہیں لکھے گئے۔ ان کے لیے ملاحظہ ہوں تهذيب الكمال، سير أعلام النبلاء اور تهذيب التهذيب وغیرہ کتابیں ان کی تعداد تقریباً 358 ہے۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:671,670.

امام بخاری رحمۃ اللہ کے شاگردانِ رشید

امام ممدوح کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ امام بخاری ایک جلیل القدر محدث تھے۔ ان کے شاگردوں کی کثرت ہر لحاظ سے قابلِ فہم ہے۔

امام محمد بن یوسف فربری فرماتے ہیں: امام بخاری سے 90 ہزار لوگوں نے صحیح بخاری کا سماع کیا، البتہ صحیح بخاری کو آگے روایت کرنے والا میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ [1]

امام یوسف بن موسیٰ مروزی کہتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا

امام یوسف بن موسیٰ مروزی: ابویعقوب یوسف بن موسیٰ بن عبد اللہ بن خالد بن حموک المَروالرُّوذی آپ کا نام ہے۔ آپ نے اسحٰق بن راہویہ، علی بن حجر اور ابومصعب وغیرہ سے روایت کی ہے، اور خود ان سے ابو حامد بن مشرقی، اخرم، ابوبکر شافعی، ابوعلی نیشاپوری اور ابوبکر بن خلاد وغیرہ نے روایت کی۔ آپ خراسان کے مشہور محدثین میں سے تھے۔ حدیث کے حصول کے لیے سفر کرنے کی وجہ سے ہر جگہ کے لوگ ان سے متعارف تھے۔ خراسان، عراق اور حجاز میں حدیث پڑھاتے رہے۔ مروالروذ میں 296ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی نسبت "مروالروذ" کی طرف کریں تو یہ المَروالرُّوذِی قرار ◄◄

1 سير أعلام النبلاء: 398/12، وتاريخ بغداد: 9/2. نوٹ: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام فربری نے یہ بات اپنی معلومات کی بنیاد پر کہی ہے، حالانکہ ابوطلحہ منصور، ان کے 9 سال بعد تک زندہ رہے۔ ابونصر بن ماکولا اور بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے ابوطلحہ بھی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ (مقدمة فتح الباري، ص: 686)

کہ میں نے ایک شخص کی آواز سنی۔ وہ اہل علم کو مطلع کرنے کے لیے منادی کر رہا تھا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری بصرہ میں تشریف لا چکے ہیں۔ یہ اعلان سنتے ہی کئی لوگ امام ممدوح کی تلاش میں نکل پڑے۔ میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ ہم نے ایک ستون کی اوٹ میں ایک نوجوان کو نماز پڑھتے دیکھا، معلوم ہوا کہ یہی امام بخاری ہیں۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور درخواست کی کہ آپ باقاعدہ کسی ایسی مجلس کا انعقاد فرمائیں جس میں ہم لوگ آپ سے احادیث سن بھی سکیں اور لکھ بھی سکیں۔ آپ رضا مند ہو گئے۔

دوسرے دن قرب و جوار سے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ امام صاحب درس کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ابتدا ہی میں حاضرین سے فرمایا:

''بصرہ والو! میں تو نوجوان ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھ سے احادیث سننے کا مطالبہ کیا ہے تو میں آپ ہی کے شہر بصرہ کے محدثین کی روایت کردہ وہ احادیث بیان کروں گا جن سے آپ لوگ مستفید ہوسکیں، (یہ وہ احادیث ہیں جو اس سے پہلے آپ لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔)'' [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے حاشد بن اسماعیل اور ایک دوسرے شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''بصرہ کے بڑے بڑے عاقل وفہیم لوگ علمِ حدیث کے لیے اس

◂◂ پاتے ہیں، لیکن ''مرو'' کی طرف علاقائی نسبت کی وجہ سے یہ ''مروزی'' کہلاتے ہیں۔ دیکھیے: (سير أعلام النبلاء: 51/14، و الأنساب للسمعاني: 204,203/12)

1 سير أعلام النبلاء: 409/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 680.

نوجوان (محمد بن اسماعیل بخاری) کے پیچھے پیچھے دوڑا کرتے تھے۔ وہ آپ کو حدیث سنانے کے لیے اس قدر مجبور کر دیتے تھے کہ راستے ہی میں بٹھا لیتے۔ پھر وہاں ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے۔ ان میں اکثر لوگ ایسے ہوتے جن کی روایات لوگ بڑے شوق سے لکھتے تھے۔ ان دنوں امام بخاری بالکل بے ریش تھے۔[1]

امام بخاری کے بہت سے اساتذہ آپ کے شاگرد بھی تھے۔ اسی طرح آپ کے بہت سے ساتھی بھی آپ کے شاگرد تھے۔ ذیل میں ان علماء کے نام درج کیے جاتے ہیں جو آپ کے وہ اساتذہ ہیں جو آپ کے شاگرد بھی تھے۔

عبداللہ بن محمد مسندی، عبداللہ بن منیر، اسحاق بن احمد بن خلف سرماری (البخاری)، محمد بن خلف بن قتیبہ وغیرہ۔

یہ حضرات اپنے دور میں علومِ دینیہ کے معروف اساتذہ شمار ہوتے تھے، تاہم امام صاحب سے استفادے کے بغیر اپنے علمی کام کو زیادہ اہمیت نہ دیتے اور آپ سے کسب فیض کو ضروری خیال کرتے تھے۔

آپ کے جن محدث ساتھیوں نے، آپ کے فضل و کمال اور علم حدیث میں بلند مرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے، آپ کی شاگردی کو سعادت سمجھا، ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں: ابو زرعہ رازی، ابو حاتم رازی، امام ابراہیم بن اسحاق حربی، ابو بکر بن ابی عاصم، موسیٰ بن ہارون حمال، محمد بن عبداللہ بن مطین، اسحاق بن احمد بن زیرک فارسی، ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، قاسم بن زکریا، محمد بن عبداللہ حضرمی، محمد بن قتیبہ، ابو بکر اَعْیُن اور ان جیسے دیگر اہل علم۔

آپ کے شاگردوں میں سے ذیل کے محدثینِ کرام تو علم و عرفان کے بلند مرتبے

1 طبقات الحنابلة: 277/1، و تهذيب الأسماء واللّغات: 70/1، و سير أعلام النبلاء: 408/12.

تک پہنچے اور دنیائے علم میں سورج کی طرح چمکے۔

امام العلم صحیح مسلم کے مؤلف امام مسلم بن حجاج، سنن نسائی کے مؤلف امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔ جامع ترمذی کے مؤلف امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ محمد بن نصر مروزی، سنن دارمی کے مؤلف امام دارمی اور صحیح ابن خزیمہ کے مؤلف امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔ یہ تمام بزرگ بلند پایہ فقہاء اور عالی مرتبت محدثین شمار ہوتے ہیں۔[1]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 687,686، وسیرۃ البخاری، از مبارک پوری، ص: 88,87.
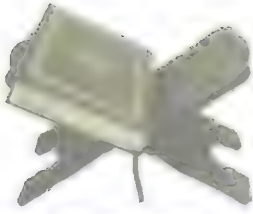
تصانیف امام بخاری

- امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف

امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو تالیف وتصنیفِ کتب کا ایسا اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا کہ ان سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ساری دنیا کے علماء وطلبا نے آپ کی کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

صحیح بخاری

اس عظیم الشان کتاب کا پورا نام ہے: اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِيحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُورِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ وَ سُنَنِهِ وَ أَيَّامِهِ. یہ کتاب عجوبۂ روزگار ہے۔ قرآن مجید کے بعد صحیح ترین اور مکمل طور پر معتمد علیہ کتاب ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں امام بخاری نے نبی کریم ﷺ کی لاکھوں احادیث میں سے صحیح ترین احادیث جمع کی ہیں۔ کتاب کی ابواب بندی فقہی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ تراجمِ ابواب کو دیکھ کر علمائے کرام حیران رہ جاتے ہیں۔ یہ کتاب فقہ الحدیث کا ایسا مجموعہ ہے جس کے بارے میں یہ بات زبان زدِعام ہے: «فِقْهُ الْبُخَارِيِّ فِي تَرَاجِمِهِ» ''امام بخاری کی فقہ صحیح بخاری کے تراجم میں سمٹ آئی ہے۔''

صحیح بخاری کے بارے میں مفصل گفتگو ایک مستقل باب میں آگے آرہی ہے۔

التاریخ الکبیر

التاریخ الکبیر [1] اسماء الرجال کے سلسلے میں اولین تصنیفات میں سے ہے۔اس کتاب میں امام بخاری نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اپنے زمانے تک کے راویانِ حدیث کے تراجم بیان کردیے ہیں۔ یہ کتاب بھی دنیائے کتب کا ایک عظیم شاہ کار ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تصنیف میں بڑی محنت اور باریک بینی سے کام لیا ہے۔ اس کی تالیف میں اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ کو بڑی صلاحیت اور رہبری نصیب ہوئی۔ یہ کتاب اہل علم کے لیے علم و تحقیق کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ کیونکہ اس میں ثقہ، ضعیف اور مستور الحال راویوں کے علاوہ دیگر راویوں کے احوال کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

تاریخ کبیر کی امتیازی حیثیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس میدان میں مصنف سے زیادہ معلومات حاصل تھیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں کچھ ایسے لوگوں کے احوال بھی منقول ہیں جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتے۔ حضرت امام بخاری نے جن راویوں کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام بخاری راویوں کے نام اور ان میں سے ہر ایک کے والد کے ناموں کے اشتباہ کو دور کرکے انھیں واضح انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ خصوصیت دوسرے ماہرین اسماء الرجال کے ہاں بہت کم ملتی ہے۔ امام صاحب نے اس کتاب میں تمام راویوں کو ایک دوسرے سے منفرد انداز میں بیان کیا ہے اور ہر ایک کو جداگانہ حیثیت سے بیان کرنے کی وجوہ بھی بیان کی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں بہت سے ایسے متون بھی ذکر کیے ہیں جو کہ

1 التاریخ الکبیر: مصر کے دارالکتب میں مخطوطے کی شکل میں موجود ہے اور ہندوستان میں پہلی مرتبہ 1361ھ میں طبع ہوئی، اس کے بعد بہت سے مکتبوں نے اسے شائع کیا ہے۔

احادیث کی دیگر کتب میں عام طور پر نہیں ملتے۔ بلاشبہ امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

تاریخ کبیر کی تصنیف کے سلسلے میں امام بخاری خود فرماتے ہیں: ''میں اپنی والدہ محترمہ اور بھائی احمد کے ہمراہ مکہ معظّمہ کی زیارت کے لیے گیا۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بھائی تو والدہ محترمہ کو لے کر واپس چلے آئے مگر میں حدیث پڑھنے کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔ میری عمر جب اٹھارہ برس کی ہوئی تو میں نے مختلف مسائل میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے فیصلے اور ان کے اقوال مرتب کرنے شروع کر دیے۔ ان دنوں حجاز میں عبیداللہ بن موسیٰ کی حکومت تھی۔ انھی دنوں میں نے نبی کریم ﷺ کے روضۂ مبارک کے قریب منبر اور حجرے کے درمیان بیٹھ کر، چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر تصنیف کی۔''[1]

آپ نے تاریخ کبیر کے بارے میں فرمایا: ''اس میں لوگوں کے جو حالاتِ زندگی درج ہیں اس سے اور زیادہ حالات میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن میں نے وہ اس لیے بیان نہیں کیے کہ کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ اگر میرے کچھ اساتذہ کسی طرح زندہ ہو کر دنیا میں آ جائیں تو وہ بھی اس کتاب کو پہچان نہ پائیں گے اور نہ یہ جان سکیں گے کہ میں نے یہ کتاب کس طرح لکھ دی ہے۔''[2]

آپ نے مزید فرمایا: ''امام اسحاق بن راہوَیہ میری کتاب تاریخ کبیر کو عبداللہ بن طاہر کے پاس لے گئے اور ان سے کہا: ''کیا میں آپ کو ایک جادو نہ دکھاؤں؟'' انھوں نے اِس کتاب کو دیکھا اور بڑے تعجب کا اظہار کیا، پھر کہنے لگے: ''میں تو ان کی اس تصنیف کو نہیں سمجھ سکا۔''[3]

1 تهذيب الكمال: 89/16، و سير أعلام النبلاء: 400/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670 2 تهذيب الكمال: 90,89/16. 3 تهذيب الكمال: 90/16.

حافظ ابن عقدہ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص 30 ہزار احادیث بھی لکھ لے، تب بھی وہ امام بخاری کی تصنیف التاریخ الکبیر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔''[1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابوسہل محمود الشافعی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے مصر کے تیس سے زائد علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام بخاری کی کتاب ''التاریخ'' کا مطالعہ ہمارے لیے ضروری ہو چکا ہے۔''[2]

التاریخ الاوسط

التاریخ الاوسط امام بخاری کی وہ کتاب ہے جو ان سے امام عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام الخفاف اور امام زنجویہ بن محمد اللباد نے روایت کی۔

اس کتاب کے آغاز میں امام بخاری فرماتے ہیں: ''اس مختصر کتاب میں رسول اکرم ﷺ کی ہجرت، مہاجرین اور انصار صحابہ، طبقات تابعین اور اس کے بعد تبع تابعین کی وفات، نسب، کنیت اور ان لوگوں کا ذکر ہے، جنھیں نبی ﷺ کی احادیث سے خاص رغبت ہے۔''

اس میں امام بخاری نے راویانِ احادیث کے حالات اس ترتیب سے مرتب کیے ہیں کہ پہلے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو عہد ابوبکر میں وفات پا گئے، پھر ان کا جو عہد عمر میں فوت ہوئے، پھر ان کا جو زمانۂ عثمان میں فوت ہوئے اور پھر ان حضرات کا جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انتقال کیا، پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو چالیس تا پچاس ہجری

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 سير أعلام النبلاء: 12/426.

کے درمیان راہِ ملکِ بقا ہوئے۔ پھر ان کا جو ساٹھ تا ستر ہجری کے دوران سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ اسی طرح چلتے چلتے اس سلسلے کا اختتام ان راویان کے تذکرے پر کیا جو 250 تا260 ہجری میں فوت ہوئے۔ اس کا اسلوبِ تحریر تاریخ صغیر جیسا ہی ہے لیکن اس میں بعض راوی اور واقعات زیادہ ہیں۔

مولانا عبید اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ التاریخ الاوسط کا ایک قلمی نسخہ جنگِ عظیم دوم تک جرمنی کے ایک سرکاری کتب خانے میں موجود تھا۔[1] ایک مستشرق بروکلمان کے بقول اس کا ایک قلمی نسخہ حیدر آباد دکن (بھارت) میں موجود ہے۔[2]

التاریخ الصغیر

یہ مختصر سی کتاب ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ اور مہاجرین اور انصار صحابہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے حسب نسب، کنیتیں اور تواریخ وفات مذکور ہیں۔ ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو حدیث پڑھنے پڑھانے کا شوق رکھتے تھے۔

اس کتاب میں عام طور پر جرح اور تعدیل کا سلسلہ زیر بحث آیا ہے۔ امام صاحب نے اس کتاب کو ایک ایک سال کے حوالے سے اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک سال کے واقعات کا بیان مکمل کرکے دوسرے سال کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صرف وفیات ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہم امور اور واقعات کا بھی احاطہ کیا ہے۔ یہ کتاب 1306ھ میں الہ آباد سے طبع ہو چکی ہے، جبکہ پاکستان میں تاریخ صغیر امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنی کتاب الضعفاء کے ساتھ اور امام نسائی کی کتاب الضعفاء والمتروکین کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

1 حاشیہ سیرۃ البخاری، ص: 158۔ 2 خلق الأفعال، ص: 23۔

الجامع الکبیر

اس کتاب کا ذکر ابن طاہر نے کیا ہے۔

المسند الکبیر

امام فربری نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔لیکن اس کے کسی نسخے کا پتا چل سکا نہ راوی کا کوئی علم ہوسکا۔

التفسیر الکبیر

اس کتاب کا تذکرہ بھی امام فربری نے کیا ہے۔اس کی صورت حال بھی المسند الکبیر جیسی ہے۔بعض محققین کا خیال ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ الجزائر کے سرکاری کتب خانے میں موجود ہے۔

کتاب الاشربہ

امام دارقطنی نے المؤتلف والمختلف میں کَیِسہ نامی راوی کے ترجمے کے ضمن میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

کتاب الھبہ

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی یہ کتاب ہمارے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''امام وکیع بن جراح اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کی تالیفات کا اس کتاب سے کیسے موازنہ ہوسکتا ہے کیونکہ امام وکیع کی کتاب الھبہ میں صرف دو یا تین مرفوع احادیث ہیں۔امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب الھبہ میں صرف پانچ احادیث مروی ہیں، جبکہ

میری اس کتاب میں اس موضوع پر 500 یا اس سے بھی زائد احادیث مروی ہیں۔[1]

کتاب الضعفاء

اس کتاب میں ضعیف راویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے معرضِ بیان میں لائے گئے ہیں اور راویوں کے ضعف کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کو امام صاحب سے ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی اور ابوجعفر شیخ ابن سعید وغیرہ روایت کرتے ہیں۔[2]

خلق افعال العباد

امام بخاری نے اس کتاب میں باطل فرقوں (جہمیہ اور معطّلہ) کے عقائد اور نظریات کی بیخ کنی کی ہے۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال جمع کیے ہیں۔[3] یہ کتاب امام بخاری سے ان کے شاگرد یوسف بن ریحان بن عبدالصمد اور امام فربری نے روایت کی ہے۔[4] یہ کتاب امام ذہبی کی کتاب العلو کے ساتھ ہندوستان سے طبع ہوچکی ہے۔ آخری مرتبہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کی تحقیق کے ساتھ دار عکاظ جدہ (سعودیہ) سے طبع ہوئی۔

اَسامی الصحابہ

ابوالقاسم بن مندہ نے ابن فارس کے حوالے سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور پھر ابن فارس ہی کو نقل وحوالے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی طرح ابوالقاسم البغوی نے بھی اپنی

1 سير أعلام النبلاء: 410/12. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686. 3 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 159. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 159.

کتاب معجم الصحابہ میں ابن فارس کے حوالے سے مذکورہ کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کسی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن اس کے بعد تو ابن مندہ، ابن عبدالبر، ابن اثیر، ابن حجر اور دیگر فقہاء نے اسمائے صحابہ اور ان کے تاریخی حالات پر کتابیں لکھی ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔[2]

مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا ایک مکمل قلمی نسخہ جرمنی کے ایک قلمی کتب خانہ میں جنگ عظیم دوم تک موجود تھا۔[3]

کتاب الوحدان

امام بخاری نے اس کتاب میں ان صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جن سے صرف ایک حدیث منقول ہے۔[4] ابن مندہ نے اس کتاب سے بہت سی معلومات اپنی کتاب المعرفہ میں نقل کی ہیں۔ اس موضوع پر امام مسلم اور امام نسائی کی تحریریں بھی موجود ہیں۔

کتاب المبسوط

امام خلیلی نے الارشاد نامی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مہیب بن سلیم نے اس کتاب کو امام بخاری سے روایت کیا ہے۔[5] مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے موضوعِ بحث کا کچھ پتا نہیں چلا۔ لیکن غالب گمان یہی ہے کہ اس کتاب میں احادیث سے ماخوذ کچھ فقہی مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔[6]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686. 2 سیرۃ البخاری، ازمبارک پوری، ص:161. 3 سیرۃ البخاری ازمبارک پوری، ص:160. 4 حاشیہ سیرۃ البخاری، ص:152، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 5 سیرۃ البخاری ازمبارک پوری، ص:161، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686. 6 سیرۃ البخاری ازمبارک پوری، ص:161.

مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنگِ عظیم دوم تک المانیا (جرمنی کے ایک کتب خانے) میں ابن مندہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ موجود تھا۔[1]

کتاب العلل

ابو القاسم بن مندہ نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اسے ابن مندہ نے محمد بن عبداللہ بن حمدون سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے ابو محمد عبداللہ بن الشرقی سے اور انھوں نے امام بخاری سے روایت کیا ہے۔[2]

کتاب الکنیٰ

ابو احمد الحاکم نے امام بخاری کی کتاب الکنیٰ[3] کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب سے اپنی تصانیف میں کچھ چیزیں نقل کی ہیں۔ اس کا مقصد حدیث کے راویوں کی کنیتوں کی وضاحت ہے تاکہ راویوں کے نام اور کنیتیں خلط ملط نہ ہو جائیں۔[4]

کتاب الفوائد

امام ترمذی نے اپنی جامع الترمذی کی ''کتاب المناقب'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔[5]

الادب المفرد

یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے اخلاق و عادات پر روشنی ڈالتی ہے۔ احمد بن محمد بن جلیل

1 حاشیہ سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص:161. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686.
3 اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ المكتبة الأزهرية میں سلسلہ نمبر3518 کے تحت موجود ہے۔ یہ ہندوستان سے 1360ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ (الإمام البخاري محدّثًا، ص: 274) 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686. 5 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، و جامع الترمذي، حديث:3742.

البزّار نے اس کتاب کو امام بخاری سے روایت کیا ہے۔[1]

یہ اپنے موضوع کی انتہائی اہم اور مفید ترین کتاب ہے اور ہر مسلمان کے لیے بنیادی ضرورت کی چیز ہے۔ حضرت مؤلف ؒ نے اس کتاب میں احادیث پیش کرتے ہوئے صحت حدیث کا اہتمام اس طرح نہیں کیا جس طرح الجامع الصحیح میں کیا ہے۔ وہ اس کتاب میں اکثر روایات صحیح اور حسن درجے کی لائے ہیں، تاہم بعض روایات ضعیف بھی ہیں۔ اسناد کا علم رکھنے والے انھیں بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں 1250ھ میں طبع ہوئی۔ اس کا فارسی ترجمہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے کیا اور آگرہ سے طبع کرایا۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالغفار مرحوم نے ''سلیقہ'' کے عنوان سے آگرہ ہی سے طبع کرایا تھا۔ علاوہ ازیں علامہ ناصر الدین البانی نے اس کی تخریج بھی کی ہے اور تعلیقات بھی لکھی ہیں جو کہ دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ پھر حسین بن عودہ القوایشہ کے قلم سے ''شرح صحیح الأدب المفرد'' کے نام سے مکتبہ اسلامیہ، عمان (اردن) سے تین جلدوں میں 1423ھ طبع ہو چکی ہے۔

جزء رفع الیدین فی الصلاۃ

رفع الیدین کے موضوع پر یہ بڑی جامع کتاب ہے۔ یوں سمجھیے کہ یہ رفع الیدین کے متعلق احادیث کا خوب صورت مجموعہ ہے۔ عدمِ رفع الیدین کی روایات پر انتہائی مدلّل انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ امام بخاری سے محمود بن اسحاق الخزاعی نے یہ کتاب روایت کی ہے۔ محمود بن اسحاق امام صاحب کے آخری شاگردوں میں سے ہیں، وہ آپ سے بخارا شہر میں پڑھتے رہے۔[2] یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان میں کئی مکتبوں کی

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 162. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 163.

طرف سے طبع ہو چکی ہے۔

برّ الوالدین

یہ کتاب محمد بن دلّو یہ الورّاق نے امام بخاری سے روایت کی۔ [1]

قضایا الصحابہ والتابعین

یہ امام بخاری کی پہلی کتاب ہے جو انھوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف فرمائی۔ یہ تاریخ کبیر سے بھی پہلے کی تحریر ہے۔ اس کتاب اور اس کے مندرجات کے بارے میں مزید کوئی معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں، لیکن عنوان سے انتہائی قیمتی اور مفید کتاب معلوم ہوتی ہے۔ [2]

کتاب الرقاق

کشف الظنون کے مصنف نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ کتاب الرقاق امام بخاری کا مجموعۂ احادیث ہے۔ [3] اس کی وجہ تالیف اور مندرجات کی نسبت مصنف نے کچھ نہیں بتایا۔

علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح توضیح میں امام بخاری کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عینی، ابن ملقن کے اس قول کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام ابوسعد اسماعیل ابن ابی القاسم البوشنجی اپنی کتاب الجهر بالبسملة میں امام بخاری کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے صحیح احادیث پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی جس

1. هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 163. 2. سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 163، وتاريخ بغداد: 7/2. 3. كشف الظنون: 278/2، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 163.

میں ایک لاکھ احادیث منقول تھیں۔[1] اس کتاب کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

الجامع الصغیر فی الحدیث

کشف الظنون کے مصنف کا کہنا ہے کہ یہ کتاب عبداللہ بن محمد الاشقر نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی یہی فرمایا ہے۔ الجامع الصغیر امام بخاری کی ان کتابوں میں سے ایک ہے جو اس وقت موجود ہیں۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جنگ عظیم دوم تک جرمنی کے ایک کتب خانے میں موجود تھا۔[3]

جزء القراءۃ خلف الامام

امام بخاری کا یہ ایک مشہور کتابچہ ہے۔ اس میں فاتحہ خلف الامام کے ثبوت میں احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال اور عملی ثبوت جمع کیے گئے ہیں اور فاتحہ خلف الامام کے مخالفین کے دلائل کا رد پیش کیا گیا ہے۔[4] یہ کتاب پہلے ہندوستان میں چھپی، پھر المطبعة الخيرية قاہرہ سے شائع ہوئی۔

1 عمدة القاري:1/9، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری،ص:164. 2 كشف الظنون:1/379، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری،ص: 155. 3 سیرۃ البخاری از مبارک پوری (حاشیہ)،ص: 165. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 686، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری،ص:165.

- اساتذہ کی طرف سے تعریفی کلمات
- امام بخاری رحمہ اللہ کا مرتبہ اپنے رفقاء اور تلامذہ کے نزدیک
- امام بخاری رحمہ اللہ متاخرین کی نظر میں

باب 6

اساتذہ کی طرف سے تعریفی کلمات

کسی قابلِ ذکر شخصیت کے بارے میں اس کے معاصروں، ساتھیوں اور شاگردوں سے کہیں زیادہ اس کے استاذ کی رائے کو اصل اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ درحقیقت استاذ ہی کو شاگرد کی ذہانت، فہم و فراست، تعلیمی ذوق اور علم کے لیے جدوجہد کا علم ہوتا ہے۔ شاگرد کی فطری صلاحیتیں اور مطالعۂ کتب کی لگن بھی استاذ کی نظر میں ہوتی ہے۔[1] اسی خیال کے پیشِ نظر امام صاحب کے بارے میں ان کے اساتذۂ کرام کے تأثرات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں، جنھیں امام کے لیے خراج تحسین سے تعبیر کرنا چاہیے۔

سلیمان بن حرب رحمہ اللہ

ابو ایوب سلیمان بن حرب ازدی بصری ماہِ صفر 140 ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی رہائش مکہ مکرمہ میں تھی۔ اور وہ مکہ میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔ وہ حماد بن سلمہ، سلیمان بن مغیرہ اور شعبہ بن حجاج جیسے اہلِ علم سے روایت بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری کے علاوہ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن یحییٰ ذہلی

[1] سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص:97.

جیسے فاضل حضرات نے ان سے فیض پایا۔ 224ھ کے ربیع الثانی کے آخری ایام میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سلیمان بن حرب سے 127 احادیث روایت کی ہیں۔[1]

امام ابو حاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ بہت بڑے امام تھے۔ علم فقہ اور علم رجال پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق بغداد میں ان کی مجلس میں حاضرین کی تعداد چالیس ہزار سے کم نہیں تھی۔[2]

آپ امام بخاری کے سب سے پہلے استاذ تھے۔ ایک دن انھوں نے امام بخاری کو دیکھا تو ان کے بارے میں فرمایا: ''ایک دن آئے گا جب دنیا میں اس نوجوان کا نام بڑا روشن ہوگا۔''[3]

خود امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں جب بھی اپنے استاذ سلیمان بن حرب کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ مجھے حکم دیتے: ''ہمیں درس و تدریس کے سلسلے میں کمی کوتاہی کے بارے میں بتا دیا کرو۔'' کبھی فرماتے: ''ہمیں شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کر دیا کرو۔''[4] ایک استاذ کا اپنے شاگرد سے ایسی باتیں کہنا شاگرد کے وسیع علم کی بڑی قوی دلیل ہے۔ سلیمان بن حرب شعبہ سے براہِ راست روایت کرتے ہیں، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے شعبہ کو پایا ہی نہیں تھا۔

اسماعیل بن ابی اویس رحمہ اللہ

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر الأصبحی

1 تهذيب التهذيب: 158/4، وتهذيب الكمال: 24/8. 2 الجرح والتعديل: 108/4. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674، وسير أعلام النبلاء: 420/12. 4 سير أعلام النبلاء: 419/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674.

ہیں۔ آپ 139ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے بھائی ابوبکر عبدالحمید بن ابی اویس، اپنے باپ ابو اویس عبداللہ بن عبداللہ المدنی اور اپنے ماموں امام مالک بن انس الجمحی کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم جیسے بڑے بڑے محدثین کے استاذ ہیں۔ رجب 227ھ میں فوت ہوئے۔[1]

محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ بات خود سنی کہ جب میں نے اپنے استاذ اسماعیل بن ابی اویس کی کتاب سے اپنے لیے کچھ احادیث کا انتخاب کیا تو میری منتخب کردہ احادیث کو انھوں نے بھی اپنے لیے الگ سے نقل کر لیا اور فخریہ انداز میں فرمایا: ''یہ احادیث میرے شاگرد محمد بن اسماعیل نے میری کتاب سے منتخب کی ہیں۔''[2]

محمد بن ابی حاتم مزید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا: ''ایک دن حدیث پڑھنے والے طلبہ نے باہم مل کر مجھ سے کہا کہ میں استاذ اسماعیل بن ابی اویس سے بات کروں کہ وہ سبق پڑھانے کے لیے مزید وقت دیا کریں۔ میں نے استاذ صاحب سے یہ درخواست کی تو انھوں نے اپنی خادمہ کو دیناروں کی تھیلی لانے کا حکم دیا۔ وہ تھیلی لے آئی تو استاذ اسماعیل نے مجھے حکم دیا: ''یہ دینار طلبہ میں تقسیم کر دو۔'' میں نے عرض کیا: عالی جاہ! وہ تو حدیث پڑھنے کے لیے مزید وقت کا تقاضا کر رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''میں تمھارے مطالبے کے مطابق آیندہ پہلے سے زیادہ وقت دیا کروں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ دینار بھی ان تک پہنچ جائیں تاکہ ان پر تمھارا مرتبہ واضح ہو جائے۔''[3]

1 سير أعلام النبلاء: 391/10، وتهذيب الكمال: 186/2. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674، وسير أعلام النبلاء: 414/12. 3 سير أعلام النبلاء: 419/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674.

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرے استاذ اسماعیل بن ابی اویس نے مجھے یہ بھی حکم دیا کہ ''میری تمام کتابیں دیکھ لو (صحیح اور ضعیف احادیث پر الگ الگ نشان لگا دو)، میں ہمیشہ تمھارا احسان مند رہوں گا۔'' مزید فرمایا: ''میرا مملوکہ سارا مال تم لے لینا۔''[1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے احمد بن عبداللہ بن ثابت الشاشی کو کہتے ہوئے سنا کہ امام اسماعیل بن ابی اویس نے فرمایا کہ مجھ سے محمد بن اسماعیل نے جتنا علم حاصل کیا ہے اتنا کسی اور نے حاصل نہیں کیا۔ ایک دن محمد بن اسماعیل نے میری کتابیں دیکھیں۔ وہ بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ وہ کہنے لگے: آپ اجازت دیں تو میں انھیں نئے سرے سے لکھ دوں؟ میں نے کہا: بڑے شوق سے! پھر انھوں نے میری کتابوں سے ساری ضعیف احادیث چھانٹ کر نکال دیں۔[2]

ابو مصعب احمد بن ابو بکر زہری رحمہ اللہ

ابو مصعب احمد بن ابو بکر قاسم بن حارث بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری مدنی 150ھ کے آس پاس پیدا ہوئے۔ آپ امام مالک، ابراہیم بن سعد زہری اور یوسف بن یعقوب الماجشون کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی کے علاوہ محدثین کی بہت بڑی جماعت کے استاذ ہیں۔ امام بخاری کے بھی استاذ ہیں۔ ماہِ رمضان 242ھ میں فوت ہوئے۔ مامون الرشید نے انھیں مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ امام ذہبی کا قول ہے: ''آپ احکام وسنن میں امام کی حیثیت رکھتے تھے۔'' زبیر بن بکار کہتے ہیں: ''ابو مصعب ممتاز فقیہ ہیں۔''

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674، وسير أعلام النبلاء: 419/12. 2 سير أعلام النبلاء: 430/12.

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں: ابو مصعب احمد بن ابو بکر زہری نے مجھ سے فرمایا: ہمارے نزدیک احمد بن حنبل کے مقابلے میں محمد بن اسماعیل حدیث کو زیادہ سمجھنے والے اور بڑے فقیہ ہیں۔ اس پر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا: آپ حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں ابو مصعب نے فرمایا: اگر تم نے امام مالک سے ملاقات کی ہوتی اور امام مالک اور امام بخاری کے چہروں کو دیکھا ہوتا تو تم بھی یہی کہتے کہ ہاں! یہ دونوں حدیث اور فقہ میں یک ساں درجہ رکھتے ہیں۔[1]

عبداللہ (عبدان) بن عثمان مروزی رحمہ اللہ

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عثمان بن جَبلہ ابن ابی روّاد میمون الازدی العتکی مروزی 140ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کا لقب عبدان تھا۔ امام شعبہ بن حجاج، امام عبداللہ بن مبارک، امام مالک بن انس اور یزید بن زریع رحمہم اللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، امام بخاری، احمد بن سیار مروزی اور محمد بن یحیٰی ذہلی وغیرہ کے استاذ ہیں۔

احمد بن عبدہ آملی کہتے ہیں کہ عبدان بن عثمان نے اپنی زندگی میں دس لاکھ درہم مالیت کا صدقہ کیا تھا۔ مزید برآں انھوں نے ایک ہی قلم سے عبداللہ بن مبارک کی تمام کتب لکھ ڈالی تھیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو سفر کرنا ہے تو حج کے لیے کرے ورنہ علم حدیث کے لیے خراسان کی طرف سفر کر کے عبدان کے پاس چلا جائے۔ آپ 76 برس کی عمر میں شعبان 221ھ میں فوت ہوئے۔[2]

1 سير أعلام النبلاء: 420/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674، و تهذيب الكمال: 119/1، و تذكرة الحفاظ: 52/2. 2 تهذيب الكمال: 322/10، وتقريب التهذيب: 432/1، وسير أعلام النبلاء: 270/10.

عبدان بن عثمان مروزی نے ایک دن امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''میں نے ان سے زیادہ صاحبِ بصیرت کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔''[1]

محمد بن قتیبہ بخاری رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے قول کو امام بخاری کے شیوخ کے اقوال میں جگہ دی ہے، جبکہ امام مزی نے انھیں امام بخاری سے روایت کرنے والے حضرات میں شمار کیا ہے۔ بہر حال وہ عمر میں امام بخاری سے بڑے تھے۔[2]

محمد بن قتیبہ بخاری کہتے ہیں: میں ایک دن ابو عاصم النبیل کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ وہاں ایک لڑکے کو دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ''بخارا سے۔'' میں نے دوبارہ پوچھا: ''کس کے بیٹے ہو؟'' کہنے لگا: ''میں اسماعیل کا بیٹا ہوں۔'' میں نے کہا تم تو میرے رشتے دار ہو۔ اسی مجلس میں ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: ''یہ لڑکا شیوخ کا مقابلہ کرتا ہے۔''[3]

امام قتیبہ بن سعید ثقفی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام، ابو رجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبداللہ ثقفی، بلخی بغلانی 150ھ میں پیدا ہوئے۔ بلخ کے مضافات میں ''بغلان'' نامی بستی کے رہنے والے تھے۔ بعض کے نزدیک ان کے ثقفی کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا دادا جمیل، حجاج بن

1 سير أعلام النبلاء: 419/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674. 2 تهذيب الكمال: 435/24، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674. کوشش کے باوجود حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔ 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674.

یوسف ثقفی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آپ امام عبداللہ بن مبارک ، امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، جبکہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی جیسے نامور محدثین کے استاذ ہیں۔ امام حمید اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ بلند مرتبہ امام ہیں۔ شعبان 240ھ میں فوت ہوئے۔ [1]

امام قتیبہ بن سعید ثقفی کہتے ہیں:

''میں ایک عرصے تک فقیہوں، زاہدوں اور عبادت گزاروں کی مجلسوں میں شریک رہا۔ مجھے محمد بن اسماعیل جیسا جامع کمالات کوئی اور نظر نہیں آیا۔ امام بخاری کا (فہم وفراست میں) وہی درجہ تھا جو درجہ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اگر امام بخاری صحابہ کے دور میں ہوتے تو یقیناً اللہ کی ایک نشانی ہوتے۔'' [2]

امام قتیبہ بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ خراسان نے صرف چار بڑے آدمی پیدا کیے ہیں اور وہ ہیں: ''محمد بن اسماعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، زکریا بن یحییٰ لؤلؤی اور حسن بن شجاع۔'' [3]

امام قتیبہ نے مزید فرمایا: مشرق ومغرب سے سفر کر کے لوگ میرے پاس حدیث

1 تهذيب الكمال: 236/15، وسير أعلام النبلاء: 13/11. 2 سير أعلام النبلاء: 431/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674. 3 تاريخ بغداد: 26/2، وسير أعلام النبلاء: 424/12.

پڑھنے آئے لیکن میں نے محمد بن اسماعیل جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔

مہیار کہتے ہیں: امام قتیبہ نے واقعی درست کہا کیونکہ میں نے امام قتیبہ کو امام یحییٰ بن معین کے ساتھ امام بخاری کے ہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ یحییٰ بن معین تو علم حدیث میں امام بخاری ہی کے فیض یافتہ ہیں۔ [1]

ایک دن امام قتیبہ بن سعید ثقفی سے مسئلہ پوچھا گیا کہ حالتِ نشہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اتفاق سے اسی وقت امام بخاری بھی وہاں تشریف لے آئے۔ امام قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے سائل کو مخاطب کیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور امام علی بن مدینی کو (امام بخاری کی شکل میں) تمھارے پاس بھیج دیا ہے۔ اب انھی سے مسئلہ دریافت کرلو۔'' اس سلسلے میں امام بخاری کا موقف یہ تھا کہ طلاق دینے والا اگر مغلوب العقل ہو اور اسے حالتِ نشہ میں پیش آنے والے معاملات اس حالت سے نکلنے کے بعد یاد نہ ہوں تو ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ ذہلی شیبانی مروزی کی ماں حمل میں مَرو شہر سے ہجرت کر کے بغداد چلی گئی تھیں۔ وہیں امام احمد ربیع الاول 164 ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم جوانی ہی میں فوت ہوگئے تھے، لہٰذا آپ کی تعلیم و تربیت کا سارا اہتمام آپ کی والدہ محترمہ نے کیا تھا۔

1 سير أعلام النبلاء:430,429/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:675. 2 سير أعلام النبلاء:418/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:675,674.

آپ کی والدہ محترمہ نے بغداد ہی کو اپنا مستقل مَسکن بنالیا اور پوری زندگی وہیں بسر کی۔ 179ھ میں احمد بن حنبل نے حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا۔ اسی سال امام مالک اور حماد بن زید رحمہما اللہ فوت ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔

امام احمد بن حنبل نے سفیان بن عیینہ اور یحیٰی القطّان وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت کو علم حدیث پڑھایا۔ یہ امام بخاری کے وہ استاذ ہیں جنھوں نے علم حدیث کے لیے بے حد قربانیاں دیں۔ آپ اجل ائمۂ اسلام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی وفات کے موقع پر بیس ہزار یہودی، عیسائی اور مجوسی مسلمان ہوئے۔ آپ کے جنازے میں تقریباً اڑھائی لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ آپ جمعۃ المبارک کے روز 12 ربیع الاول 241ھ کو بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ [1]

امام بخاری کے استاذ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ارضِ خراسان نے امام بخاری جیسا کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کیا۔ [2] ایک دفعہ امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ نے ان سے پوچھا: حافظِ حدیث کون کون ہیں؟ فرمایا: خراسان کے نوجوان، پھر سب سے پہلے امام بخاری کا نام لیا۔

یعقوب بن ابراہیم الدورقی رحمہ اللہ

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن کثیر العبدی، القیسی، الدورقی 166ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں ''المسند'' کا بھی شمار ہوتا ہے۔ آپ نے سفیان بن عیینہ،

1 مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: 177/11، و تهذيب الأسماء واللغات: 122/1، وطبقات السبكي: 27/2. 2 سير أعلام النبلاء: 421/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 110.

ابو عاصم ضحاک بن مخلد اور وکیع بن جراح وغیرہ سے سماع کیا اور امام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی، امام ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جیسے نامور محدثین کے استاذ ہیں۔ آپ 252ھ میں فوت ہوئے۔[1]

امام بخاری کے شیخ یعقوب بن ابراہیم الدورقی اور نعیم بن حماد خزاعی کا کہنا ہے:

''اس امت کے فقیہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں۔''[2]

محمد بن بشار (بُندار) رحمہ اللہ

امام ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان بن داود بن کیسان، العبدی البصری، بُندار کے لقب سے معروف تھے۔ بصرہ میں 167ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے یزید بن زریع، امام وکیع اور یحییٰ بن سعید وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری سمیت کتب ستہ کے مؤلفین، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام ابن خزیمہ اور امام بغوی وغیرہ کو علم حدیث پڑھایا۔ رجب 252ھ میں فوت ہوئے۔[3] امام بخاری نے ان سے 205 احادیث روایت کی ہیں۔[4]

محمد بن یوسف فرماتے ہیں کہ جب میں بصرہ پہنچا تو امام بُندار کی مجلس میں گیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: ''کہاں سے آئے؟'' میں نے جواب دیا: ''خراسان سے۔'' فرمایا: ''خراسان کے کس علاقے سے؟'' میں نے جواب دیا: ''بخارا شہر سے آیا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''محمد بن اسماعیل کو جانتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''میں ان کا رشتے دار

1 تهذيب الكمال: 418,417/20. 2 سير أعلام النبلاء: 424/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري: 675، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 110. 3 سير أعلام النبلاء: 144/12، والتاريخ الكبير: 49/1. 4 تهذيب التهذيب: 63/9.

ہوں۔'' امام بخاری سے اس تعلق کی بنا پر امام بُندار میری بہت قدر کرتے تھے۔''[1]

محمد بن بشار (بندار) کا قول ہے:

''امام بخاری ہمارے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔''[2]

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''بصرہ میں ہمارے بھائی محمد بن اسماعیل سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والا کوئی نہیں آیا۔'' کچھ مدت قیام کے بعد جب آپ بصرہ سے روانہ ہونے لگے تو امام محمد بن بشار نے آپ کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر آج کے بعد دوبارہ ملاقات نہ ہوسکی تو روزِ محشر ضرور ہوگی۔''[3]

خود امام بخاری نے بصرہ میں اپنی آمد کا واقعہ بتاتے ہوئے فرمایا: ''میں بصرہ پہنچا تو امام بندار کی درس گاہ میں گیا۔ امام بندار نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: ''بیٹا! کہاں کے رہنے والے ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''بخارا سے تعلق رکھتا ہوں۔'' امام بندار نے دوبارہ پوچھا: ''ابوعبداللہ (محمد بن اسماعیل بخاری) کیسے ہیں؟'' میں خاموش رہا تو وہاں موجود لوگوں نے کہا: ''عالی جاہ! اللہ آپ کو خوش رکھے! یہی ابوعبداللہ ہیں۔'' یہ سنتے ہی امام بندار کھڑے ہوگئے۔ میرا ہاتھ پکڑا۔ مجھ سے گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے، پھر فرمایا: ''میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جس کا میں برسوں سے فخریہ انداز میں نام لے رہا ہوں۔''[4]

محمد بن بشار نے یہ بھی فرمایا: ہمارے دور میں حفاظِ حدیث چار ہیں: (1) رے میں ابوزرعہ ② سمرقند میں امام دارمی ③ بخارا میں محمد بن اسماعیل ④ نیشاپور میں امام مسلم۔[5]

حاشد بن اسماعیل فرماتے ہیں: میں بصرہ میں تھا۔ ایک دن خبر سنی کہ امام بخاری

1 سير أعلام النبلاء: 422/12، و تاريخ بغداد: 18/2. 2 سير أعلام النبلاء: 429/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675. 3 سير أعلام النبلاء: 423/12. 4 تاريخ بغداد: 17/2، و سير أعلام النبلاء: 423/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675. 5 تاريخ بغداد: 16/2، وسير أعلام النبلاء: 423/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675.

تشریف لا رہے ہیں۔ جب آپ بصرہ پہنچ گئے تو امام بندار نے فرمایا:

''آج فقہاء کے سردار تشریف لائے ہیں۔''[1]

محمد بن ابراہیم بوشنجی کہتے ہیں کہ میں نے 228 ھ میں محمد بن بشار کو فرماتے ہوئے سنا: ''محمد بن اسماعیل جیسا طالب علم ہمارے ہاں کوئی نہیں آیا۔''[2]

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایک دن محمد بن بشار نے مجھ سے کہا:

''میں اس وقت تک کپڑے نہیں بدلوں گا جب تک آپ میرے پاس پلٹ کر نہ آئیں اور میری احادیث کو ایک نظر دیکھ نہ لیں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری احادیث میں کوئی ایسی چیز ہے جو میری ساری کوشش کو غیر معتبر کر دے گی۔ آپ واپس آئیں میری احادیث دیکھ لیں تو مجھے خوشی بھی ہوگی اور میری پریشانی بھی دور ہو جائے گی۔''[3]

عبداللہ بن یوسف التِّنِّیسی رحمہ اللہ

ابومحمد عبداللہ بن یوسف التِّنِّیسی، الکلاعی مصری کا آبائی وطن دمشق تھا۔ وہاں سے ہجرت کر کے تِنِّیس (مصر) میں آباد ہوئے۔ امام مالک بن انس، لیث بن سعد اور اسماعیل بن ربیعہ وغیرہ کے شاگرد ہیں اور امام بخاری، محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام ابوحاتم محمد بن ادریس وغیرہ کے استاذ ہیں۔ 218 ھ میں فوت ہوئے۔[4]

امام عبداللہ بن یوسف التِّنِّیسی نے امام بخاری سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''میری کتابوں کو ایک نظر دیکھ لو اور ان میں کوئی غلطی یا کمی کوتاہی ہو تو مجھے بتا دو۔'' آپ نے انھیں ہاں میں جواب دیا اور کہا: ''میں یہ کام کر دوں گا۔''[5]

1 تاریخ بغداد: 16/2، وتهذيب الكمال: 95/16، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675، وسير أعلام النبلاء: 422/12. 2 سير أعلام النبلاء: 421/12. 3 سير أعلام النبلاء: 422/12.
4 سير أعلام النبلاء: 357/10، وتهذيب الكمال: 652/10. 5 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 103، وسير أعلام النبلاء: 419/12.

امام حمیدی رحمہ اللہ

ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حمید بن زہیر بن حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ القرشی الاسدی الحمیدی المکی۔ آپ سفیان بن عیینہ، امام وکیع، ابراہیم بن سعد اور بعض دیگر محدثین سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری، محمد بن یحییٰ ذہلی اور ابوزرعہ رازی وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ المسند للحمیدي انھی کی تصنیف ہے۔ آپ نے امام سفیان بن عیینہ سے دس ہزار احادیث زبانی یاد کیں۔ مکہ مکرمہ میں 219ھ یا 220ھ میں سوموار کے دن ظہر کے وقت فوت ہوئے۔[1]

امام بخاری فرماتے ہیں: ''میں 18 برس کا تھا جب میں نے پہلا حج کیا۔ اس دوران میں امام حمیدی کے پاس گیا۔ اس وقت امام حمیدی کی ایک شخص سے کسی حدیث کے سلسلے میں بحث ہو رہی تھی۔ امام حمیدی نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''لو! وہ آ گیا جو ہمارا مسئلہ حل کر دے گا۔'' چنانچہ دونوں نے اپنا اپنا موقف بیان کیا۔ امام حمیدی کا موقف صحیح تھا، اس لیے میں نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔''[2]

محمد بن سلام بیکندی رحمہ اللہ

ابو عبداللہ محمد بن سلام بن فرج السلمی البیکندی ماوراء النہر کے بہت بڑے محدث تھے۔ یحییٰ بن جعفر کے بقول محمد بن سلام اس سال پیدا ہوئے جس سال امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فوت ہوئے۔ (وہ 161ھ میں فوت ہوئے تھے۔) آپ امام مالک بن انس، امام عبداللہ بن مبارک اور ابواسحاق ابراہیم بن محمد الفزاری کے شاگرد ہیں، جبکہ امام بخاری،

1 سیر أعلام النبلاء: 616/10. 2 سیر أعلام النبلاء: 401/12، وھدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675.

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اور اپنے بیٹے ابراہیم بن محمد بن سلام کے استاذ ہیں۔ محمد بن سلام خود فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً چالیس ہزار درہم طلبِ علم پر اور اتنی ہی رقم اس حاصل شدہ علم کو پھیلانے پر خرچ کی ہے۔ آپ نے علم حدیث کے لیے بہت سفر کیے اور اس علم کے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ محمد بن سلام صفر 227 ھ میں فوت ہوئے۔[1]

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے پاس گیا تو وہ فرمانے لگے: اگر آپ ذرا پہلے آجاتے تو ایک ایسے بچے کو دیکھ لیتے جو 70 ہزار احادیث حفظ کر چکا ہے۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں اس ہونہار بچے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بالآخر ایک جگہ اس سے میری ملاقات ہوگئی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا: ہاں! واقعی مجھے 70 ہزار بلکہ اس سے بھی کچھ زیدہ احادیث یاد ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ میں صحابہ و تابعین کرام سے مروی جتنی بھی احادیث سناؤں گا ان کے ساتھ میں اکثر راویوں کے بارے میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں کہاں پیدا ہوئے، کہاں کہاں مقیم رہے اور ان کی وفات کب ہوئی۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''میں صحابہ و تابعین سے جو بھی حدیث روایت کرتا ہوں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول (ﷺ) سے اس کی بنیاد میرے پاس ضرور موجود ہوتی ہے۔''[2]

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام محمد بن سلام نے مجھے حکم دیا: ''میری کتابوں کو دیکھ لو۔ ان میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس پر نشان لگا دو۔'' امام محمد بن سلام کے ایک ساتھی نے پوچھا: ''یہ نوجوان کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''یہ وہ شخص ہے جس کی مثال نہیں

1 ماخوذ از تہذیب الکمال:16/342-344، و تهذيب التهذيب:9/188. 2 سير أعلام النبلاء: 12/417، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 507، و تاريخ بغداد:2/24.

ملتی۔'' امام محمد بن سلام یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''یہ نوجوان جب بھی میرے پاس آتا ہے، میں حیرت میں ڈوب جاتا ہوں، مجھے اندیشہ رہتا ہے، مبادا مجھ سے کہیں کوئی غلطی سرزد ہو جائے۔''[1]

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ

ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم حنظلی مروزی وہ محدث تھے جو ابن راہویہ کے نام سے مشہور تھے۔161ھ میں پیدا ہوئے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے ماہر اور حافظ تھے۔ انتہائی پرہیزگار تھے۔ انھوں نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے 23 سال کی عمر میں 184ھ میں عراق کا سفر کیا۔ پھر حجاز، یمن اور شام کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور واپس خراسان پہنچ کر نیشاپور کو جائے سکونت بنا لیا۔ سفیان بن عیینہ، سلیمان بن حرب، عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور دیگر بہت سے محدثین ان کے شاگرد ہیں۔ علاقے کے گورنر عبداللہ بن طاہر نے ان سے پوچھا کہ آپ کو ابن راہویہ کیوں کہتے ہیں؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ کو اس طرح پکارا جائے تو آپ ناپسند تو نہیں کرتے؟ امام اسحاق بن راہویہ نے جواب دیا: ''میرا باپ اثنائے راہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس مناسبت سے گاؤں کے لوگوں نے اُسے راہویہ کہنا شروع کر دیا۔ میرا باپ اس طرز تخاطب کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔''

آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے وہ فوراً یاد ہو جاتی تھی۔ اسے دہرانے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آتی تھی۔ ایک لاکھ سے زائد احادیث کے حافظ تھے۔

1 سير أعلام النبلاء: 417/12، و طبقات السبكي: 222/2، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ انھیں امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ جب ابن راہویہ کوئی حدیث بیان کردیں تو خاموش ہوجایا کرو۔ وہ 14 شعبان کو رات کے وقت 238 ھ میں بعمر 77 سال اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ [1]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں: ایک دفعہ میں نے امام اسحاق بن راہویہ کو امام بخاری کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے دیکھا۔ امام اسحاق نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا: حدثنا عبدالرزاق اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس دوران میں اُن سے ایک غلطی سرزد ہوئی۔ امام بخاری نے انھیں ٹوکا اور غلطی کی تصحیح فرمائی۔ امام اسحاق نے امام بخاری کی بات کو درست مان کر اُسے قبول کرلیا۔ [2]

حاشد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ امام اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھے تھے۔ عمرو بن زُرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ عمرو بن زُرارہ امام بخاری سے احادیث سن کر آگے املا کرا رہے تھے۔ دیگر محدثین ان سے احادیث لکھ رہے تھے۔ اس دوران میں امام اسحاق نے فرمایا: ''محمد بن اسماعیل بخاری مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔'' امام بخاری ان دنوں نوجوان تھے۔ [3]

حاشد بن اسماعیل: حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: ''حاشد بن اسماعیل بن عیسیٰ بخاری، شاش (تاشقند) کے بہت بڑے محدث اور حافظ تھے۔ اپنے دور کے امام کبیر تھے۔ انھوں نے طلبِ علم کے لیے بہت سفر کیے۔ عبیداللہ بن موسیٰ اور وہب بن جریر وغیرہ ان کے استاذ تھے، جبکہ محمد بن یوسف فربری، بکر بن منیر اور محمد بن اسحاق سمرقندی وغیرہ ان کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔ آپ 261 ھ میں فوت ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ: 110/2)

1 تهذيب الكمال: 2/10-19. 2 تاريخ بغداد: 27/2، و سير أعلام النبلاء: 428/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675. 3 سير أعلام النبلاء: 429/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.

حاشد بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں نے امام اسحاق بن راہویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''اس نوجوان (محمد بن اسماعیل بخاری) سے احادیث لکھ لیا کرو۔ اگر یہ امام حسن بصری کے دور میں ہوتے تو لوگ ان کے علمِ حدیث اور تفقہ فی الدین کے سبب ان کے محتاج ہوتے۔''[1]

مقدمہ فتح الباری میں بھی امام اسحاق کا ایک قول منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''اس نوجوان (محمد بن اسماعیل بخاری) سے احادیث لکھ لیا کرو کیونکہ اگر یہ امام حسن بصری کے دور میں ہوتے تو حسن بصری بھی اس نوجوان کے علم حدیث میں

امام حسن بصری: شیخ الاسلام ابو سعید حسن بن ابو الحسن یسار، البصری، زید بن ثابت، جابر بن عبداللہ یا جمیل بن قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی ماں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ ان کی پیدائش اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال ابھی باقی تھے۔ وادیِ قریٰ (مدینہ اور تبوک کے درمیان بستی) میں نشو ونما پائی اور جوان ہوئے۔ حضرت علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبیداللہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی زیارت سے فیض یاب ہوئے تھے لیکن ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے صحابۂ کرام سے ان کا سماع ثابت ہے۔ جلیل القدر کبار تابعین میں سے تھے۔ ابی بن کعب، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ انصاری، جندب بن عبداللہ بجلی، زبیر بن عوام، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ سماک بن حرب، ابان بن صالح اور جریر بن حازم وغیرہ جیسے جلیل القدر تابعین ان کے شاگرد ہیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں گورنر خراسان کے سیکرٹری رہے ہیں۔ 88 سال کی عمر میں رجب 110ھ میں اموی خلیفہ ہشام کے دور میں فوت ہوئے۔ (تهذيب الكمال: 4/297-317، و تذكرة الحفاظ: 1/57)

1 سير أعلام النبلاء: 12/421.

رسوخ اور فقہ میں مہارت کے باعث اسی کے محتاج ہوتے۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں التاریخ الکبیر لکھ کر فارغ ہوا تو امام اسحاق بن راہویہ یہ کتاب عبداللہ بن طاہر الامیر کے پاس لے گئے اور فخریہ انداز میں ان سے کہا: "کیا میں آپ کو ایک جادو نہ دکھاؤں۔"[2]

امام بخاری مزید فرماتے ہیں کہ میں امام اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس دوران میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو بھول کر طلاق دے دے تو کیا حکم ہے؟ امام اسحاق بن راہویہ اس مسئلے پر خاموش بیٹھے دیر تک سوچتے رہے۔ میں نے ان کی اجازت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی پیش کیا:

"اللہ تعالیٰ دلوں میں اٹھنے والے وسوسوں اور خیالات پر میری امت کا اس وقت تک مواخذہ نہیں کرے گا جب تک کوئی فرد ان وسوسوں اور خیالات کے مطابق گفتگو نہ کرے یا ان پر عمل پیرا نہ ہو جائے۔"

حدیث سنانے کے بعد میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ تین میں سے دو امور جمع ہوں تو عمل بنے گا، یعنی عمل اور دل یا کلام اور دل۔ اس اصول کی بنیاد پر مذکورہ شخص نے طلاق دینے کا چونکہ دل سے ارادہ نہیں کیا تھا، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ یہ سن کر امام اسحاق نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی تقویت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں بھی تقویت بخشے۔ پھر امام اسحاق نے مذکورہ حدیث کے مطابق

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676. 2 تاريخ بغداد: 7/2، و سير أعلام النبلاء: 403/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676، و تهذيب الكمال: 90/16.

فتویٰ جاری فرما دیا۔ [1]

امام ابو بکر مدینی کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ امام اسحاق بن راہویہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ امام بخاری بھی وہاں موجود تھے۔ امام اسحاق نے ایک حدیث کی سند بیان فرمائی۔ سند میں صحابی کے نام سے پہلے ایک نام یہ تھا: عطاء الكَيْخَا رَانِي. امام اسحاق نے امام بخاری سے پوچھا کہ یہ کیخاران کیا ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو کسی کام سے یمن بھیجا۔ جب اس صحابی کا گزر کیخاران گاؤں سے ہوا تو وہاں کے عطاء نامی ایک شخص نے اس صحابی سے یہ دو حدیثیں سنی تھیں۔ امام اسحاق نے امام بخاری کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ابو عبداللہ! یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ اس وقت وہاں موجود تھے۔'' [2]

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام، امیر المومنین فی الحدیث ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری، ابن مدینی کے نام سے معروف ہیں۔ 162ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔

امام ابوبکر المدینی: محمد بن عبداللہ بن نعیم المدینی نیشاپوری۔ امام حاکم نے آپ کو اسحاق بن راہویہ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ (دیکھیے: تعليق دكتور بشار عواد بر تهذيب الكمال: 2/377.)، الأسامي والكنٰی میں ان کی کنیت ابواحمد بیان کی گئی ہے۔ (دیکھیے: 2/206، ترجمة: 654)

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676، و سير أعلام النبلاء: 12/414. اس واقعے میں درج رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے لیے ملاحظہ کیجیے: صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق......، حديث: 5269، و صحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر، حديث: 127. 2 تاريخ بغداد: 2/8، وسير أعلام النبلاء: 12/415، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676.

سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطّان اور حماد بن زید وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابوداود، ابو حاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ امام سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا: ''علی ابن مدینی کی محبت کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتے ہو! اللہ کی قسم! جتنا وہ مجھ سے سیکھتا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ خود میں اس سے سیکھتا ہوں۔'' امام علی بن مدینی 200 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ پیر کے روز 28 ذوالقعدہ 234ھ کو سامرّاء شہر میں فوت ہوئے۔[1]

فتح بن نوح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام علی بن مدینی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے دائیں جانب امام بخاری تشریف فرما ہیں۔ امام علی بن مدینی جب بھی کوئی حدیث بیان کرتے امام بخاری سے مرعوب ہو کر ان کی طرف دیکھتے (کہ کہیں میں کوئی غلطی تو نہیں کر رہا۔)[2]

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو کبھی کسی کے سامنے اتنا کم حیثیت محسوس نہیں کیا جتنا امام علی بن مدینی کے سامنے محسوس کرتا ہوں، پھر بھی میں کبھی کبھار امام علی بن مدینی کو ایسی احادیث سنا دیا کرتا تھا جو انھیں معلوم نہ ہوتی تھیں۔ جب یہ بات امام علی بن مدینی کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: ''محمد بن اسماعیل بخاری کے قول کو چھوڑو، انھوں نے تو خود بھی اپنے جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔''[3]

امام بخاری نے مزید فرمایا کہ امام علی بن مدینی مجھ سے خراسان کے علماء کے متعلق

1 تهذيب الكمال: 327/13، وسير أعلام النبلاء: 41/11. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676. 3 تهذيب الكمال: 97/16، و سير أعلام النبلاء: 420/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676.

معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔ میں علمائے خراسان میں سے ایک عالم ''محمد بن سلام'' کا بھی تذکرہ کیا کرتا تھا۔امام علی بن مدینی، محمد بن سلام کونہیں جانتے تھے۔ ایک دن مجھ سے فرمایا:

''ابوعبداللہ! ہم تو ہر اُس شخص کومعتبر سمجھ لیں گے جس کی آپ مدح کریں گے۔''[1]

عمرو بن علی الفلاّس رحمہ اللہ

ابوحفص، عمرو بن علی بن بحر بن کنیز الباہلی، البصری، الفلاّس، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن نُمیر، سلیمان بن حرب اور ابو داود سلیمان بن داود طیالسی وغیرہ آپ کے اساتذہ ہیں، جبکہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابو زرعہ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ 249 ھ کے ذوالقعدہ کے آخری ایام میں عسکر نامی شہر میں فوت ہوئے۔[2]

امام بخاری فرماتے ہیں کہ استاذ عمرو بن علی الفلاّس کے شاگردوں نے مجھ سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا: ''مجھے اس حدیث کا علم نہیں۔'' میرے اس جواب سے وہ بہت مسرور ہوئے، خوشی خوشی استاذ عمرو بن علی کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ محمد بن اسماعیل بخاری فلاں حدیث نہیں جانتے۔ یہ سن کر استاذ عمرو بن علی نے انھیں بتایا:

''محمد بن اسماعیل جس حدیث کونہیں جانتے وہ سرے سے حدیث ہی نہیں ہے۔''[3]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676. 2 تهذيب الكمال: 297/14، و سير أعلام النبلاء: 470/11. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676، و سير أعلام النبلاء: 420/12، و تهذيب الكمال: 97/16، و تاريخ بغداد: 18/2.

ابوعمر کرمانی کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا کہ عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا: ''میرے دوست ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جیسا کوئی شخص پورے خراسان میں نہیں ہے۔''[1]

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن قاضی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان بن خُواستی العبسی، 159ھ کو پیدا ہوئے، عمر اور حافظے کے اعتبار سے امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اورامام علی بن مدینی کے ہم پایہ تھے۔

سفیان بن عیینہ، سلیمان بن حرب، عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید قطّان جیسے ائمۂ کرام آپ کے استاذ تھے، جبکہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود، امام ابن ماجہ اور دیگر متعدد لوگ آپ کے شاگرد تھے۔محرم 235ھ میں فوت ہوئے۔[2]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ابراہیم بن محمد بن عبدالسلام نے کہا کہ میں ابوبکر بن ابی شیبہ کے پاس گیا۔ ان کی مجلس میں ایک شخص کہہ رہا تھا کہ امام ابوبکر نے سفیان کی احادیث کے بارے میں امام بخاری سے مناظرہ کیا۔ امام بخاری امام ابوبکر کی بیان کردہ تمام احادیث پہلے ہی جانتے تھے، لیکن جب امام بخاری نے احادیث پیش کیں تو آپ کی بیان کردہ دوسو احادیث کا ابن ابی شیبہ کو کوئی علم نہ تھا۔ اس واقعے

ابوعمر کرمانی: ابوعمر حفص بن عمر بن ہبیرہ البخاری، الکرمانی، کرمینیہ نامی بستی کے رہنے والے تھے۔ یہ بستی بخارا سے تقریباً 86 کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ حج کے سفر کے دوران میں آپ بغداد آئے اور بغداد والوں کے روبرو شجاع بن شجاع الکشانی کی روایت کردہ احادیث بیان کر گئے۔ دیکھیے:

(الأنساب للسمعاني: 612/4، و تاريخ بغداد: 205/8، و معجم البلدان: 456/4)

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676. 2 سير أعلام النبلاء: 122/11، و تهذيب الكمال: 483/10.

کے بعد امام ابوبکر بن ابی شیبہ کہا کرتے تھے: ''یہ نوجوان بڑا صاحبِ بصیرت اور باہمت ہے۔''[1]

حافظ رجاء بن مرجی کہا کرتے تھے: ''محمد بن اسماعیل محدثین پر اس طرح فضیلت رکھتے ہیں جس طرح عورتوں پر مردوں کو فضیلت حاصل ہے۔ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔''[2]

حسین بن حریث رحمہ اللہ

ابوعمار حسین بن حریث بن حسن بن ثابت بن قطبہ خزاعی مروزی نے امام سفیان بن عیینہ، امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع بن جراح وغیرہ سے علم حدیث پڑھا، جبکہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہ

حافظ رجاء بن مُرجّی: ابومحمد رجاء بن مرجّی بن رفاع غفاری، سمرقندی کی پیدائش 180ھ کے بعد کی ہے۔ آپ کا بچپن خراسان، سمرقند اور مرو وغیرہ میں گزرا۔ جوان ہوئے تو بغداد کو اپنا مستقل مسکن بنالیا۔ آپ نے خوارزم کے قاضی اسحاق بن ابراہیم، ابونعیم فضل بن دُکین اور قبیصہ بن عقبہ وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام ابو داود، امام ابن ماجہ اور امام ابو حاتم محمد بن ادریس رازی وغیرہ کو پڑھایا۔ امام بخاری کے شیوخ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ان کا مذکورہ قول شیوخ البخاری کے اقوال کے ضمن میں ذکر کیا ہے، جبکہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ لیکن امام ابن ماجہ اور ابو داود نے اپنی اپنی کتابوں میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔ حافظ رجاء بن مرجی بغداد شہر میں جمادی الاولیٰ کے آغاز میں 249ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: (تهذيب الكمال:191/6، وسير أعلام النبلاء:98/12).

1 سير أعلام النبلاء: 425/12. 2 تاريخ بغداد: 25/2، و سير أعلام النبلاء: 427/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676. مقدمہ میں یہی قول رجاء بن رجاء نامی راوی سے منقول ہے۔

کو پڑھایا۔ حج بیت اللہ کے بعد واپسی کے سفر میں قرمیسین نامی جگہ پر 244ھ میں فوت ہوئے۔[1]

آپ نے امام بخاری کے متعلق فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری جیسا کوئی اور شخص دیکھا ہو۔ وہ تو گویا حدیث ہی کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے تھے۔''[2]

محمد بن عبداللہ بن نُمیر رحمہ اللہ

ابو عبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نُمیر ہمدانی کوفی 160ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی کے ساتھی ہیں۔ امام سفیان بن عیینہ اور امام وکیع بن جراح وغیرہ کے شاگرد ہیں، لیکن امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود اور امام ابن ماجہ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ شعبان یا رمضان 234ھ میں فوت ہوئے۔[3]

احمد بن ضوء بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن عبداللہ بن نُمیر نے امام بخاری کے بارے میں فرمایا: ''ہم نے ان جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔''[4]

امام عبداللہ بن منیّر رحمہ اللہ

حافظ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن منیر مروزی نے امام اسحاق بن راہویہ، یزید بن ہارون اور وہب بن جریر بن حازم وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، امام نسائی اور امام ترمذی وغیرہ کو پڑھایا۔ محمد بن یوسف فربری کہتے ہیں کہ عبداللہ بن منیر ''فِرَبْر'' آکر اس طرح آباد ہوئے کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے حتی کہ فِرَبْر ہی میں

1 تهذيب الكمال:4/456، و سير أعلام النبلاء:11/400. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري: 676، و سير أعلام النبلاء: 12/422. 3 سير أعلام النبلاء: 11/455، و تهذيب الكمال: 16/467. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:676، و سير أعلام النبلاء:12/421.

ربیع الثانی 241 ھ میں فوت ہوئے۔ بعض کے نزدیک 243 ھ میں وفات پائی۔ [1]

جعفر بن محمد فربری کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن منیر کے شاگردوں میں سے ایک شخص اپنی کسی ضرورت سے بخارا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو ابن منیر نے اس سے پوچھا: ''آپ نے ابوعبداللہ بخاری سے ملاقات کی تھی؟'' اس نے کہا: ''نہیں۔'' یہ سن کر ابن منیر نے اسے ڈانٹا، پھر فرمایا ''بھلا تجھ میں کیا خیر و خوبی ہو سکتی ہے کہ تو بخارا گیا لیکن امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے ملاقات کا شرف بھی حاصل نہ کر سکا۔'' [2]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل امام عبداللہ بن منیر کے پاس بیٹھے تھے۔ جب اٹھنے لگے تو امام ابن منیر نے امام بخاری سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو اس امت کی زینت بنائے۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن منیر کی دعا قبول فرمائی (اور امام بخاری کو امت محمدیہ کی زینت بنادیا۔) [3]

ابوعبداللہ جعفر فربری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن منیر کو امام بخاری سے احادیث لکھتے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں بھی محمد بن اسماعیل بخاری کے شاگردوں میں سے ہوں۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن منیر محمد بن اسماعیل بخاری کے استاذ ہیں کیونکہ امام بخاری نے ان سے الجامع الصحیح میں احادیث روایت کی ہیں۔امام ابن منیر فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبل اور امام عبداللہ بن منیر کی وفات ایک ہی سال میں ہوئی۔ [5]

1 تهذيب الكمال:564/10، و سير أعلام النبلاء:316/12. 2 سير أعلام النبلاء:424/12.
3 تاريخ بغداد:26/2، و طبقات السبكي:221/2، و سير أعلام النبلاء:433/12. 4 سير أعلام النبلاء:424/12. 5 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص677,676.

یحییٰ بن جعفر البیکندی رحمہ اللہ

ابوزکریا یحییٰ بن جعفر بن اعین الازدی، البخاری، البیکندی علاقہ ماوراء النہر کے عظیم محدّث اور امام تھے۔ آپ نے سفیان بن عیینہ، امام وکیع بن جراح اور امام عبدالرزاق بن ہمام وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری اور ان کے ساتھی محمد بن ابی حاتم الورّاق وغیرہ کو پڑھایا۔ شوال 243ھ میں فوت ہوئے۔[1]

موصوف امام بخاری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر میں اپنی زندگی امام بخاری کو دینے کی قدرت رکھتا تو ایسا ضرور کرتا کیونکہ میری موت محض فردِ واحد کی موت ہے لیکن امام بخاری کی موت تو علم کا اٹھ جانا ہے۔''[2]

آپ نے امام بخاری کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اگر آپ نہ ہوتے تو میرے لیے بخارا میں زندگی بسر کرنا زیادہ خوش گوار نہ ہوتا۔''[3]

عبداللہ بن محمد المسندی رحمہ اللہ

ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن یمان بن اخنس بن خنیس الجعفی نے سلیمان بن حرب، ابو داود طیالسی، وکیع بن جراح اور امام یحییٰ بن معین وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، محمد بن یحییٰ ذہلی اور ابو زرعہ رازی وغیرہ کو پڑھایا۔ آپ جمعرات کے روز 24 ذو القعدہ 229ھ کو فوت ہوئے۔[4] ایک مرتبہ امام بخاری کی امامت کے بارے میں آپ نے فرمایا: ''ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری امام ہیں اور

1 تهذيب الكمال: 48/20، و سير أعلام النبلاء: 100/12. 2 تاريخ بغداد: 24/2، و تهذيب الكمال: 102/16، و سير أعلام النبلاء: 418/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 3 سير أعلام النبلاء: 418/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.
4 تهذيب الكمال: 497/10، و سير أعلام النبلاء: 658/10.

جو شخص انھیں امام نہیں سمجھتا، میں اسے قابل ملامت قرار دیتا ہوں۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے زمانے میں صرف تین حفاظِ حدیث ہیں۔ جب ان کے نام گنوائے تو سب سے پہلے امام بخاری کا نام لیا۔[1]

علی بن حجر رحمہ اللہ

ابوالحسن علی بن حجر بن ایاس بن مقاتل بن مخادش السعدی المروزی 154 ھ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت پذیر تھے، پھر مَرو چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے اسماعیل بن عُلَیَّہ، عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ اور شریک بن عبداللہ وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہ کو پڑھایا۔ بروز بدھ، 15 جمادی الاولیٰ 244 ھ کو فوت ہوئے۔[2]

امام علی بن حجر نے فرمایا کہ ارضِ خراسان نے صرف تین رفیع المرتبت لوگ پیدا کیے، رَے میں ابوزرعہ، بخارا میں محمد بن اسماعیل اور سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی مگر میرے نزدیک محمد بن اسماعیل ان سب سے بڑے عالم، فقیہ اور صاحب بصیرت ہیں۔[3]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حجر کو امام بخاری کی ایک کتاب پیش کی تو کتاب دیکھتے ہی انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''اس سردار کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟'' میں نے کہا: بخیر و عافیت ہیں۔ فرمایا: ''میں نے ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔''[4]

امام ابواسحاق مروزی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ امام علی بن حجر کے پاس اس وقت پہنچا جب عبداللہ بن عبدالرحمٰن انھیں رخصت کر کے واپس جا رہے تھے اور علی بن حجر

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677، و سير أعلام النبلاء: 424/12. 2 تهذيب الكمال: 219/13، و سير أعلام النبلاء: 507/11. 3 تاريخ بغداد: 28/2، و سير أعلام النبلاء: 421/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 4 سير أعلام النبلاء: 421/12.

نے مجھے کہا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے ادب کے بارے میں جو چاہو کہہ لو (کہ وہ ادب میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں) اور محمد بن اسماعیل کے علم کے بارے میں جو چاہو کہہ لو (کہ وہ بلند پایہ عالم ہیں۔) [1]

امام احمد بن اسحاق السرّ ماری رحمہ اللہ

امام ابو اسحاق احمد بن اسحاق بن حصین بن جابر بن جندل سلمی، بخاری، سُر ماری۔ ''سرماری'' کی طرف نسبت ہے۔ سرماری بخارا سے تقریباً 15 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی تھی جہاں احمد بن اسحاق پیدا ہوئے۔ انھوں نے سلیمان بن حرب اور یعلیٰ بن عبید جیسے بزرگوں سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، اپنے بیٹے اسحاق بن احمد بن اسحاق السلمی اور عبیداللہ بن واصل وغیرہ کو پڑھایا۔ عمر بھر علم حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ ربیع الثانی 242ھ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ [2]

امام احمد بن اسحاق السرماری فرماتے ہیں:

''جو شخص حقیقی اور صحیح ترین فقیہ کو دیکھنا چاہے وہ محمد بن اسماعیل کو دیکھ لے۔'' [3]

عمرو بن زُرارہ رحمہ اللہ

ابو محمد عمرو بن زُرارہ بن واقد کلابی نیشاپوری نے اسماعیل بن عُلَیہ، سفیان بن عیینہ

1 سير أعلام النبلاء: 430/12. 2 سير أعلام النبلاء: 37/13، وتهذيب الكمال: 107/1، ومعجم البلدان: 215/3. 3 سير أعلام النبلاء: 417/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.

اور ہشیم بن بشیر وغیرہ سے علم حدیث سیکھا اور امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ کو علم حدیث پڑھایا۔ 78 سال کی عمر پا کر 238ھ میں فوت ہوئے۔[1]

محمد بن رافع رحمہ اللہ

ابو عبداللہ محمد بن رافع بن ابی زید، قشیری، نیشاپوری، امام مالک کے زمانے، یعنی 170ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے حصول کے لیے کئی سال سفر کیا۔ احادیث جمع کیں۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام سفیان بن عیینہ اور امام وکیع بن جراح وغیرہ سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کو پڑھایا۔ 245ھ میں فوت ہوئے۔[2]

حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع کو امام بخاری سے علل الحدیث کے بارے میں سوال کرتے دیکھا۔ جب وہ واپس جانے لگے تو انھوں نے حاضرین مجلس سے کہا: ''امام بخاری کے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، یہ ہم سے زیادہ علم والے، عظیم، بڑے فقیہ اور صاحبِ بصیرت ہیں۔''[3]

حاشد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن امام اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھے تھے۔ عمرو بن زرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ عمرو بن زُرارہ، امام بخاری سے احادیث سن کر آگے املا کرا رہے تھے اور دیگر محدثین عمرو بن زرارہ سے احادیث لکھ رہے تھے۔ اس دوران امام اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری کے متعلق فرمایا: ''وہ (احادیث کی اسناد میں) مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔'' امام بخاری ان دنوں بالکل جوان

1 تهذيب الكمال: 225/14، و سير أعلام النبلاء: 406/11. 2 تهذيب الكمال: 267/16، و سير أعلام النبلاء: 214/12. 3 تاريخ بغداد: 27/2، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677، و سير أعلام النبلاء: 429/12.

تھے۔[1]

محمد بن اِشکاب رحمہ اللہ

ابو جعفر محمد بن حسین بن ابراہیم بن حر بن زعلان البغدادی 181ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا لقب اشکاب تھا۔ اسی وجہ سے آپ ابن اشکاب کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کا تعلق خراسان کی مشہور بستی ''نسا'' سے تھا۔ بعد میں بغداد آ کر آباد ہوئے۔ آپ نے اسحاق بن سلیمان رازی، عمرو بن عثمان الکلابی اور معاویہ بن ہشام وغیرہ سے علم حدیث پڑھا۔ اور امام بخاری، امام ابو داود اور امام نسائی وغیرہ کو پڑھایا۔ آپ 261ھ میں بروز منگل 10 محرم کو فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 80 سال تھی۔[2]

عبداللہ بن محمد الفرہاذانی کا بیان ہے کہ میں ابن اشکاب کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ وہاں ایک آدمی آیا وہ بھی حفاظ حدیث میں سے تھا۔ وہ کہنے لگا کہ ہم لوگ محمد بن اسماعیل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس پر ابن اشکاب کو غصہ آ گیا اور وہ مجلس سے اس لیے اٹھ کر چلے گئے کہ امام بخاری کے بارے میں یہ بات کیوں کہی گئی۔[3]

عبداللہ بن محمد الفرہاذانی: حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن سیّار الفرہاذانی، نے قتیبہ بن سعید اور ہشام بن عمار وغیرہ سے علم حدیث پڑھا، جبکہ ابو بکر محمد بن حسن النقاش المفسر اور بشر بن احمد الاسفرائینی وغیرہ کو پڑھایا۔ ابن عدی کے نزدیک آپ امام نسائی کے ساتھیوں میں سے تھے۔ راویوں کے حالات خوب جانتے تھے۔ آپ کو ''فرہاذان'' کی طرف نسبت کی وجہ سے ''الفرہاذانی'' کہتے تھے۔ ''فرہاذان'' ایک بستی کا نام ہے جو ''نسا'' کے نواحی علاقے میں واقع ہے۔ آپ 300ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: 146/14، ومعجم البلدان: 258/4)

1 سير أعلام النبلاء: 429/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 2 تهذيب الكمال: 212/16، و سير أعلام النبلاء: 352/12. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.

عبداللہ بن محمد بن سعید بن جعفر کہتے ہیں کہ امام احمد بن حرب نیشاپوری جب فوت ہوئے تو امام اسحاق بن راہویہ اورامام محمد بن اسماعیل بخاری ان کے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں چند اہلِ علم اور صاحبِ بصیرت لوگوں نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا کہ: محمد بن اسماعیل، اسحاق بن راہویہ سے بڑے فقیہ ہیں۔ [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے یہ بات سنی کہ محمد بن اسماعیل ابھی بچے ہی تھے کہ امام ابوحفص کے ہاں آنے جانے لگے۔ امام ابوحفص نے ان کے متعلق فرمایا: ''یہ بچہ بڑا سمجھ دار ہے۔ مجھے امید ہے کہ دنیا میں اس کی بڑی شہرت ہوگی۔۔'' [2]

قتیبہ بن سعید کہا کرتے تھے کہ خراسان نے صرف چار بڑے آدمی پیدا کیے جن کے نام یہ ہیں: ''محمد بن اسماعیل، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، زکریا بن یحیٰی اللؤلؤی اور حسن بن شجاع۔'' [3]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ابوسہل محمود بن نضر سے سنا کہ میں بصرہ، شام، حجاز اور کوفہ میں خوب گھوما پھرا ہوں۔ میں نے ان شہروں کے علماء کے ساتھ رہ کر محسوس کیا کہ جب بھی محمد بن اسماعیل کا نام آیا تو ان سب نے انھیں اپنے سے زیادہ

امام ابوحفص احمد بن حفص :ابوحفص احمد بن حفص البخاری الحنفی 150 ھ میں پیدا ہوئے۔ ماوراء النہر، یعنی اہل خراسان کے استاذ اور فقیہ تھے۔ امام وکیع بن جراح وغیرہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاری کے والد اسماعیل کے گہرے دوست تھے۔ بخارا شہر میں محرم 217 ھ میں وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء: 10/157.)

1 طبقات السبكي: 2/223، وسير أعلام النبلاء: 12/418، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 2 سير أعلام النبلاء 12/425,426. 3 تاريخ بغداد: 2/26، و سير أعلام النبلاء: 12/424.

صاحبِ فضیلت قرار دیا۔ [1]

امام مُسَدّد رحمہ اللہ

امام ابو الحسن مسدّد بن مُسَرْ ہد بن مسربل الاسدی البصری 150ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ امام سفیان بن عیینہ، امام وکیع بن جراح اور حماد بن زید وغیرہ سے علم حدیث پڑھا، اور امام بخاری، امام ابوداود اور امام ابوزرعہ وغیرہ کو حدیث پڑھائی۔ 228ھ میں فوت ہوئے۔ [2]

ابراہیم بن خالد مروزی کہتے ہیں کہ امام مسدد نے فرمایا: ''اے خراسان والو! محمد بن اسماعیل پر کسی کو فوقیت نہ دو۔'' [3]

حافظ نُعیم بن حماد رحمہ اللہ

ابوعبداللہ نُعیم بن حماد بن معاویہ بن حارث بن ہمام بن سلمہ بن مالک الخزاعی کی مستقل رہائش مصر میں تھی۔ آپ نے امام عبداللہ بن مبارک، امام سفیان بن عیینہ اور امام وکیع بن جراح جیسے رفیع المنزلت محدثین سے علم حدیث پڑھا اور امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام ترمذی جیسے مایہ ناز شاگردوں کو پڑھایا۔ قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے والے فتنے میں آپ کو مصر سے گرفتار کر کے بغداد جیل لایا گیا۔ جیل ہی میں بروز اتوار، 13 جمادی الاولیٰ 228ھ کو فوت ہوئے۔ [4]

صالح بن مسمار مروزی کا بیان ہے کہ میں نے نُعیم بن حماد سے سنا کہ ''محمد بن اسماعیل

1 تاريخ بغداد: 19/2، و سير أعلام النبلاء: 422/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 سير أعلام النبلاء: 591/10. 3 سير أعلام النبلاء: 419/12. 4 سير أعلام النبلاء: 595/10، و تهذيب الكمال: 129/19.

اس امت کے فقیہ ہیں۔"[1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ حاتم بن مالک الورّاق نے بیان کیا کہ میں نے مکہ کے علماء سے سنا کہ: "محمد بن اسماعیل خراسان ہی کے نہیں، ہمارے بھی امام اور فقیہ ہیں۔"[2]

محمد بن ابی حاتم ہی کا کہنا ہے کہ امام بخاری نے ابو رجاء البغلانی، یعنی قتیبہ بن سعید سے ابن عیینہ کی احادیث بیان کرنے کی درخواست کی تو قتیبہ نے کہا: "جب سے میں نے وہ احادیث لکھی ہیں اُنھیں کسی کے سامنے بیان نہیں کیا اور اس کتاب کو جوں کا توں ہی رکھ چھوڑا ہے کیونکہ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا، وہ باہم تقابل کر کے ایک دوسرے سے اپنی کتب کی تصحیح کر لیا کرتے تھے۔ اگر آپ میری کتاب کو ایک نظر دیکھ کر اس کا جائزہ لے لیں اور اس میں جو غلطی ہو اس کی نشان دہی کر دیں تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔" امام بخاری اس بات سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "مجھے اپنی معلومات میں اضافے کا موقع مل گیا ہے۔"

امام بخاری کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح کی نماز سے لے کر امام قتیبہ کی مجلس میں جانے تک، ان کی کتاب دیکھتے۔ کوئی غلطی ہوتی تو اس پر نشان لگا دیتے۔ ایک دن امام بخاری نے امام قتیبہ کو بتایا کہ فلاں حدیث میں ایک غلطی ہے۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کہ مجھ سے تو یہ حدیث اہل بغداد بھی لکھ چکے ہیں اور اسے یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل نے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ امام بخاری نے فرمایا: ان لوگوں نے آپ کی کتاب سے نقل کیا ہے اور آپ نے بے پروائی سے لکھا ہے مگر میں نے تو متعدد علماء سے اسی طرح لکھا ہے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں۔

1 سیر أعلام النبلاء: 12/419، وتاریخ بغداد: 2/22، و تھذیب الکمال: 16/102.

2 سیر أعلام النبلاء:12/425.

میں نے اسے یحییٰ بن بکیر، ابن ابی مریم اور کاتب اللیث سے نقل کیا ہے۔

امام ابو رجاء قتیبہ بن سعید امام بخاری کی بات سمجھ گئے۔ انھوں نے اپنی بات کو مسترد کر کے امام بخاری کی تصحیح قبول کر لی۔[1]

1 سیر أعلام النبلاء 12/427،428.

امام بخاری رحمہ اللہ کا مرتبہ اپنے رفقاء اور تلامذہ کے نزدیک

عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے: ''اگر کئی افراد میں ایک ہی فن میں مہارت پائی جائے اور وہ ایک ہی زمانے کے لوگ ہوں تو یہ چیز ان کے مابین منافرت کا باعث بن جاتی ہے۔''

ایک ہی فن میں مہارت اور کمال کا درجہ پانے والے ہم عصر لوگ عموماً ایک دوسرے کی مہارت کا کماحقہ اعتراف نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں میں خاص قسم کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے جو بڑھتے بڑھتے باہمی منافرت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ہم عصر کسی ماہر فن کا ذکر تعریفی الفاظ میں کرتا ہے تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کی تعریف خود اس کے رفقاء اور ہم عصر ماہرین کر رہے ہیں، وہ کتنے اونچے درجے کا مالک ہوگا۔

اسی لیے ہم بھی امام صاحب کے بارے میں ان کے ان معاصرین اور رفقاء کے اقوال و آراء کا ذکر کرتے ہیں جو فضل و کمال میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ امام صاحب کے کمالات کو صرف حیرت ہی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ واضح الفاظ میں اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں، اس سے امام صاحب کی اعلیٰ درجے کی علمی فضیلت، خداداد فقاہت، قوتِ حافظہ اور فہم و تدبر کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے۔

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ

ابو حاتم رازی کا بیان ہے کہ ارضِ خراسان نے امام بخاری سے زیادہ قوی حافظے والا کوئی شخص پیدا نہیں کیا، نہ کبھی ان سے بڑا کوئی عالم خراسان سے عراق آیا۔[1]

ابراہیم بن محمد بن سلام رحمہ اللہ

ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں: بہت سے کبار محدثین امام بخاری سے مرعوب رہتے اور علمی بصیرت اور معرفتِ حدیث میں امام بخاری کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے، مثلاً: سعید بن ابی مریم، حجاج بن منہال، اسماعیل بن ابی اویس، امام حمیدی، نعیم بن حماد، امام سفیان بن عیینہ کے ساتھی محمد بن میمون، محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی، حسن الخلال، محمد بن علاء الأشج، ابراہیم بن منذر الحزامی، اور ابراہیم بن موسیٰ الفرّاء

امام ابو حاتم رازی: ابوحاتم محمد بن ادریس بن منذر بن داود بن مہران الحنظلی الرازی کی پیدائش 195ھ میں ہوئی۔ آپ امام احمد بن حنبل، ابونعیم فضل بن دکین اور یحییٰ بن معین کے شاگرد ہیں۔ امام ابو داود، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ امام بخاری کے جلیل القدر رفقاء میں سے ہیں۔ بعض علمائے کرام کے نزدیک امام صاحب نے ان سے بھی فیض پایا۔ انھوں نے علم حدیث کے لیے ہزاروں میل پیدل سفر کیا۔ حدیث کی گراں قدر خدمت سرانجام دی۔ شعبان 277ھ میں 83 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے: (سیر أعلام النبلاء: 247/13، وتهذيب الكمال: 56/16)

ابراہیم بن محمد بن سلام: یہ امام بخاری کے استاذ محمد بن سلام بیکندی کے بیٹے ہیں۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ابو الہیثم خالد بن احمد البخاری نے ان سے احادیث روایت کی ہے۔ (الجرح والتعديل: 129/2)

1 سير أعلام النبلاء: 431/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري: 677.

وغیرہ نے ہمیشہ آپ کی فضیلت علمی کا اعتراف کیا۔[1]

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ

محمد بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو زُرعہ سے ابن لہیعہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اسے تو ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری چھوڑ چکے ہیں، یعنی وہ ضعیف ہے۔[2]

اسی طرح امام ابو زرعہ سے محمد بن حمید کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ ابو زرعہ کی یہ بات امام بخاری کے سامنے بیان کی گئی تو امام بخاری نے فرمایا: ہاں، ان (محمد بن حمید) سے ہمارا تعلق پرانی بات ہے (اب ہم نے انھیں چھوڑ دیا اور ان سے روایت

امام ابوزُرعہ: ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ القرشی المخزومی الرازی 200ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ امام بخاری کے جلیل القدر رفقا میں سے تھے۔ انھوں نے امام احمد بن حنبل، ابونُعیم فضل بن دُکین اور امام قتیبہ بن سعید سے علم حدیث پڑھا اور امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہ کو پڑھایا۔ ابراہیم بن حرب العسکری نے ابو زرعہ کو خواب میں چوتھے آسمان پر فرشتوں کی امامت کراتے دیکھا تو ان سے پوچھا: آپ نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟ امام ابو زرعہ نے جواب دیا کہ میں نے نماز کے دوران رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کر کے یہ مقام پایا۔ وہ اتباع سنت کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ حدیث کے حصول کے لیے تیرہ سال کی عمر میں سفر شروع کیا اور زندگی بھر علم حدیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ بروز سوموار 30 ذوالحجہ 264ھ کو 64 سال کی عمر میں وفات پائی۔(سير أعلام النبلاء: 65/13، وتهذيب الكمال: 223/12.)

1 سير أعلام النبلاء: 425/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 675، وسيرة البخاری ازمبارک پوری، ص: 110. 2 تاريخ بغداد: 23/2، و تهذيب الكمال: 101/16، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.

نہیں لیتے۔)[1]

حسین بن محمد بن عبید العجلی رحمہ اللہ

حسین بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری اور امام مسلم جیسا حافظِ حدیث کوئی نہیں دیکھا لیکن امام مسلم، امام بخاری کا مقام نہیں پا سکتے۔[2]

حسین بن محمد نے مزید کہا:

''میں نے امام ابو زرعہ اور ابو حاتم کو امام بخاری سے احادیث سنتے دیکھا ہے۔ امام بخاری کا مقام یہ ہے کہ وہ تنہا ایک امت کی حیثیت رکھتے تھے۔ بے حد متدین اور امور خیر میں سبقت کرنے والے تھے، ہر کام احسن انداز میں انجام دیتے تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی سے کئی گنا زیادہ علم رکھتے تھے۔''[3]

حسین بن محمد بن عبید العجلی: مقدمہ فتح الباری میں ''حسین بن محمد بن عبید العجلی'' ہی مذکور ہے، جبکہ دیگر مصادر میں حسین بن محمد بن حاتم بغدادی بتایا گیا ہے۔ آپ بہت بڑے امام، حافظ اور فنِ تجوید کے ماہر تھے۔ امام یحییٰ بن معین آپ کے استاذ تھے۔ انھی نے آپ کا لقب ''عبید العجل'' رکھا تھا۔ آپ 294ھ میں فوت ہوئے۔ خطیب بغدادی نے آپ کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے۔

(تاريخ بغداد: 93/8، وتذكرة الحفاظ: 672/2، وسير أعلام النبلاء: 90/14)

1 تاريخ بغداد: 23/2، وتهذيب الكمال: 101/16، وسير أعلام النبلاء: 434/12. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677، وسير أعلام النبلاء: 436/12، و تاريخ بغداد: 30/2.

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی رحمہ اللہ

امام عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حجاز، شام اور عراق کے علماء کو دیکھا ہے لیکن محمد بن اسماعیل سے زیادہ عالم حدیث کسی کو نہیں پایا۔[1]

آپ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل ہم سے زیادہ عالم، ہم سے زیادہ فقیہ اور تحصیل علم میں ہم سب سے زیادہ جدو جہد کرنے والے تھے۔[2]

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی کہتے ہیں کہ حصولِ حدیث کے لیے محمد بن اسماعیل کا شوق ہم سب سے بڑھ کر تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اُن کا ہم سر نہ تھا۔ وہ جس کے پاس بھی علم حدیث کے لیے جاتے، اس سے سب کچھ سیکھ لیتے تھے۔[3]

ایک دفعہ امام دارمی سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا گیا۔ سائل نے یہ بھی بتا دیا کہ اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح کہا ہے۔ امام دارمی نے جواب دیا کہ محمد بن اسماعیل مجھ سے زیادہ صاحب بصیرت اور زیادہ دانا ہیں۔ قرآن و حدیث میں جن اوامر ونواہی

امام عبد اللہ بن عبدالرحمٰن دارمی : ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد التمیمی، الدارمی، السمرقندی 181ھ میں پیدا ہوئے۔ اسماعیل بن ابی اویس، ابونعیم فضل بن دکین اور محمد بن سلام البیکندی سے علم حدیث پڑھا اور احادیث کا مشہور مجموعہ ''سنن الدارمی'' کے نام سے ترتیب دیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ایک تفسیر بھی لکھی۔ امام مسلم، امام ابوداود اور امام ترمذی وغیرہ کو علم حدیث پڑھایا۔ امام بخاری نے بھی ان سے پڑھا ہے۔ امام ابوحاتم محمد بن ادریس رازی اور محمد بن یحییٰ ذہلی نے بھی ان سے فیض پایا۔ آپ بروز جمعرات 8 ذوالحجہ 255ھ کو فوت ہوئے۔ یوم عرفہ بروز جمعہ دفن کیے گئے۔ اس وقت ان کی عمر 75 سال تھی۔ (تهذيب الكمال: 283/10، و سير أعلام النبلاء: 224/12.)

1 تاريخ بغداد: 28/2، و سير أعلام النبلاء: 432/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677، وسير أعلام النبلاء: 426/12.
3 سير أعلام النبلاء: 427/12.

کا ذکر آیا ہے، اس کو انھوں نے خوب سمجھا ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت کرتے وقت دل، آنکھوں اور کانوں سمیت اس میں ڈوب جاتے ہیں۔ قرآنی واقعات اور مثال میں غور و فکر کرتے ہیں اور قرآن کے حلال و حرام کو خوب سمجھتے ہیں۔[1]

ابو الطیب حاتم بن منصور رحمہ اللہ

حاتم بن منصور کہتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل علمی بصیرت اور اس میں مہارت سے اللہ تعالیٰ کی زبردست نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔[2] بچپن میں ان کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔[3] اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ محترمہ کی دعاؤں کے طفیل بینائی لوٹا دی۔ پھر انھوں نے اپنی آنکھوں کو علم دین کے لیے یوں وقف کیا کہ ان کا حق ادا کردیا۔ (یہ پورا واقعہ کتاب کے شروع میں گزر چکا ہے۔)

ابو سہل محمود بن نضر شافعی رحمہ اللہ

محمود بن نضر کا کہنا ہے کہ میں بصرہ، شام، حجاز اور کوفہ میں گھوما پھرا ہوں اور وہاں کے علمائے حدیث سے ملا ہوں۔ ان کی مجلسوں میں جب بھی امام بخاری کا ذکرِ خیر ہوا، انھوں نے امام ممدوح کو اپنے سے بڑا عالم اور افضل قرار دیا۔[4]

ابو سہل ہی کا بیان ہے کہ میں نے تیس سے زائد مصری علماء کو سنا، وہ کہتے تھے کہ امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر کو دیکھنا ہمارے لیے ناگزیر ہو چکا ہے۔[5]

1 سير أعلام النبلاء:426/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:677. 2 سير أعلام النبلاء:427/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678. 3 سير أعلام النبلاء:393/12.
4 تاريخ بغداد: 19/2، وتهذيب الكمال: 99/16، وسير أعلام النبلاء: 422/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678. 5 سير أعلام النبلاء:426/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678.

صالح بن محمد جزرہ رحمہ اللہ

صالح بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے خراسان میں محمد بن اسماعیل سے زیادہ فہم و فراست والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے کہا: سب سے بڑے حافظِ حدیث امام بخاری ہیں۔ میں بغداد میں کافی عرصہ امام بخاری سے احادیث سن کر لکھتا اور دوسروں کو لکھواتا رہا۔ ان دنوں تقریباً بیس ہزار لوگ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔[1]

صالح بن محمد جزرہ ہی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، محمد بن اسماعیل بخاری اور ابو زرعہ رازی میں سے محمد بن اسماعیل بخاری علم حدیث کے سب سے بڑے عالم اور ابو زرعہ سب سے بڑے حافظ ہیں۔

محمد بن ادریس رازی رحمہ اللہ

محمد بن ادریس رازی نے اہل عراق سے کہا تھا کہ خراسان سے تمھارے پاس ایک شخص آئے گا۔ جو وہاں کا سب سے بڑا حافظ حدیث ہے۔ عراق میں آج تک اس سے بڑا عالم بھی نہیں آیا۔ اہل عراق کا کہنا ہے کہ پھر کچھ ہی عرصے بعد امام بخاری ہمارے پاس تشریف لے آئے۔[2]

ابو العباس فضل بن عباس رحمہ اللہ

ایک دفعہ حافظ ابو العباس فضل بن عباس المعروف فضلك الرازي سے پوچھا گیا کہ امام محمد بن اسماعیل اور امام ابو زرعہ میں سے کون زیادہ قوتِ حافظہ کا مالک ہے؟

1 سير أعلام النبلاء: 433/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 سير أعلام النبلاء: 433/12، وتاريخ بغداد: 23/2.

انھوں نے جواب دیا ایک دفعہ حلوان اور بغداد کے مابین امام بخاری سے میری ملاقات ہوگئی۔ اس سے پہلے میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے کچھ سفر ان کے ہمراہ کیا۔ اس دوران میں میں نے کوشش کی کہ ان کی خدمت میں کوئی ایسی حدیث پیش کروں جس کا انھیں علم نہ ہو مگر میں ایسا نہ کر سکا۔ امام بخاری کے برعکس امام ابوزرعہ کے سامنے تو میں ان کے سر کے بالوں جتنی ایسی احادیث بیان کر سکتا ہوں جو وہ اس سے پہلے پڑھ سکے ہوں نہ سن سکے ہوں۔ [1]

محمد بن عبدالرحمٰن الدّغولی رحمہ اللہ

ان کا بیان ہے کہ اہلِ بغداد نے محمد بن اسماعیل بخاری کو خط لکھا۔ جس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا:

''جب تک آپ زندہ وسلامت ہیں، مسلمانوں کو خیر وبرکت حاصل رہے گی،

حُلوان: عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ بغداد کی طرف سے جائیں تو یہ حدودِ سواد کے آخر میں آتا ہے جو صوبہ جبال سے متصل ہے۔ آج کل حُلوان ایران میں واقع ہے۔ اسے شاد فیروز بھی کہا جاتا تھا۔ بہت قدیم شہر حلوان کوہستان زاگروس میں عقبۂ حلوان پر واقع ہے جو اس وقت بالکل غیر آباد ہے۔ شہر کی جائے وقوع ''سرِپل'' شہر کے جنوب میں ''حُلوان چائے'' نامی ندی کے بائیں کنارے پر ہے۔ خلمانو (Khalmanu) کے نام سے یہ آشوری دور میں بھی موجود تھا۔ 437ھ/ 1046ء میں سلجوقیوں نے ابراہیم اینال کی سرکردگی میں حلوان کو جلا دیا تھا۔ چند سال بعد زلزلے سے بھی اسے نقصان پہنچا۔ حلوان کی انجیر ''شاہ انجیر'' کہلاتی ہے۔

1 تاريخ بغداد: 23/2، وتهذيب الكمال: 101/16، وسير أعلام النبلاء: 434/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.

جب آپ نہ رہیں گے تو ان سے یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔''[1]

امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل سے زیادہ حدیث کو جاننے والا آسمان کے نیچے کوئی نہیں۔[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علل الحدیث، تواریخ اوراسانید کے بارے میں محمد بن اسماعیل سے زیادہ معلومات رکھنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔[3]

امام مسلم رحمہ اللہ

آپ نے امام بخاری سے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی محدث نہیں۔''[4]

امام ابن خزیمہ: شیخ الاسلام امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر 223ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اسحاق بن راہویہ اور محمد بن حمید سے سماع کیا لیکن ان سے آگے بیان نہیں کیا۔ احمد بن ابراہیم الدورقی، حسین بن حریث اور محمود بن غیلان وغیرہ سے علم حدیث پڑھا، اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کو پڑھایا لیکن ان دونوں نے صحیحین میں ان سے روایات بیان نہیں کیں۔ 89 سال کی عمر میں 2 ذوالقعدہ 311ھ کو فوت ہوئے۔(سير أعلام النبلاء: 14/365.)

1 تاريخ بغداد: 2/22، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 طبقات السبكي: 2/218، و سير أعلام النبلاء: 12/431، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 3 طبقات السبكي: 2/220، و سير أعلام النبلاء: 12/432، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.
4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.

احمد بن سیار رحمہ اللہ

تاریخ مرو میں احمد بن سیار کا بیان ہے کہ محمد بن اسماعیل بخاری علم کی تلاش میں نکلے۔ اور اس کے لیے لوگوں میں گھل مل گئے۔ حدیث پڑھنے کے لیے ان گنت سفر کیے۔ علم حدیث میں بڑی مہارت حاصل کی اور صاحب بصیرت کے طور پر شہرت پائی۔ علم حدیث میں بے حد معلومات حاصل کیں۔ بہترین حافظے کے مالک اور زبردست فقیہ تھے۔ [1]

یحییٰ بن محمد رحمہ اللہ

ابو احمد بن عدی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن محمد بن صاعد جب بھی امام بخاری کا ذکر کرتے تو کہتے: ''وہ دین کے ایسے سپاہی تھے جو زندگی بھر اس کا دفاع کرتے رہے۔'' [2]

ابو عمرو احمد بن نصر الخفّاف رحمہ اللہ

احمد بن نصر کہتے ہیں کہ ہمیں متقی، پاکیزہ، خصال بے مثل اور عالم فاضل شخص

بلند پایہ علم دین ہونے کی وجہ سے اپنے زمانے کے عبداللہ بن مبارک سمجھے جاتے تھے۔ 261ھ میں فوت ہوئے۔ (التقریب: 16/1)

یحییٰ بن محمد بن صاعد: یحییٰ بن محمد بن صاعد بن کاتب 228ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ عراق کے بہت بڑے محدث اور امام تھے۔ حسن بن عیسیٰ بن مَاسَرْجِس، محمد بن بشار اور محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ کے شاگرد ہیں اور ابو القاسم البغوی، الطبرانی اور عبدالرحمٰن بن ابی شریح وغیرہ کے استاذ ہیں۔ کوفہ شہر میں ذو القعدہ 318ھ میں 90 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ (سير أعلام النبلاء: 501/14.)

ابو عمرو احمد بن نصر الخفّاف: ابو عمرو احمد بن نصر بن ابراہیم خفّاف نیشاپوری نے امام اسحٰق بن راہوَیہ، عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع وغیرہ سے علم حدیث پڑھا، اور ابو حامد بن الشرقی اور محمد بن سلیمان بن فارس وغیرہ کو پڑھایا۔ آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ جب ناامید سے ہوئے تو بہت زیادہ صدقہ ◄◄

1 سير أعلام النبلاء: 434/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.

محمد بن اسماعیل نے حدیث بیان کی۔ وہ علم حدیث کے بارے میں امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ سے بیس گنا زیادہ معلومات رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں اگر کسی نے ایسی ویسی بات کہی تو میری طرف سے اس پر ہزار بار لعنت ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے درس حدیث کے دوران میں وہ کہیں اس دروازے سے اندر آجائیں تو میں اُن سے مرعوب ہوجاؤں گا۔ [1]

عبداللہ بن حماد آملی رحمہ اللہ

عبداللہ بن حماد کا بیان ہے:

''کاش! میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا۔'' [2]

سلیم بن مجاہد رحمہ اللہ

سلیم کہتے ہیں کہ میں نے ساٹھ سال سے امام بخاری جیسا متقی، فقیہ اور زاہد کسی کو نہیں دیکھا۔ [3]

» کیا جو تقریباً پانچ لاکھ درہم کے برابر تھا۔ آپ شعبان 299ھ میں 80 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ (سیر أعلام النبلاء: 13/560-562.)

عبداللہ بن حماد آملی: ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حماد آملی نے سلیمان بن حرب اور یحییٰ بن مَعین سے پڑھا، اور امام بخاری، ابراہیم بن خزیم اور عمر بن بجیر وغیرہ کو پڑھایا۔ عرصۂ دراز تک حدیث کی خدمت کرنے کے بعد رجب 273ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (سیر أعلام النبلاء: 12/611.)

1 تاريخ بغداد: 2/27,28، و طبقات السبكي: 2/225، و سير أعلام النبلاء: 12/435,436، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 2 سير أعلام النبلاء: 12/437، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678. 3 طبقات السبكي: 2/227، و سير أعلام النبلاء: 12/449، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.

موسیٰ بن ہارون البغدادی رحمہ اللہ

موسیٰ کہتے ہیں: ''اگر تمام مسلمان باہم متحد ہوکر بھی امام بخاری جیسا کوئی دوسرا شخص ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔'' [1]

عبداللہ بن محمد بن سعید بن جعفر رحمہ اللہ

ان کا بیان ہے کہ میں نے مصر کے علماء سے سنا، وہ کہتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو علمِ حدیث میں محمد بن اسماعیل سے زیادہ معرفت رکھتا ہو اور لوگوں سے امام بخاری کے مقابلے میں زیادہ اچھا سلوک کرتا ہو، پھر فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں، جو مصری علمائے حدیث کہتے ہیں۔ [2]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678، وسير أعلام النبلاء:434/12. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678.

امام بخاری رحمہ اللہ متاخرین کی نظر میں

اگر ہم امام بخاری کی مدح وستائش میں متاخرین کے اقوال جمع کرنے لگیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ اس سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر امام بخاری کی مدح میں ائمۂ متاخرین کے اقوال جمع کرنا شروع کروں تو کاغذ بھی ختم ہو جائیں اور سانسیں بھی، کیونکہ وہ ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ متاخرین کے برعکس متقدمین نے ذاتی مشاہدے کے بعد ان کی توصیف کی ہے، جبکہ متاخرین نے اپنے پیش رو حضرات ہی کے اقوال کو مدنظر رکھ کر ان کی مدح سرائی کی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں واضح فرق ہوتا ہے کیونکہ آنکھوں سے دیکھنا محض خبر سن لینے کے مترادف نہیں ہے۔[1]

ابن عقدہ اور امام حاکم رحمہما اللہ

یہاں امام بخاری کے متعلق کبار مشائخ میں سے علامہ ابن عقدہ (المتوفی 332ھ) اور امام ابواحمد الحاکم (المتوفی 378ھ) کے ارشادات پیش خدمت ہیں۔ بعد میں چند متاخرین کے اقوال بھی ذکر کیے جائیں گے۔ علامہ ابن عقدہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:679.

تیس ہزار احادیث بھی لکھ ڈالے، تب بھی وہ محمد بن اسماعیل کی کتاب ''التاریخ الکبیر'' سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول امام ابو احمد الحاکم ''الکنیٰ'' میں رقم طراز ہیں کہ محمد بن اسماعیل کا شمار جمع احادیث اور معرفت احادیث میں ممتاز ائمہ میں ہوتا ہے۔ اگر میں یوں کہوں کہ میں نے فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان میں ان کی تصنیف جیسی کوئی اور تصنیف نہیں دیکھی تو یہ بالکل صحیح ہوگا۔[2]

امام ابواحمد الحاکم ہی کا کہنا ہے کہ امام بخاری پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے، انھوں نے علمِ حدیث کے لیے قواعد اور اصول تیار کر کے عام فہم انداز میں پیش کیے۔ ان کے بعد جس نے بھی اس شعبے میں کوئی کام کیا، اس نے امام بخاری کی کتاب ہی سے رہنمائی لی جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کا اکثر حصہ امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح ہی سے جداگانہ اسلوب اختیار کر کے اخذ کیا ہے، اوراس سلسلے میں نہایت محنت سے کام لے کر امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب اسناد کے علاوہ دیگر اسناد کا بھی تذکرہ کیا ہے (جس سے مزید بہت سی مفید چیزیں سامنے آگئیں۔)[3]

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی 855ھ)

آپ فرماتے ہیں: ''وہ نامور حافظِ حدیث ہیں، ناقد ہیں، صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز کر سکتے ہیں، صاحبِ بصیرت ہیں، ثقہ علماء بھی ان کے اوصافِ حمیدہ کی گواہی دیتے ہیں۔ معتبر مشائخ نے ان کی قوتِ حفظ کا اعتراف کیا ہے۔ علماء ان کے فضل و شرف سے بخوبی آگاہ ہیں۔ انھوں نے جس معاملے میں بھی تنقید کی اس میں کسی نے

1 تاریخ بغداد: 8/2. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 684. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 678.

کبھی اختلاف نہیں کیا۔ وہ امام الھمام، حجۃ الاسلام، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ہیں۔'' مزید فرماتے ہیں کہ پوری دنیا کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحیح ترین کتابیں ہیں۔ علمائے متقدمین و متاخرین صحیح بخاری کی مقبولیت پر متفق ہیں۔ [1]

امام دارقطنی رحمہ اللہ

آپ کا بیان ہے۔

''امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم کبھی ابھر کر منظرِ عام پر نہ آتے۔''

امام مسلم نے تو امام بخاری ہی کی کتاب الجامع الصحیح میں مذکور احادیث کی اسناد کی تخریج کی اور کچھ اضافہ کر دیا۔

ابن عابدین شامی رحمہ اللہ

درّ مختار کی شرح ''ردالمحتار'' کے مصنف علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: ''امام بخاری معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک معجزہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسا بے مثال شخص پیدا ہوا، جس کا وجود ایک نعمت کبریٰ ہے، جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ امام، مجتہد، ناقد اور صاحبِ بصیرت ہیں۔'' مزید فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی جلالت قدر اور حفظ واتقان پر دنیا کے تمام ثقہ لوگ متفق ہیں۔ [2]

اس حقیقت کو علامہ سبکی نے ایک شعر میں واضح کر دیا ہے:

1 عمدة القاري شرح صحيح البخاري: 1/5-7. 2 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 111۔

”وہ مدح وستائش سے بالا ہے۔ اتنا بالا کہ مدح وستائش اب اس کا مقام و مرتبہ بڑھاتی نہیں بلکہ کچھ گھٹا ہی دیتی ہے۔“ [1]

1 طبقات السبكي: 2/212.

امام بخاری رحمہ اللہ کے اوصاف اور اخلاق و عادات

- قوتِ حافظہ، علمی وسعت اور زود فہمی
- امام بخاری رحمہ اللہ کا عقیدہ
- ذوق عبادت
- اخلاق و عادات

قوتِ حافظہ، علمی وسعت اور زود فہمی

قوتِ حافظہ اور اس کا امتحان

امام بخاری رحمہ اللہ کو بارگاہِ الٰہی سے قوتِ حفظ اور زود فہمی کی صلاحیتیں ابتدائی عمر ہی میں عطا فرما دی گئی تھیں۔ محمد بن ابی حاتم کے سوال پر آپ نے خود بتایا: ''حفظِ حدیث کا شوق میرے دل میں اسی وقت ودیعت کر دیا گیا تھا جب میں ابھی طفلِ مکتب تھا۔'' میں نے پوچھا: اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ جواب دیا: ''دس برس یا اس سے بھی کم۔'' یہاں سے فراغت کے بعد میں بخارا کے بڑے بڑے اساتذہ، امام داخلی وغیرہ کے حلقۂ درس میں جانے لگا۔

ایک دن امام داخلی رحمہ اللہ [1] درس دیتے ہوئے ایک حدیث کی سند یوں پڑھنے لگے: سفيان عن أبي الزبير عن إبراهيم۔ میں نے عرض کیا: ''عالی جاہ! آپ اصل کتاب دیکھ لیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی غلطی ہے۔'' امام داخلی مجلس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ اصل کتاب دیکھی، واپس آئے تو مجھ سے پوچھا: ''بیٹا! صحیح سند کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''الزبير بن عدي عن إبراهيم۔'' یہ جواب

1 ان کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس نام کے کسی شخص کو میں نہیں جانتا۔ (تغليق التعليق على صحيح البخاري: 387/5)

سن کر انھوں نے مجھ ہی سے قلم لیا اور اپنی کتاب میں تصحیح فرمالی، پھر مجھ سے فرمایا: ”تم نے ٹھیک کہا۔“ امام بخاری سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ فرمایا: ”گیارہ برس۔“ [1]

ابوبکر الکلوذانی کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری جیسا ذہین شخص کبھی نہیں دیکھا۔ آپ جو کتاب ہاتھ میں لیتے، ایک ہی نظر میں اس کی تمام احادیث یاد کر لیتے تھے۔ [2]

امام ابو احمد عبداللہ بن عدی الحافظ کہتے ہیں کہ میں نے بغداد کے بہت سے شیوخ سے یہ بات سنی کہ امام بخاری جب بغداد تشریف لائے اور وہاں حدیث پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کو آپ کی آمد کا پتا چلا تو انھوں نے آپ کے حافظے کا امتحان لینے کا منصوبہ بنایا۔ طے کردہ منصوبے کے مطابق ایک سو احادیث کا انتخاب کر کے ان

ابوبکر الکلوذانی: ابوبکر محمد بن رزق اللہ الکلوذانی، یزید بن ہارون، محمد بن یوسف فریابی، امام مالک اور امام لیث کے کاتبین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یوسف بن یعقوب التنوخی، ابوحامد محمد بن ہارون حضرمی اور یحییٰ بن محمد بن صاعد نے روایت کیا ہے۔ آپ کی وفات شوال 249ھ میں ہوئی۔ (تاريخ بغداد: 277/5.)

یہ امام ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک ابن القطان الجرجانی ہیں جو 277ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 297ھ میں علم حدیث کے لیے پہلا سفر کیا۔ فنِ جرح وتعدیل کی شاندار تصنیف ”الکامل“ آپ ہی کی ہے۔ آپ محمد بن یحییٰ المروزی، ابویعلی الموصلی اور ابوبکر بن خزیمہ سے روایت کرتے ہیں، اور خود آپ سے حمزہ بن یوسف السہمی اور آپ کے استاذ ابوالعباس بن عقدہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ آپ نے جمادی الثانیہ 365ھ میں وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء: 154/16.)

1 تاريخ بغداد: 7,6/2، و تهذيب الكمال: 89/16، و سير أعلام النبلاء: 393/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 669. 2 سير أعلام النبلاء: 416/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 680.

کے متن اور اسناد میں اس طرح ردوبدل کیا کہ ایک متن کی سند دوسرے متن کے ساتھ لگا دی اور دوسرے متن کی سند کسی اور متن سے جوڑ دی۔ یوں ایک سو احادیث کے متون اور اسناد کو آپس میں خلط ملط کر کے دس دس احادیث دس آدمیوں کے سپرد کردیں۔

فیصلہ کیا گیا کہ تمام لوگ مجلس میں جمع ہو جائیں تو یہ دس افراد باری باری اپنی دس دس احادیث امام بخاری کے سامنے پیش کریں۔ امام صاحب سے بھی اس مجلس میں آنے کا وعدہ لے لیا گیا۔ مجلس برپا ہوئی۔ بغداد و خراسان کے علاوہ دیگر علاقوں کے لوگ بھی وہاں آئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پھر ان دس افراد میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور تیار کردہ دس احادیث میں سے ایک حدیث امام بخاری کو سنائی۔ حدیث سن کر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔'' اس کے بعد اس نے ایک ایک کر کے دس احادیث سنا دیں۔ امام بخاری ہر حدیث کے بعد فرماتے رہے: ''میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔''

منصوبہ ساز لوگ ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھ کر کہنے لگے:

''یہ شخص ہمارے منصوبے کو سمجھ گیا ہے۔'' لیکن جو لوگ اس منصوبے سے ناواقف تھے وہ امام بخاری کے بارے میں یہ خیال کرنے لگے کہ انھیں تو حدیث کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔ ہر بار یہی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا۔

اس کے بعد دوسرا آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے بھی خود ترتیب دی ہوئی احادیث یکے بعد دیگرے پیش کرنا شروع کردیں۔ امام بخاری ہر حدیث کے بعد ایک ہی بات کہتے:

اس طرح دس کے دس آدمیوں نے اپنی اپنی احادیث باری باری پیش کردیں۔ امام بخاری نے جب محسوس کیا کہ تمام لوگ فارغ ہو چکے ہیں تو وہ ان میں

سے پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آپ نے جو پہلی حدیث سنائی تھی وہ دراصل یوں ہے اور دوسری حدیث جو آپ نے پڑھی تھی وہ یوں ہے۔ اس طرح امام بخاری نے پہلے شخص کی دس کی دس احادیث کو اس کے پڑھے ہوئے متون اور اسناد کے ساتھ اسی کی ترتیب سے پڑھا اور انھیں غلط قرار دیا، پھر ان احادیث کے صحیح متون اور اصل اسناد پڑھ کر سنائیں۔

اس کے بعد امام صاحب دوسرے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی پیش کردہ دس احادیث ترتیب وار پڑھیں، پھر تمام احادیث کے متون اور اسناد کی تصحیح کی، پھر تیسرے، چوتھے حتی کہ دس کے دس افراد کی پیش کردہ ایک سو احادیث، ہر ایک کی بیان کردہ ترتیب اور سند کے ساتھ پڑھیں، پھر ان سب احادیث کی تصحیح بھی کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر تمام لوگ آپ کے زبردست حافظے اور قابلیت کے معترف ہو گئے۔[1]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: امام بخاری کی قابلیت کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا اور یہ کوئی تعجب خیز معاملہ نہیں ہے کہ انھوں نے بیان کردہ احادیث کی تصحیح کر دی بلکہ تعجب اس بات پر ہے کہ امام موصوف نے صرف ایک بار سن کر ان لوگوں کی غلط روایات، انھی کے الفاظ اور ترتیب سے یاد رکھیں۔[2]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں:

''امام بخاری دورانِ تعلیم جو کچھ سنتے اسے حفظ کر لیتے تھے اور لکھتے نہ تھے۔''[3]

1 تاريخ بغداد:2/21,20، و طبقات السبكي:2/219,218، وسير أعلام النبلاء12/409,408.

2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:680,679. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري:680.

ایک اور امتحان

امام ابوالازہر بیان کرتے ہیں کہ سمرقند میں چار سو محدث قیام پذیر تھے۔ انھوں نے

سمرقند: یہ قدیم ماوراء النہر کا ایک مشہور بڑا شہر ہے۔ قدیم زمانے سے روسی ترکستان میں اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے۔ یہ شہر دریائے سغد (زرافشاں) کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ یورپی سیاحوں کے نزدیک یہ شہر جنت سے کم نہیں ہے۔ سکندر کے دور میں اسے ''مارا کندا'' کہا جاتا تھا۔ عرب کے قدیم افسانہ نگاروں کے نزدیک سکندر اس شہر کا بانی ہے۔ 91ھ/ 709ء میں قتیبہ بن مسلم نے ایک لمبے عرصے تک اس کا محاصرہ جاری رکھا، بالآخر اسے فتح کر لیا اور اسے بخارا کے ساتھ ملا کر آئندہ فتوحات اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز بنا دیا۔ 204ھ/ 819ء میں مامون الرشید نے ماوراء النہر (سمرقند) کی ولایت اسد بن سامان کے بیٹوں کو دے دی۔ اس کے بعد طویل عرصے تک یہ عہدہ سامانی خاندان میں رہا حتی کہ اسماعیل بن احمد نے 287ھ/ 900ء میں باقاعدہ سامانی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں ماوراء النہر میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ماوراء النہر کو اتنا عروج دوبارہ پانچ سو سال بعد تیمور اور اس کے جانشینوں کے دور میں دیکھنا نصیب ہوا۔ اس وقت اسلامی دنیا کا تجارتی اور ثقافتی مرکز سمرقند ہی تھا۔ اس شہر کی ایک عمارت میں حضرت قُثَم بن عباس رضی اللہ عنہ کا مقبرہ ہے۔ اُس کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے۔ حضرت قثم رضی اللہ عنہ ہی نے شہر والوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان کیا تھا۔ چنگیز خان نے بخارا کو تباہ کرنے کے بعد 617ھ میں سمرقند کو بھی لوٹ لیا۔ شہر کے اکثر باشندوں کو شہر بدر کر دیا۔ ایک دفعہ شہر ویران ہو گیا۔ دوبارہ تیمور کے دور (771ھ) میں پورے ماوراء النہر کا بول بالا ہوا۔ اس کے دور میں سمرقند دارالحکومت بنا۔ تیمور کے پوتے الغ بیگ (م: 853ھ) نے یہاں اپنا محل ''چہل ستون'' بنوا کر شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیے۔ کچھ عرصہ ازبک خان شیبانی کے قبضے میں رہا، پھر 916ھ میں بابر قابض ہو گیا۔ اگلے ہی سال ازبک دوبارہ قابض ہو گئے۔ اس وقت یہ برائے نام دارالسلطنت تھا۔ ایک روسی جرنیل (Kauffmann) نے 14 نومبر 1868ء کو سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ 1871ء میں اس کے ساتھ ہی مغرب میں ایک نیا روسی شہر آباد ہوا۔ 1882ء میں پرانے قلعے کو از سرنو بحال کر دیا گیا۔ موجودہ دور میں سمرقند ازبکستان کا مشہور شہر ہے۔ ازبکستان کے دارالحکومت تاشقند سے جنوب مغرب میں اور بخارا سے تقریباً 150 کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں یہ شہر آباد ہے۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، معجم البلدان)

بھی امام بخاری کو مغالطہ دینے کا پروگرام بنایا، چنانچہ انھوں نے شامی محدثین کی سندیں عراقی محدثین کی بیان کردہ احادیث کے ساتھ اور عراقی محدثین کی سندیں شامی محدثین کی بیان کردہ احادیث کے ساتھ جوڑ دیں۔ اسی طرح حرمین کے محدثین کی سندیں یمنی محدثین کی احادیث کے ساتھ خلط ملط کر دیں لیکن وہ امام بخاری کو چکر دینے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ امام صاحب نے ان سب کی قلعی کھول دی۔ [1]

کرمینیہ کے امام جعفر بن محمد القطّان بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود امام بخاری سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے پڑھا ہے اور ہر ایک استاذ سے دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ احادیث پڑھی اور روایت کی ہیں۔ اس وقت میرے پاس جتنی بھی روایات ہیں ان سب کی اسناد بیان کر سکتا ہوں۔ [2]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ امام ابو عبداللہ بخاری ہمارے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس پڑھنے جاتے تھے۔ آپ ابھی کم سن تھے، لکھتے بھی نہ تھے، اسی طرح کئی دن بیت گئے۔ ہم انھیں کہا کرتے تھے کہ آپ ہمارے ساتھ پڑھنے تو جاتے ہیں مگر لکھتے کچھ نہیں۔ اس طرح سبق کیسے یاد رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب آپ نے سولہ دن کے بعد مرحمت فرمایا۔ آپ ہم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: آپ لوگوں نے مجھ سے سبق یاد رکھنے کی بابت بہت پوچھا۔ اب آپ لوگوں کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ چلیے! اب آپ کی یہ الجھن رفع کیے دیتا ہوں۔ یوں کیجیے کہ اس وقت تک آپ حضرات جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ مجھے دکھائیے، چنانچہ ہم لوگوں نے اپنی لکھی ہوئی احادیث پیش کر دیں تو امام بخاری نے پندرہ ہزار سے زائد احادیث ہمیں زبانی سنا دیں۔ ہم نے

1 سير أعلام النبلاء: 411/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 680. 2 طبقات الحنابلة: 275/1، وتاريخ بغداد: 10/2، وسير أعلام النبلاء: 407/12.

آپ کی یادداشت کے مطابق اپنی کتابوں میں تصحیح کر لی۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: کیا آپ لوگ میرے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ میں یہاں یونہی بے کار آتا ہوں اور اپنا وقت ضائع کرتا ہوں؟ اس واقعے کے بعد ہمیں یقین ہو گیا کہ علم حدیث میں کوئی شخص آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔[1]

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، حاشد بن اسماعیل اور دیگر محدثین کا بیان ہے کہ بصرہ کے فقہاء حدیث پڑھنے کے لیے امام بخاری کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور اصرار کر کے آپ کو راستے ہی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیتے، پھر ہزاروں لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ ان میں اکثر وہ صاحبانِ کمال ہوتے تھے جن سے احادیث لکھی جاتی تھیں۔ ان دنوں آپ بالکل نوعمر تھے۔ ابھی آپ کی داڑھی بھی نہ نکلی تھی۔[2]

وسعت علمی اور زود فہمی

امام یوسف بن موسیٰ مروزی کہتے ہیں کہ اہل بصرہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ آپ ایک حلقۂ درس قائم کریں تاکہ ہم لوگ آپ سے احادیث پڑھیں اور لکھیں۔ آپ نے ہامی بھر لی۔ دوسرے دن ہزار ہا لوگ جمع ہو گئے۔ آپ حسبِ وعدہ تشریف لائے اور احادیث لکھوانے بیٹھے تو فرمایا: ''بصرہ والو! میں تو نوجوان ہوں (چاہیے تو یہ تھا کہ آپ حضرات کسی بزرگ عالم سے حدیث پڑھتے۔) بہرحال آپ نے احادیث بیان کرنے کے لیے کہا ہے تو میں آپ لوگوں کے شہر بصرہ ہی کے شیوخ کی روایت کردہ احادیث بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ! آپ سب ان تمام احادیث

1 طبقات الحنابلة:1/277,276، و تاريخ بغداد:2/15,14، و سير أعلام النبلاء:12/408، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:670. 2 طبقات الحنابلة:1/277، و تهذيب الأسماء واللغات:1/70، و سير أعلام النبلاء:12/408.

سے مستفید ہوں گے۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ عبداللہ (عبدان) بن عثمان بن جبلہ بن ابی روّاد نے آپ ہی کے شہر میں ہمیں ایک حدیث سنائی جس کی سند حسب ذیل ہے: عبدان بن عثمان نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے شعبہ سے، شعبہ نے منصور وغیرہ سے، انھوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ ایک دیہاتی آدمی [1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "تو نے اس کے لیے کتنی تیاری کی ہے؟" اس نے جواب دیا کہ میں نے اس (دن) کے لیے کچھ بھی تیار نہیں کیا۔ میرے پاس بہت زیادہ نمازیں ہیں نہ روزے، نہ میں نے بہت زیادہ صدقہ کیا (محض فرض نمازیں، فرض روزے اور فرض زکاۃ وصدقہ ہی ادا کیا ہے۔) لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اسی کے ساتھ رہے گا جس سے تو محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: یہ حدیث تمھارے پاس منصور کے واسطے سے مروی نہیں ہے بلکہ یہ منصور کے علاوہ کسی اور راوی کے ذریعے سے تمھارے پاس پہنچی ہے جس نے اسے سالم سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری اس مجلس میں اسی اسلوب اور ترتیب سے احادیث لکھواتے رہے۔ ہر حدیث بیان کرنے پر فرماتے کہ امام شعبہ نے یہ روایت

1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احتمال یہی ہے کہ اس آدمی کا نام صفوان بن قدامہ تھا۔ کیونکہ امام طبرانی نے انھی سے مروی حسب ذیل روایت ذکر کی ہے، جسے ابوعوانہ نے صحیح کہا ہے۔ روایت یہ ہے: صفوان بن قدامہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔" (فتح الباري: 686/10)

یوں بیان کی ہے، البتہ فلاں محدث کی بیان کردہ روایت آپ کے پاس نہیں ہے۔[1]

امام بخاری کے کاتب محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام بخاری نے کتاب الهبة پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ امام وکیع کی کتاب میں ''ہبہ'' کے مسئلے پر صرف دو یا تین احادیث سنداً بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب الهبة میں پانچ احادیث مذکور ہیں، جبکہ میری اس کتاب میں پانچ سو بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ احادیث موجود ہیں۔[2]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک دن میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مجھے ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے تین سو افراد یاد آ گئے۔''[3]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام بخاری سے سنا:

''میں جب بھی کسی شیخ کے پاس گیا ہوں تو جتنا فائدہ میں نے ان سے اٹھایا، اس سے کہیں زیادہ فائدہ انھوں نے مجھ سے اٹھایا ہے۔''[4]

علامہ فربری کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، وہ فرما رہے تھے:

1 تاریخ بغداد: 16,15/2، و طبقات السبکي: 219/2، و سیر أعلام النبلاء: 410,409/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 680. اس واقعے میں درج سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ واقعہ اور اس کی سند کے لیے دیکھیے: صحیح البخاري، الأدب، باب علامة الحب في الله ......، حدیث: 6171، و صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب المرء مع من أحب، حدیث: 2639، البتہ صحیح بخاری کی سند میں شعبہ نے عمرو بن مرہ سے روایت بیان کی ہے۔ 2 سیر أعلام النبلاء: 411,410/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 681. 3 سیر أعلام النبلاء: 411/12. 4 سیر أعلام النبلاء: 411/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 681.

''میں نے اپنے آپ کو امام علی بن مدینی کے سوا کبھی کسی کے سامنے کم تر محسوس نہیں کیا۔ لیکن کبھی کبھار میں انھیں بھی ایسی احادیث سنا دیتا تھا جو ان کے لیے نئی ہوتی تھیں۔''[1]

والی بخارا اَحید بن ابی جعفر کا بیان ہے کہ امام بخاری نے ایک دفعہ فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں بصرہ میں سنی ہوئی حدیث شام پہنچ کر لکھتا ہوں اور شام میں سنی ہوئی حدیث مصر جا کر قلم بند کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ پوری کی پوری حدیث لکھتے تھے؟ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔[2]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک دن امام بخاری نے فرمایا: میں گزشتہ رات اس وقت تک نہیں سویا جب تک کہ میں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی تمام حدیثوں کی گنتی پوری نہیں کر لی۔ یہ دو لاکھ احادیث تھیں۔[3]

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی بیاض میں کوئی واقعہ درج کرنے سے پہلے اسے زبانی یاد کر لیتا تھا۔

محمد بن ابی حاتم کے بقول آپ نے فرمایا:

''میں نے کتاب الاعتصام ایک ہی رات میں لکھی ہے۔''

1 تاريخ بغداد: 17/2، وسير أعلام النبلاء: 411/12. 2 تاريخ بغداد: 11/2، و سير أعلام النبلاء: 411/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:681. 3 سير أعلام النبلاء: 412/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:681.

محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ امام بخاری نے فرمایا: انسان کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل قرآن وسنت میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا: کیا اس کی معرفت (حاصل کرنا) ممکن ہے؟ فرمایا: ہاں![1] اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی وسعت نظر، کتاب وسنت پر استحضار اور ان سے استنباط و استدلال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

محمد بن ابی حاتم مزید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں بلخ گیا۔ وہاں حدیث پڑھانے والے اساتذۂ کرام نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں ان تمام محدثین کی ایک ایک حدیث سناؤں جن سے میں نے احادیث لکھی ہیں، چنانچہ میں نے ایک ہزار احادیث لکھوادیں کیونکہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے پڑھا تھا۔[2]

محمد بن ابی حاتم ہی کے بقول امام بخاری نے فرمایا: ''میں ایک دن امام فریابی کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ انھوں نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی:

''سفیان نے ہمیں ابو عروہ سے، انھوں نے ابو الخطاب سے اور انھوں نے ابوحمزہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے پاس جاتے اور (آخر میں) ایک ہی غسل کرتے۔''

حاضرین مجلس میں سے میرے علاوہ کوئی نہ سمجھ سکا کہ ابوعروہ، ابوالخطاب اور ابوحمزہ سے کون مراد ہیں، چنانچہ میں نے بتایا کہ ابوعروہ سے مراد معمر بن راشد اور ابوالخطاب سے مراد قتادہ بن دعامہ اور ابوحمزہ سے حضرت انس بن مالک مراد ہیں۔ امام سفیان

1 سير أعلام النبلاء: 412/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:681. 2 سير أعلام النبلاء: 414/12.

ثوری اکثر مشہور راویوں کے نام کے بجائے ان کی کنیتوں کا ذکر فرماتے تھے۔[1]

استحضار اور فقاہت

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا: ''امام اسحاق بن راہویہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اگر بھول کر بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام اسحاق بن راہویہ کچھ دیر خاموش رہے اور سوچنے لگے۔ یہ مسئلہ ان کے لیے الجھن کا باعث ہو گیا۔ میں نے اُن کی خدمت میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا:

''دلوں میں اٹھنے والے خیالات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ میری امت کا مواخذہ نہیں کرے گا جب تک ان خیالات کے مطابق کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے یا اس کے متعلق بات نہ کرے۔''

اس ارشاد نبوی کا منشا یہ ہے کہ تین میں سے دو امور جمع ہوں تو عمل بنے گا، یعنی عمل اور دل یا کلام اور دل۔ اس اصول کی بنیاد پر چونکہ طلاق دینے والے شخص نے دل سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ یہ سن کر امام اسحاق نے فرمایا: آپ نے مجھے بڑا حوصلہ دیا اور طاقت بخشی ہے۔ پھر اس کے مطابق فتویٰ جاری کر دیا۔[2]

1 سير أعلام النبلاء: 413/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت ملاحظہ کیجیے: صحيح البخاري، الغسل، باب الجنب يخرج ويمشي في السوق وغيره، حديث: 284، وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب ......، حديث: 309.

2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص676، و سير أعلام النبلاء: 414/12. نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، الطّلاق، باب الطلاق في الإغلاق وَالْكُرْهِ ......، حديث: 5269، و صحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر، حديث: 127.

محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے شیخ اسماعیل بن ابی اویس کی کتاب سے چند احادیث منتخب کیں تو وہ لوگوں کو انتہائی خوشی سے بتایا کرتے تھے کہ "یہ احادیث وہ ہیں جو محمد بن اسماعیل نے میری کتاب سے منتخب کی ہیں۔"[1]

امام فربری نے بتایا کہ میں نے استاذ عبداللہ بن منیر کو امام بخاری سے احادیث لکھتے دیکھا۔ ابن منیر فرمایا کرتے تھے: "میں محمد بن اسماعیل کے شاگردوں میں سے ہوں۔" حالانکہ وہ امام بخاری کے استاذ تھے۔[2] امام بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں ان سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ مذکورہ روایات امام بخاری کی علمی وسعتوں کی دلیل ہیں۔

امام ابوبکر مدینی کا قول ہے کہ ہم لوگ نیشاپور میں امام اسحاق بن راہویہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ امام بخاری بھی وہاں موجود تھے۔ امام اسحاق نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ حدیث کی سند میں صحابی سے پہلے عطاء الکیخارانی راوی کا ذکر تھا۔ امام اسحاق نے امام بخاری سے پوچھا: یہ کیخاران کیا ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا: یہ یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما نے ابو بکر نامی ایک شخص کو ادھر کسی کام سے بھیجا تھا۔ اُس کا کیخاران گاؤں سے گزر ہوا، وہاں عطاء نامی ایک آدمی نے اس سے دو احادیث سنی تھیں۔ امام اسحاق نے فرمایا: ابوعبداللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ اس وقت وہاں موجود تھے۔[3]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674. 2 سير أعلام النبلاء: 415/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري677,676. 3 تاريخ بغداد: 8/2، و سير أعلام النبلاء: 415/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 676.

محمد بن حمدویہ نے محمد بن اسماعیل سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث اَزبر ہیں۔ [1]

امام بخاری کے کاتب محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات امام بخاری زبانی سنی کہ میں اس وقت تک حدیث پڑھانے کے لیے نہیں بیٹھا جب تک میں نے صحیح اور ضعیف احادیث کو پہچان نہیں لیا۔ میں نے بہت سی فقہی کتب بھی دیکھیں۔ میں تقریباً پانچ مرتبہ بصرہ گیا۔ وہاں کے اساتذہ کی تمام صحیح احادیث نقل کر چکا ہوں۔ صرف وہی حدیث نہیں لکھ سکا جس کا مجھے پتا نہیں چل سکا۔ [2]

امام علی بن حسین بن عاصم البیکندی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام بخاری ہمارے ہاں تشریف لائے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے امام اسحاق بن راہویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اپنی کتاب میں لکھی ہوئی 70 ہزار احادیث کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا: ''کیا تمھیں اس بات پر حیرت ہورہی ہے؟ ممکن ہے اس دور میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جو اپنی کتاب کی دو لاکھ حدیثیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔'' اس سے امام بخاری کی خود اپنی ذات مراد تھی۔ [3]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حافظ رجاء آئے اور امام بخاری کے پاس چلے گئے۔ ان سے پوچھنے لگے کہ آپ کو میری آمد کا پتا چلا تو آپ نے کیا گمان کیا؟ کوئی نیا مسئلہ سوچھا؟ امام بخاری نے فرمایا: مجھے تو کوئی نئی بات نہیں سوجھی، نہ میں اس کے لیے تیار ہوا،

1 طبقات الحنابلة: 275/1، و تاريخ بغداد: 25/2، و سير أعلام النبلاء: 415/12، وهدي السري مقدمة فتح الباري، ص: 681. 2 سير أعلام النبلاء: 416/12. 3 تاريخ بغداد: 25/2، وطبقات السبكي: 218/2، و سير أعلام النبلاء: 416/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 681.

البتہ آپ کوئی بات پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ لیں۔ حافظ رجاء نے کئی مسائل میں بحث و مناظرہ شروع کر دیا حتی کہ حافظ رجاء کو یہ احساس بھی نہ رہا کہ وہ کیا کچھ پوچھ چکے ہیں اور کیا کچھ پوچھنا باقی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: مزید کچھ پوچھنا ہے؟ انھوں نے ندامت کے ساتھ کہا: جی ہاں۔ امام بخاری نے فرمایا: پوچھ لیجیے۔ حافظ رجاء نے ایوب نامی افراد کے متعلق سوال کیا اور ساتھ ہی ایوب نامی 13 افراد گنوائے۔ امام بخاری خاموشی سے سنتے رہے، جب وہ خاموش ہوئے تو امام بخاری نے فرمایا: آپ نے یہ نام جمع کیے ہیں۔ رجاء سمجھے کہ انھوں نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، چنانچہ امام بخاری سے کہا: آپ تو بڑی قیمتی چیز کھو بیٹھے ہیں (کہ آپ ایوب نامی اتنے افراد کو جانتے ہی نہیں۔) اب امام بخاری کی باری تھی۔ آپ نے حافظ رجاء کے بیان کردہ افراد کی فہرست میں مزید سات آٹھ ناموں کا اضافہ کر دیا، پھر ساٹھ سے زیادہ ایسے لوگوں کے نام بتائے جنھیں حافظ رجاء جانتے ہی نہ تھے۔ اس کے بعد حافظ رجاء نے امام بخاری سے پوچھا کہ سیاہ عمامہ کے متعلق آپ کے پاس کتنی روایات ہیں؟ امام بخاری نے فرمایا: پہلے آپ بتائیں کہ آپ کے پاس کتنی ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا: ہمارے پاس تو چالیس ہیں۔ یہ سن کر حافظ رجاء اتنے نادم ہوئے کہ ان کا گلہ حلق خشک ہو گیا۔[1]

ایک دفعہ امام بخاری نے فرمایا:

''اگر مجھ سے کہا جائے کہ احادیث سناؤ، تو میں اپنی جگہ سے نہیں اٹھوں گا یہاں

1 سیر أعلام النبلاء: 12/413,414.

تک کہ صرف نماز کے موضوع پر دس ہزار احادیث پیش کر دوں۔''[1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے کیا وہ سب کچھ آپ کو یاد ہے؟ فرمایا: ''میری کتابوں میں جو کچھ بھی ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں نے اپنی تمام کتابیں تین دفعہ مرتب کی ہیں۔''[2]

صحیح بخاری کے متعلق آپ نے فرمایا:

''یہ کتاب تقریباً چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب احادیث پر مشتمل ہے۔''[3]

صحیح بخاری کی تبویب اور امام بخاری کی فقاہت

امام بخاری رحمہ اللہ کو حدیث میں مہارت کی وجہ سے ''امیر المومنین فی الحدیث'' کا لقب تو مل ہی چکا ہے لیکن آپ فقہ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ اس معاملے میں تمام علمائے حدیث آپ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ آپ کے اساتذہ، آپ کے ہم عصر اور آپ کے بعد کے محدثین، سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں گزشتہ صفحات میں آپ کے بارے میں علماء کے ارشادات نقل کیے جا چکے ہیں۔

الجامع الصحیح کے ابواب نے اہل علم کو اس بات پر حیران کر دیا ہے کہ امام ممدوح نے یہ ابواب، روشن ذہن اور کتنی باریک بینی سے قائم کیے ہیں۔ علماء میں یہ فقرہ مشہور ہے کہ ''امام بخاری کی فقہ صحیح بخاری کے

1 هدي السري مقدمة فتح الباري، ص:681. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:681، وسير أعلام النبلاء:403/12، وتاريخ بغداد:9/2. 3 سير أعلام النبلاء:402/12.

ابواب سے مترشح ہوتی ہے۔'' بہت سے حضرات نے اپنی تصانیف کا عنوان ہی صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح بنایا ہے، مثلاً: المتواري على تراجم البخاري، فك أغراض البخاري المبهمة في الجمع بين الحديث والترجمة اور شرح تراجم أبواب صحيح البخاري وغیرہ۔

امام صاحب سے یہ بات بھی منقول ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے منبر کے درمیان بیٹھ کر تراجم ابواب (عنوانات) تحریر کیے ہیں۔ امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہر باب لکھنے سے پہلے دو رکعت نماز بطور استخارہ پڑھتے تھے۔[1]

الجامع الصحیح میں سے چند ابواب اور بعض علماء کے اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں تا کہ امام صاحب کی ذہنی گہرائی اور گیرائی آسانی سے سمجھی جا سکے۔

امام صاحب نے الجامع الصحیح میں ایک باب قائم کیا ہے:

''اس شخص کے متعلق باب جو سائل کے سوال سے زیادہ جواب دے۔'' امام بخاری نے اس عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا:

1 سير أعلام النبلاء: 404/12.

”مُحرِم کیسا لباس پہنے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قمیص پہنے نہ شلوار، پگڑی باندھے نہ ٹوپی والا کوٹ اوڑھے۔ نہ زرد رنگ یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا استعمال کرے۔ جوتے میسر نہ ہوں تو موزے پہن لے اور انھیں کاٹ کر ٹخنوں کے برابر کر لے۔“ [1]

ابن منیّر کہتے ہیں کہ مذکورہ باب (یا عنوان) سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے مطابق جواب ضروری نہیں۔ بلکہ جب سوال خاص ہو تو جواب عام دینا بھی جائز ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اگر مفتی سے کوئی خاص مسئلہ سمجھنے کے لیے سوال کیا جائے اور مفتی یہ محسوس کرے کہ سائل اپنے سوال کے جواب سے کوئی اور نتیجہ بھی اخذ کر سکتا ہے تو پھر سوال کا جواب تفصیل سے دینا چاہیے۔ اسی اصول کے عین مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

گویا سوال تو مُحرِم کے لباس کے بارے میں تھا تو اس کے جواب میں اضطراری حالت کا بھی ذکر کر دیا کیونکہ سفر میں ممکن ہے کہ جوتا نہ ہو، موزے ہوں تو اس کی وضاحت بھی کر دی گئی، اور اس کا حل بھی پیش کر دیا گیا۔

امام بخاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی سے یہ نکتہ اخذ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے سوال کا جواب بھی دیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی بتا دیں جن کا جاننا سائل کے لیے ضروری تھا، ہر چند سائل نے وہ باتیں پوچھی نہ تھیں۔ اسی حدیث کو مدنظر رکھ کر امام صاحب نے یہ پیش کیا ہے کہ سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب

1 صحیح البخاري، العلم، باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله، حديث: 134.

دیا جا سکتا ہے۔

❋ امام بخاری نے الجامع الصحیح میں ایک اور باب قائم کیا:

اس باب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے کے ایک ڈھیر پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا، پھر پانی منگوایا اور وضو کیا۔[1] اس باب میں امام صاحب یہی ایک حدیث لائے ہیں اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کے بارے میں کوئی صریح روایت نہیں لائے۔ اس لیے کہ جب کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے تو بیٹھ کر پیشاب کرنا بالأولیٰ جائز ہوا۔

امام صاحب کبھی ایسی حدیث کا باب میں اشارہ کر دیتے ہیں جو ان کی شرط پر پورا نہیں اترتی۔ اسی نوعیت کی یہ بھی ایک مثال ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس باب کے تحت فرماتے ہیں کہ شاید لفظ ''قاعداً'' سے عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حسبِ ذیل حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا: دیکھو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی طرح (بیٹھ کر) پیشاب کر رہے ہیں۔''[2]

امام ابن ماجہ نے اپنے ایک شیخ (احمد بن عبدالرحمٰن) کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا عربوں کا معمول تھا۔[3] عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا

1 صحيح البخاري، الوضوء، باب البول قائمًا وقاعدًا، حديث: 224. 2 سنن نسائي، الطهارة، باب البول في البيت جالساً، حديث: 30، و سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب التشديد في البول، حديث: 346. 3 سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب في البول قاعدًا، حديث: 309

روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عربوں کی عادت کے برعکس بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے کیونکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے میں حیا بھی ہے، پردہ داری بھی ہے اور پیشاب کی چھینٹوں سے حفاظت بھی ہے۔[1]

✵ اسی طرح امام بخاری نے ایک اور باب قائم کیا ہے:

''نماز کے لیے مکہ وغیرہ میں سترہ بنانا۔'' اس عنوان کے تحت انھوں نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے۔ روایت یہ ہے کہ

''ایک دن نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت مکہ کی وادیِ بطحاء میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ نے اپنے سامنے نیزہ گاڑا ہوا تھا۔ (اس سے پہلے) جب آپ ﷺ وضو فرمانے لگے تو لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں سے مل رہے تھے۔''[2]

اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ امام بخاری مذکورہ بالا باب قائم کرکے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں جو امام عبدالرزاق کی کتاب ''المصنّف'' کے باب: ''مکہ میں کوئی چیز نماز قطع نہیں کرسکتی۔'' سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے عمرو بن قیس سے ایک روایت نقل کی ہے۔ ان کے بقول یہ حدیث کثیر بن کثیر بن مطلب نے اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ ان (مطّلب) کا کہنا ہے: ''میں نے نبی ﷺ کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لوگ آپ کے اور قبلہ کے مابین بیت اللہ کا طواف کررہے تھے، جب کہ آپ کے اور لوگوں کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔''[3]

1 فتح الباري: 427/1. 2 صحيح البخاري، الصلاة، باب السترة بمكة وغيرها، حديث: 501. 3 المصنّف لعبدالرزّاق: 35/2.

یہ روایت کثیر بن کثیر رحمہ اللہ کی اسی سند کے ساتھ ابن جریج کے واسطے سے اصحاب السنن، یعنی ابن ماجہ، ابوداود اور نسائی نے بھی نقل کی ہے۔[1] اس کے راوی تو ثقہ ہیں، البتہ روایت معلول ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[2]

* اسی طرح امام بخاری نے ایک اور عنوان قائم کیا ہے:

''امام کا نماز کے بعد دائیں یا بائیں طرف مڑنا۔''

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل معلقاً نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (نماز پڑھا کر) کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف مڑتے تھے اور جو امام ہمیشہ دائیں جانب ہی مڑنا ضروری خیال کرتا تھا اسے معیوب ٹھہراتے تھے۔ اس باب کے تحت انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

''(نماز پڑھانے والا) کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ نماز سے فراغت پر صرف دائیں طرف ہی مڑنے کو ضروری خیال کرلے کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں طرف

1 سنن أبي داود، المناسك، باب في مكة، حديث: 2016، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب أين يصلي ركعتي الطواف، حديث: 2962، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب الركعتين بعد الطواف، حديث: 2958. 2 فتح الباري: 745/1، وضعيف سنن أبي داود (مفصل)، حديث: 344.

مڑتے تھے۔‘‘ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا اثر (قول) بظاہر اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی کے اس بیان کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں نماز کے بعد دائیں جانب پھروں یا بائیں جانب؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو عموماً نماز کے بعد دائیں جانب مڑتے دیکھا ہے۔‘‘ [2]

ان دونوں روایات میں مطابقت یوں پیدا ہوگی کہ جو شخص دائیں جانب مڑنے کو واجب خیال کرتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے اس عمل کو معیوب سمجھتے تھے، البتہ اگر کوئی شخص دونوں جانب مڑنے کو برابر سمجھے اور کسی ایک طرف مڑنے کو دوسری صورت پر ترجیح نہ دے تو پھر دائیں طرف مڑنا بہتر ہے۔ [3]

✵ امام بخاری نے ایک اور باب قائم کیا:

’’جمعہ کے دن مسواک کرنا۔‘‘

امام بخاری نے یہاں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ مسواک سے دانتوں کی صفائی کرتے تھے۔ اس کے بعد ذیل کی تین احادیث نقل کی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 صحيح البخاري، الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، حديث: 852.
2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال، حديث: 707. 3 فتح الباري: 2/436.

''اگر میں اپنی امت کے لیے باعث مشقت نہ سمجھتا تو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں آپ کو مسواک کے بارے میں بہت تلقین کر چکا ہوں۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو اپنے دہن مبارک کو صاف کرتے۔''[1]

مذکورہ بالا تینوں احادیث سے بظاہر جمعہ کے دن مسواک کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ كُلِّ صَلَاةٍ میں جمعہ بھی شامل ہے۔

زین بن مُنَیّر کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ظاہری صفائی اور تزئین و آرائش کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ خصوصاً صاف لباس پہننا اور خوشبو لگانا۔ مگر انسان اپنے منہ سے ذکر و مناجات کرتا ہے، اس لیے اس کی صفائی تو اور بھی ضروری ہے تا کہ منہ کی بدبو دور ہو جو انسانوں کے علاوہ فرشتوں کو بھی اذیت دیتی ہے۔[2]

1 صحيح البخاري، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث:887-889. 2 فتح الباري: 482,481/2.

امام بخاری رحمہ اللہ کا عقیدہ

ایمان کے بارے میں عقیدہ

ایمان کے بارے میں امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے: ''یہ قول اور عمل کا مجموعہ ہے۔ یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔'' اپنے اس موقف کی تائید میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل پیش کیا ہے:

''تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ مزید ایمان کا اضافہ ہو۔''[1]

اس سلسلے میں امام بخاری نے اور بھی دلائل پیش کیے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا:

''اعمال ایمان کا حصہ ہیں۔'' آپ نے فرمایا:

''اللہ کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے عداوت ایمان کا حصہ ہے۔'' اپنے اس موقف کی وضاحت کے لیے امام بخاری نے ذیل کے دلائل، وواقعات اور اقوال درج کیے ہیں:

① حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان: فرائض، احکام،

1 الفتح 48:4

حدود اور سنن کا نام ہے۔ جس نے انھیں پورا کیا اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا اور جس نے انھیں مکمل نہ کیا اس نے ایمان کی تکمیل نہیں کی۔ اگر میں زندہ رہا تو یہ باتیں ذرا وضاحت سے بیان کردوں گا تاکہ تم ان پر عمل کر سکو۔ لیکن اگر مجھے موت آگئی تو مجھے تمھارے پاس رہنے کا ہرگز شوق نہ ہوگا۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان کردہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

"اور تاکہ مجھے اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔"[1]

③ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (اسود بن ہلال رحمہ اللہ سے) فرماتے: "ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم ایمان میں اضافہ کریں۔"

④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "الیقین سارے کا سارا ایمان ہی تو ہے۔"

⑤ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن اس وقت تک تقوے کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک وہ اس چیز کو چھوڑ نہ دے جو اس کے دل میں کھٹکتی ہو۔

⑥ امام مجاہد رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے:

"اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جسے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا۔"[2]

پھر فرمایا: "(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح علیہ السلام کو ایک ہی دین کا حکم دیا تھا۔"[3]

1 البقرۃ 2:260. 2 الشوریٰ 42:13. 3 صحیح بخاری میں موجود عبارت: کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصحیف قرار دیا ہے اور کئی کتب کے حوالے سے اصل ◄◄

⑦ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

1

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت اور راہِ عمل ہی ہمارا راستہ اور طریق کار ہے۔ [2]

اس کے بعد امام بخاری نے ایمان کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھا:

یعنی دعا کا عمل بھی ایمان ہے۔

اس باب کے بعد آپ نے قائم کیا۔ اس میں آپ نے ثابت کیا کہ ایمان کئی شعبوں پر مشتمل ہے۔ ان سب کی تکمیل ہی سے ایمان مکمل ہوتا ہے۔ اگر ان میں کمی ہو تو ایمان بھی ناقص ہوتا ہے۔ [3]

اس کے بعد ایک باب میں فرمایا کہ انصار سے محبت، ایمان کی علامت ہے۔ اس عنوان کے تحت آپ نے فرمایا: انصار سے محبت ایمان کا جز ہے اور یہ محبت ایمان کی دلیل ہے۔ [4]

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایمان میں تفاضل، یعنی کمی بیشی ہوتی ہے، چنانچہ بعض لوگ ایمان کے حوالے سے اس کی چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں، یعنی نہایت کامل الایمان ہوتے ہیں، جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا ہے۔ اس کے لیے آپ نے باب قائم کیا:

[5] یعنی اہلِ ایمان کی اعمال میں ایک دوسرے سے

◄◄ عبارت یہ بتائی ہے: ''اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور اپنے انبیاء کو یہی حکم دیا ہے۔'' اور حافظ ابن حجر نے اسے ہی درست قرار دیا ہے کیونکہ پیش کردہ آیت میں صرف نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ انبیائے کرام کا ذکر ہے، پھر امام مجاہد متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے واحد کی ضمیر کیسے لا سکتے ہیں۔ (فتح الباري:68/1)

1 المآئدة 48:5 2 فتح الباري: 64/1، الإيمان، باب قول النبي ﷺ:

3 فتح الباري:69/1-71. 4 فتح الباري:86/1-88. 5 فتح الباري:99/1.

درجات کے لحاظ سے فضیلت۔

امام صاحب کا یہ بھی عقیدہ ہے:

''اسلام اور ایمان جب دونوں کسی عبارت میں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو الگ الگ معنی پر دلالت کرتے ہیں اور جب دونوں علیحدہ علیحدہ عبارت میں آئے ہوں تو ایک ہی معنی مراد ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ موقف ظاہر کرتے ہوئے صحیح بخاری میں یہ باب قائم کیا ہے

(الحجرات 14:49) یعنی کبھی لفظ اسلام سے اس کے حقیقی و شرعی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ ظاہری اطاعت یا جان کے ڈر سے مان لینا مراد ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات میں فرمایا: ''گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، کہہ دیجیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو: ہم اسلام لائے۔''[1] لیکن اسلام جب اپنے حقیقی (شرعی) معنی میں ہو گا تو اس سے مراد وہ اسلام ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک سچا دین اسلام ہے۔''[2]

اسی طرح کفر دون کفر ''کفر کی بھی کئی اقسام ہیں۔'' امام صاحب کا عقیدہ ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے آپ نے باب باندھا:

[3] مقصود یہ بتانا ہے کہ جس طرح فرماں برداری ایمان کی علامت ہے، اسی طرح نافرمانی کفر کی علامت ہے۔ لیکن محض نافرمانی خروج عن الملۃ (دائرۂ اسلام سے خروج) نہیں ہے۔

آپ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ گناہ جاہلیت سے تعلق رکھتے ہیں اور گناہ کے مرتکب

1 الحجرات 14:49۔ 2 فتح الباري: 108/1۔ 3 فتح الباري: 113/1۔

کسی بھی شخص کو اس وقت تک ''کافر اور خارج عن الملۃ'' نہیں کہہ سکتے جب تک وہ شرک کا ارتکاب نہ کرے۔ اس کی وضاحت کے لیے انھوں نے یہ باب باندھا:

[1]

امام بخاری انھی اساتذہ سے احادیث لیتے تھے جن کا عقیدہ مذکورہ توضیحات کے مطابق ہوتا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ حجاز، عراق، شام اور مصر کے ایک ہزار سے زیادہ افراد سے ملے اور آپ نے وہاں کے بہت سے محدثین اور مشائخ کے نام بھی گنوائے، پھر آپ نے فرمایا: ''ان حضرات میں سے مجھے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو ان ابدی سچائیوں سے اختلاف رکھتا ہو:

① ''دین، قول اور عمل کا نام ہے۔''

② ''قرآن، اللہ کا کلام ہے۔''[3]

اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا: میں نے ایک ہزار 80 افراد سے احادیث نقل کی ہیں۔ وہ سب کے سب محدث تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا بھی ہے۔[2]

قرآن مجید کے بارے میں امام بخاری کا عقیدہ

قرآن مجید کے متعلق امام بخاری کا عقیدہ یہ تھا کہ ''یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی

1 فتح الباري: 115/1. 2 سير أعلام النبلاء: 408,407/12. یہ واقعہ تفصیلی طور پر ''امام بخاری رحمہ اللہ کے حصول علم کے لیے سفر'' کے تحت گزر چکا ہے۔ 3 سير أعلام النبلاء: 395/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:670.

مخلوق نہیں ہے۔''

امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص میرے متعلق یہ کہے کہ میں قرآن کے بارے میں یہ کہتا ہوں:

''قرآن کے جن الفاظ کو میں پڑھوں وہ مخلوق ہیں۔'' وہ جھوٹا ہے کیونکہ میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔ ابن نصر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے گزارش کی کہ لوگ اس موضوع پر بہت باتیں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ''میں نے جو کچھ کہہ دیا ہے، بس بات اتنی ہی ہے۔''

اسی طرح ابو عمرو کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے پاس گیا۔ ان سے بعض احادیث کے متعلق گفتگو کی۔ آپ اس وقت انتہائی خوش تھے اور مسرت بھرے لہجے میں بات کر رہے تھے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور آپ سے عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے یعنی ''قرآن مجید کے جن الفاظ کو میں پڑھوں وہ مخلوق ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ابو عمرو! ایک بات یاد رکھنا کہ نیشاپور کے لوگ ہوں یا کسی اور علاقے کے، جو شخص بھی میرے متعلق یہ کہے کہ میں نے کہا ہے وہ جھوٹا ہے۔ میں نے یہ بات قطعاً نہیں کہی بلکہ میں نے تو یہ کہا ہے:

''بندوں کے اعمال مخلوق ہیں۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام بخاری کا عقیدہ

محمد بن نعیم کا کہنا ہے کہ میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ یہ ان

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:686,685.

دنوں کی بات ہے جب کچھ لوگوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے بڑی غلط باتیں منسوب کر رکھی تھیں۔ آپ نے جواب دیا:

''ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں، اور اصحابِ رسول ﷺ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، ان کے بعد عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔ میں اسی عقیدے پر زندہ ہوں، اسی عقیدے پر مروں گا اور اسی عقیدے پر دوبارہ زندہ ہوکر اٹھوں گا۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کو وہ جزو ایمان سمجھتے تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں انصار سے محبت کے بارے میں نقل ہوا ہے، یعنی صرف انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت نہیں بلکہ دیگر صحابہ بھی اس میں شامل ہیں اور ان سے بھی محبت کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:686.

ذوقِ عبادت

قیام اللیل اور تلاوت قرآن

امام بخاری رحمہ اللہ عبادت و ریاضت میں اہل ایمان کے لیے ایک مثال تھے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے جو روایات منقول ہیں، آپ کی عبادت انھی کے مطابق تھی۔

حسین بن محمد بن عبید عجلی کہتے ہیں: ''امام بخاری ایک برگزیدہ، اور متقی شخصیت کے مالک تھے۔ ہر کام بہترین انداز میں انجام دیتے تھے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے فدائی تھے جس کا مظاہرہ آپ کے فکر و عمل سے ہر آن ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب رمضان آجاتا تو آپ ﷺ عبادت کے لیے خوب تیار ہوجاتے۔ دن کو روزہ رکھتے، رات کو قیام فرماتے۔ اتنا لمبا قیام کہ پاؤں متورم ہوجاتے۔ جبرائیل علیہ السلام سے قرآن مجید کا دور کیا کرتے۔ آخری سال دو مرتبہ دور کیا۔ بخاری رحمہ اللہ بھی نبی ﷺ کے طریق عمل کے شیدائی تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت ہر تیسری رات کو قرآن مجید مکمل کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں رات کے پہلے پہر

1 سير أعلام النبلاء: 436/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 677.

عشاء کے بعد لوگوں کو نماز تراویح پڑھانے کے دوران ماہِ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن مجید مکمل کرلیا کرتے تھے۔ رمضان میں دن کے اوقات میں بھی کثرت سے تلاوتِ قرآن کرتے جس کے نتیجے میں ماہِ رمضان میں کئی کئی مرتبہ قرآن مجید مکمل ہو جاتا۔ اختتام پر اللہ سے مقبول دعائیں کرتے تھے۔[1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ امام بخاری سحری کے وقت 13 رکعت نفل نماز پڑھا کرتے جن میں ایک وتر ہوتا تھا۔ رات کو جتنی مرتبہ بھی بیدار ہوتے مجھے بالکل نہ جگاتے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ اپنی مدد کے لیے مجھے جگا لیا کیجیے۔ فرمایا: ''تم نوجوان ہو، میں تمھاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔''[2]

عبادت میں احسان

عبادت اتنے شوق اور دل بستگی سے کرتے کہ کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف ان کے خشوع وخضوع پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ (اس کے بعد عبادت کا یہ درجہ ہے کہ) اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے مگر وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔''[3]

عبادت کے دوران میں امام بخاری اسی محویت اور ذوق وشوق کا عملی مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ دستور یہ ہے کہ کسی شخص سے ہم کلام ہوتے وقت چند آداب کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور کسی عظیم شخصیت سے بات کرتے ہوئے اس کے اعلیٰ مرتبے کے پیشِ نظر اس کے

1 مأخوذ از هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:673. 2 تاريخ بغداد: 14,13/2، و طبقات السبكي: 220/2، وسير أعلام النبلاء: 441/12، وهدي الساري مقدمة فتح البري، ص: 673.

3 صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان.....، حديث: 8.

سامنے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جاتی جو اسے ناپسند ہو اور کلام میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ اسی اصول کے پیش نظر امام بخاری اپنے معبود ربّ کائنات کا بدرجۂ غایت احترام کرتے ہوئے بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر لیتے تھے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

بکر بن منیر کہتے ہیں: امام بخاری ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بھڑ نے آپ کے بدن میں 17 مرتبہ ڈنک مارا۔ لیکن آپ ذرا بھی نہیں ہلے۔ جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا: ''ذرا دیکھنا یہ کیا چیز ہے جس نے مجھے نماز کے دوران میں تکلیف پہنچائی ہے۔''[1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ امام بخاری کو دوستوں نے ایک دن باغ میں دعوت دی۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو امام صاحب نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی، پھر سنتیں پڑھ کر فارغ ہوئے تو کمر سے قمیص اٹھائی اور اپنے ایک خادم سے فرمایا: ذرا دیکھنا میری قمیص میں کیا چیز ہے؟ قمیص اٹھا کر دیکھا گیا تو ایک بھڑ نے آپ کے بدن پر 16 یا 17 مقام پر ڈنک مارا تھا جس کی وجہ سے آپ کا جسم سوج گیا تھا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ پہلے ہی ڈنک پر آپ نے نماز کیوں نہ ختم کر دی؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں نے قیام میں جس سورت کی تلاوت شروع کی تھی اسے مکمل کرنا چاہتا تھا۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور صحابۂ کرام کے طرز زندگی کو نمونہ قرار دے کر اپنی پوری زندگی اُسی کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کی۔ بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جلیل القدر صحابی حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔[3] غزوۂ ذات الرقاع میں بھی

1 سیر أعلام النبلاء:12/441. 2 سیر أعلام النبلاء:12/442. 3 اس کا حوالہ نہیں مل سکا۔

اس کے مشابہ ایک واقعہ پیش آیا جسے حافظ ابن حجر نے تحریر کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دوران سفر ایک گھاٹی میں پڑاؤ ڈالتے وقت نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج رات پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ انھوں نے آپس میں رات کو دو حصوں میں بانٹ لیا۔ رات کے پہلے حصے میں انصاری نے پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر صحابی سو گئے۔ انصاری صحابی نے پہرے کے دوران میں نماز شروع کردی۔ دشمن نے انھیں نماز میں مشغول دیکھا تو انھیں تیر دے مارا۔ انصاری نے تیر جسم سے نکال پھینکا اور نماز جاری رکھی۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا۔ انصاری نے پھر ایسا ہی کیا۔ دشمن نے تیسرا تیر مارا۔ صحابی نے وہ تیر بھی نکال پھینکا اور رکوع میں چلے گئے، پھر سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہو کر بقیہ رات کے پہرے کے لیے مہاجر صحابی کو جگایا۔ مہاجر نے جب اپنے ساتھی کا بدن لہولہان دیکھا تو پوچھا: یہ کیا؟ انھوں نے ماجرا سنایا تو مہاجر صحابی نے فرمایا: جب اس نے پہلا تیر مارا تھا، تم نے اسی وقت مجھے کیوں نہیں جگایا؟ صحابی نے جواب دیا کہ میں نماز میں سورۃ الکہف پڑھ رہا تھا۔ اُسے ادھورا چھوڑنا مجھے اچھا نہ لگا۔[1]

بصرہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے پانچ سال قیام کیا۔ اس دوران میں آپ نے مختلف کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر سال حج کے لیے مکہ تشریف لے جاتے اور ادائے حج کے بعد بصرہ لوٹ آتے تھے۔

آپ اپنی کتابوں کی تصنیف بھی عبادت سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد آپ نے فرمایا: ''میں اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے حضور حجت بنا کر پیش کروں گا۔''

1 فتح الباري: 368/1، ودلائل النبوة للبيهقي: 378/3، وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من الدم، حديث: 198.

اسی طرح دیگر تصنیفات کے بارے میں فرمایا: میں پُرامید ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کتابوں میں برکت ڈال دے گا تاکہ تمام مسلمان ان سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔[1]

امام بخاری جب نیشاپور میں قیام پذیر تھے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلی اپنے شاگردوں کو رغبت دلایا کرتے تھے کہ اس صالح انسان کے پاس جاؤ اوران سے حدیث سنو۔[2]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام بخاری سے سنا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ دنیوی معاملات میں بھی کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمدوثنا کے ساتھ کیا جائے۔''[3]

عبدالقدوس بن عبدالجبار سمرقندی کا بیان ہے کہ امام بخاری خَرتنگ نامی گاؤں میں اپنے رشتے داروں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک رات میں نے امام بخاری کی آواز سنی، وہ درود اور وظائف کے بعد دعا مانگ رہے تھے:

''پروردگار! تو مجھے اپنے پاس لے جا کیونکہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوچکی ہے۔''

اس واقعے کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ امام صاحب کا انتقال ہوگیا۔[4]

امام بخاری کے بارے میں ایک اور بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ عبادت ہی کا اثر تھا کہ آپ کتاب الجامع الصحیح کی ترتیب میں باب قائم کرنے سے قبل اور پھر اس باب کے تحت حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے اور دعائے استخارہ پڑھتے

1 الإمام البخاري للحمداني، ص: 44. 2 سير أعلام النبلاء: 442/12. 3 طبقات السبكي: 226/2، و سير أعلام النبلاء: 445/12. 4 سير أعلام النبلاء: 443/12.

حتی کہ ہر طرح سے اطمینان کے بعد اسے کتاب میں درج فرماتے۔ [1]

زہد و تقویٰ

امام بخاری حسنِ اخلاق اور بلندیٔ کردار کا پیکر تھے۔ بہ درجہ غایت متقی اور انتہائی زاہد و عابد۔ کسی بھی معاملے میں معمولی سا بھی شک محسوس کرتے تو اسے چھوڑ دیتے۔

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے:

''میں نے اپنی زندگی کے ساٹھ برس میں امام بخاری سے زیادہ فقیہ، متقی اور دنیا سے بے رغبت کوئی نہیں دیکھا۔'' [2]

عبداللہ بن سعید بن جعفر کا بیان ہے کہ میں نے علمائے بصرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''دنیا بھر میں علم اور نیکی میں امام بخاری جیسا کوئی نہیں۔'' [3]

ابوعمرو احمد بن نصر خفاف کہتے ہیں کہ میں نے حدیث کا درس دینے والوں میں محمد بن اسماعیل جیسا پاکیزہ اخلاق اور متقی عالم کبھی نہیں دیکھا۔ [4]

یہاں امام بخاری کے تقوے اور پرہیزگاری کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

تیر اندازی ایک باقاعدہ فن ہے۔ نبی ﷺ کی سنت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

''اور حسب استطاعت (اپنے دشمن کے خلاف) طاقت تیار رکھو۔'' [5]

1 سير أعلام النبلاء:443/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:683. 2 سير أعلام النبلاء:449/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678. 3 سير أعلام النبلاء:442/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 673. 4 تاريخ بغداد: 28/2، وطبقات السبكي: 225/2، وسير أعلام النبلاء:442/12. 5 الأنفال8:60.

رسول اللہ ﷺ نے آیت کے ان الفاظ کی تلاوت کی اور فرمایا:

''خبردار! یقیناً قوت سے مراد (یہاں) تیراندازی ہے، سن لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔ جان لو! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔''[1]

امام بخاری اس پر عمل کی غرض سے تیراندازی کی مشق کرنے کے لیے میدان میں جاتے حتی کہ آپ ایک ماہر تیرانداز بن گئے۔ آپ کا نشانہ کبھی خطا نہ جاتا۔ محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک یا دو مرتبہ کے علاوہ امام بخاری کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔ میں آپ کے ساتھ مدتوں رہا ہوں۔[2]

اسی سلسلے میں محمد بن ابی حاتم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ فِرَبر میں مقیم تھے۔ ایک دن تیراندازی کے لیے شہر سے باہر نکل گئے۔ ہم جس راستے پر جارہے تھے وہ دریا کے گھاٹ تک جاتا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے تیراندازی شروع کردی۔ امام بخاری کا ایک تیر دریا کے پل کے نیچے نصب لکڑی کی میخ کو جالگا۔ وہ ٹوٹ گئی۔ امام صاحب نے یہ دیکھا تو گھوڑے سے اتر آئے۔ اس تیر کو نکالا اور تیراندازی کا شغل ختم کردیا۔ ہمیں بھی واپس چلنے کا حکم دیا۔ ہم لوگ آپ کے مکان پر پہنچے۔ آپ کا سانس پھولا ہوا تھا۔ مجھے بلایا اور فرمایا: ابوجعفر! مجھے آپ سے ایک کام ہے، کردو گے؟ میں نے عرض کیا: حکم دیجیے، کام ضرور ہوگا۔ فرمایا: کام بڑا اہم ہے، پھر اپنے ہمراہیوں کو بھی بلایا اور فرمایا: اس کے ساتھ جاؤ اور میں نے اسے جو کام کہا ہے، اس میں اس کی مدد کرو۔

میں نے عرض کیا: حضرت! کام تو بتائیے! آپ نے فرمایا: وعدہ کرو کہ کام کردو گے۔

1 صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه، حديث: 1917. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:672.

میں نے گزارش کی: یقیناً کردوں گا۔ فرمایا: اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور اسے بتلاؤ کہ ہم سے تمھارے پل کی لکڑی ٹوٹ گئی ہے۔ ہم اس کی جگہ نئی لکڑی لگوانا چاہتے ہیں۔ آپ ہم سے اس کی قیمت وصول کرلیں یا لکڑی لگانے کی اجازت دے دیں یا پھر اس نقصان کا جس طرح بھی ازالہ ہوسکتا ہو کرلیں۔

پل کے مالک کا نام حمید بن اخضر فربری تھا۔ وہ میری بات سن کر کہنے لگا: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ آپ سے جو کچھ ہو گیا میں وہ معاف کرتا ہوں۔ یہ بھی کہنا کہ میں اپنی ساری جائیداد آپ پر قربان کرنے کو تیار ہوں اور اگر یہ کہوں کہ اپنی جان بھی قربان کرسکتا ہوں تو اسے جھوٹ نہ سمجھیے۔ یہ بھی کہنا کہ ایک لکڑی کے بارے میں معذرت کرکے مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔

میں نے امام بخاری کو حمید بن اخضر فربری کا یہ پیغام پہنچایا تو ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اسی خوشی کے عالم میں انھوں نے اپنے شاگردوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کیا۔[1]

مذکورہ واقعے سے امام بخاری کا انتہا درجے کا تقویٰ ظاہر ہورہا ہے۔

محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ ایک دن امام بخاری ابومعشر الضریر (نابینا) سے کہہ رہے تھے: ابومعشر! مجھے معاف کردینا۔ ابومعشر نے پوچھا: کس بات پر؟ آپ

ابومعشر الضریر: ابومعشر حمدویہ بن خطاب بن ابراہیم البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری کے مستملی (املاء کرانے والے) ہیں۔ محمد بن سلام البیکندی، یحییٰ بن جعفر اور ابوقدامہ السرخسی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوبکر محمد بن احمد بن حامد السعدانی اور اہل بخارا نے روایت کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: 2/179.)

1 سیر أعلام النبلاء: 12/443، 444، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672.

نے فرمایا: میں نے ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کو دیکھا کہ آپ اس حدیث سے خوش ہوکر اپنے سر اور ہاتھوں کو ہلا رہے تھے، اس پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ابومعشر نے عرض کیا: حضرت! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ میں نے آپ کو معاف کیا۔[1]

محمد بن ابی حاتم نے یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم لوگ امام صاحب کی کتاب التفسیر کی تصنیف کے سلسلے میں معاونت میں مصروف تھے، اس دوران میں امام بخاری چت لیٹ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ تخریج احادیث میں بہت زیادہ کام کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ میں نے امام صاحب سے پوچھا: آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ نے ہوش سنبھالنے کے بعد کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے بارے میں آپ کے پاس علم نہ ہو۔ یہ چت لیٹنے کا کیا فائدہ ہے؟[2] آپ نے جواب دیا کہ آج بہت تھک گیا ہوں اور یہ سرحدی علاقہ ہے۔ میں تھوڑا سا آرام بھی کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی دشمن کا خوف بھی تھا مبادا وہ اچانک حملہ آور ہوجائے۔ اس وجہ سے میں نے لیٹنے کے لیے یہ انداز اختیار کیا کہ فوراً اٹھ سکوں۔[3]

یہ واقعہ بھی محمد بن ابی حاتم ہی کا روایت کردہ ہے کہ امام بخاری نے فرمایا: میں نے کبھی کرّاث نہیں کھائی، نہ کبھی قنابری تناول کیا۔

میں نے ان چیزوں سے پرہیز کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ان کی بو سے میرے ساتھیوں

کراث: پیاز اور لہسن جیسی تیز بو والی ایک سبزی جسے گیندنا بھی کہتے ہیں۔ یہ عموماً مصر اور شام میں پائی جاتی ہے۔

قنابری: پالک کی طرح کا ایک قسم کا خودرو ساگ ہے جو نہروں کے کنارے اگتا ہے۔

1 سير أعلام النبلاء: 444/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672. 2 اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سونے کے لیے عموماً دائیں کروٹ لیٹتے تھے۔ 3 سير أعلام النبلاء: 446,445/12.

کو تکلیف ہوگی۔ میں نے پوچھا: کیا آپ کچی پیاز بھی نہیں کھاتے؟ فرمایا: میں کچی پیاز بھی نہیں کھاتا۔[1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری کے احباب میں سے ایک شخص نے اپنے باغ میں آپ کے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس نے ہمیں بھی دعوت دی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ منظر ہمارے میزبان کو بہت پسند آیا۔ اس نے وہاں بیٹھنے کا بڑا عمدہ اور آب پاشی کا بڑا سہانا انداز اختیار کر رکھا تھا۔ میزبان نے پُرمسرت لہجے میں امام بخاری سے پوچھا: ابوعبداللہ! یہ سارا ماحول اور منظر کیسا لگ رہا ہے؟ آپ نے جواب دیا: یہ دنیوی زندگی ہے جو بالآخر ختم ہونے والی ہے۔[2]

یہ حضرت امام کے زہد کی ایک مثال ہے۔

محمد بن عباس فربری کہتے ہیں کہ میں ایک دن فربر کی مسجد میں امام بخاری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے، میں نے امام صاحب کی داڑھی سے ایک تنکا نکالا۔ اسے میں مسجد ہی میں پھینکنے لگا تو امام صاحب نے فرمایا: ''مسجد سے باہر پھینکو۔''[3]

یہ واقعہ محمد بن منصور سے یوں بیان ہوا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب کی داڑھی سے تنکا نکالا اور مسجد ہی میں پھینک دیا۔ امام بخاری تنکے کو دیکھتے رہے جب محسوس کیا کہ لوگ مصروف ہو گئے ہیں تو ہاتھ بڑھا کر اسے اُٹھایا اور اپنی جیب میں رکھ لیا، جب مسجد سے باہر نکلے تو اسے پھینک دیا۔ گویا اپنی داڑھی میں اٹکی ہوئی جو چیز انھیں ناگوار گزری، اسے مسجد میں پھینکنا گوارا نہ کیا۔[4]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ایک دن مجھے بہت زیادہ احادیث لکھوائیں

1 سير أعلام النبلاء:12/444، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:672. 2 سير أعلام النبلاء:12/445. 3 سير أعلام النبلاء:12/445. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:673.

انھیں میری تھکاوٹ کا احساس ہوا تو فرمایا: ''خوش ہو جاؤ، کھیلنے والے کھیل کود میں مشغول ہیں، کاریگر اپنے کام میں جتے ہوئے ہیں، تاجر اپنے کاروبار میں مگن ہیں اور آپ رسولِ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ''اللہ آپ کو خوش رکھے، میں تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔''[1]

غیبت سے مکمل اجتناب

امام صاحب کے ایک ساتھی نے ایک دن آپ سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔ فرمایا:

''سبحان اللہ! میں نے کبھی کسی شخص کا ناپسندیدہ انداز میں ذکر نہیں کیا، البتہ بھول چوک ہو جائے تو الگ بات ہے۔ پھر فرمایا: (میں نے اس فلاں کی غیبت نہیں کی) قیامت کے دن میرے نامۂ اعمال سے اس شخص کا نام نہیں نکلے گا۔''[2]

بکر بن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے:

''میں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا تو مجھے امید ہے کہ وہ مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کا حساب نہیں لے گا۔''[3]

محمد بن ابی حاتم الوراق سے یہ بھی منقول ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

1 سير أعلام النبلاء: 445/12. 2 سير أعلام النبلاء: 445/12. 3 تاريخ بغداد: 13/2، وطبقات الحنابلة: 276/1، وسير أعلام النبلاء: 439/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 673.

”جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔“ [1]

مطلب یہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی یہ بات بالکل درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ان کی جرح و تعدیل اور لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ان کے محتاط رویے کو دیکھے گا، وہ ان کی انصاف پسندی کا قائل ہو جائے گا کیونکہ امام صاحب جن راویوں کو ضعیف قرار دیتے تھے، ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سخت بات یہ کہتے تھے کہ فلاں منکر الحدیث ہے۔ فلاں کے بارے میں لوگوں نے خاموشی اختیار کی ہے یا کہتے تھے کہ اس راوی میں نظر ہے۔ آپ یہ بات بہت کم کہتے تھے کہ فلاں راوی جھوٹا ہے یا از خود حدیثیں گھڑ لیتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے حتمی طور پر ایک موٹی سی بات یہ فرمائی کہ جب میں کہتا ہوں کہ فلاں میں نظر ہے تو وہ متہم اور انتہائی کمزور ہوتا ہے۔“

اس سے امام بخاری کی اس بات کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی کی غیبت کا حساب نہیں ہوگا۔ یہ ہے امام بخاری کا انتہا درجے کا تقویٰ۔ [2]

یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مقدمہ میں کہی ہے۔ (ص:672)

مقروض پر نرمی کا سلوک

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے امام بخاری سے قرض لیا۔ اس نے آپ کا بہت سا مال دبا رکھا تھا۔ ہم ان دنوں فِرَبر میں مقیم تھے۔ امام بخاری کو

فِرَبر: یہ چھوٹا سا شہر آمُل کے بالمقابل ہے، یعنی دریائے جیحون (آمودریا) سے شمال کی طرف تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر بخارا کی طرف جانے والی شاہراہِ عام پر واقع ہے۔ سرسبز و شاداب، پھلوں ◀◀

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:672. 2 سير أعلام النبلاء:12/439-441.

پتا چلا کہ وہ شخص آمُل شہر میں آیا ہوا ہے۔ ہم نے امام صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ دریا عبور کر کے اس سے اپنا مال وصول کر لیں۔ آپ نے فرمایا: اسے پریشان کرنا اچھا نہیں لگتا۔ مقروض کو پتا چلا کہ امام بخاری فِرَبر میں ہیں تو وہ خوارزم کی طرف بھاگ

◄◄ اور میوہ جات کا مرکز ہے۔ اس وقت یہ ماوراء النہر کے علاقے میں دریائے جیحون کے دائیں کنارے پر بخارا کو جانے والی سڑک پر فاراب (Farab) کے نام سے موسوم ہے۔ قدیم زمانے میں اس کا نام فِرَبْ تھا۔ علامہ یاقوت حموی اور ابن قدامہ نے اس کا نام ''قریہ عالی یا رباط طاہر بن علی'' لکھا ہے۔ شہر میں قلعہ، مسجد اور ایک وسیع چوک تھا جو بطور عبادت گاہ استعمال ہوتا تھا۔ گردونواح میں بہت سے گاؤں آباد تھے۔ محکمہ انہار کا مرکزی دفتر اسی شہر میں تھا۔ صحیح بخاری کے راوی محمد بن یوسف الفربری کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ امام بخاری سے ستر ہزار افراد نے صحیح بخاری کا سماع کیا لیکن روایت کرنے والے صرف یہی محمد بن یوسف تھے۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے نامور علماء کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ (معجم البلدان: 245/4)

آمُل: یہ دو شہروں کا نام ہے۔ ایک آمل طبرستان میں ہے جہاں مشہور مؤرخ طبری پیدا ہوئے۔ یہاں جو شہر مراد ہے وہ دریائے جیحون کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ آج کل یہ چارجو (چار ندیوں والا) (Chardzhou) کے نام سے جمہوریہ ترکمانستان میں واقع ہے۔ صحراء میں واقع ہونے کے باوجود یہ شہر بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ خراسان سے ماوراء النہر اور خیوہ (Khiva) کو جانے والی تجارتی شاہراہوں کے مقامِ اتصال پر واقع ہے۔ اس علاقے پر ازبکوں نے 910ھ میں قبضہ کیا۔ روسیوں کے قبضے کے دوران میں اسے ایک طرف مَرو (Mary) اور دوسری طرف بخارا، سمرقند اور تاشقند سے ریلوے لائن کے ذریعے ملا دیا گیا۔

خوارِزم / خیوہ (Khiva): یہ تاریخی شہر آمو دریا کی زیریں گزرگاہ پر واقع ہے۔ ایک یونانی مؤرخ کے بقول سرزمین خوارزمیان (Chorazmians) کے دارالحکومت کا نام خوارزمیا (Chorasmia) ''کاث'' تھا۔ خوارزم میں زرتشتیوں (مجوسیوں) کے علاوہ عیسائی بھی آباد تھے۔ قتیبہ بن مسلم نے 93ھ / 712ء میں اس علاقے کو فتح کیا۔ 385ھ / 995ء میں گرگانج (جرجانیہ) کے حاکم مامون بن محمد نے خوارزم شاہ کا لقب اختیار کیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آخری برسوں میں قطب الدین محمد نے خوارزم میں ایک نئے (خوارزم شاہی) خاندان کی بنیاد رکھی۔ علاء الدین ◄◄

گیا۔ ہم نے امام صاحب کو دوبارہ مشورہ دیا کہ آمُل کے گورنر ابو سلمہ الکشانی سے خوارزم کے گورنر کے نام خط لکھوالیں کہ وہ مقروض سے مال واپس دلوادے۔ آپ نے فرمایا: آج میں ان سے خط لکھواتا ہوں تو کل وہ بھی مجھ سے کسی کے نام خط لکھوانے آجائیں گے۔ میں دنیا کی خاطر اپنا دین نہیں بیچ سکتا۔

◄◄ محمد خوارزم شاہ کے عہد (1200ء تا 1220ء) میں خوارزم (گرگانج) علاقہ مشرق کے شاندار شہروں میں شمار ہوتا تھا اور اس کی سیادت ایران اور عمان میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ چنگیز خاں نے خوارزم پر یلغار کی تو یہ شہر سخت مدافعت کے بعد صفر 618ھ/اپریل 1221ء میں دشمن کے قبضے میں آگیا۔ یہاں کی پوری آبادی کو قتل یا آمو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ گرگانج، جسے منگول اور ترک اُرگنج (Urgenc) کہتے تھے، کچھ عرصے کے بعد کسی اور مقام پر دوبارہ بسایا گیا۔ بتدریج شہر اُرگنج کو خوارزم بھی کہا جانے لگا۔ 781ھ/ 1379ء میں تیمور نے متعدد معرکوں کے بعد خوارزم فتح کر لیا۔ اس یلغار میں دارالسلطنت ارگنج بالکل تباہ ہوگیا اور اسے زمین کے برابر کر کے وہاں جَو بو دیے گئے۔ 1391ء میں تیمور نے شہر خوارزم کے ایک حصے کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ لیکن یہ ایک چھوٹے سے محلے تک محدود رہا۔ ملک کا نام تو پہلے ہی دارالسلطنت کو دے دیا گیا تھا اب ملک کو عام طور سے دارالسلطنت کے نام پر پہلے ارگنج اور بعد میں خیوہ کہنے لگے۔ یاقوت کے زمانے میں خیوہ کے لوگ شافعی مسلک کے پیروکار تھے جبکہ باقی علاقے کے باشندے حنفی تھے۔ دارالسلطنت کے طور پر خیوہ کو عرب محمد کے دور (1603 تا 1623ء) میں پہلی بار شہرت ملی۔ 1645ء میں خیوہ سے تقریباً بیس میل شمال مشرق میں ایک نیا ارگنج بسایا گیا۔ خان انوشہ (1663ء تا 1687ء) نے موجودہ کاث (یا کات) کو جدید ارگنج سے بیس میل جنوب کی طرف دریا کے بائیں کنارے پر پھر سے تعمیر کرایا۔ 1770ء سے کچھ پہلے ترکمانوں کے متواتر حملوں سے خیوہ بالکل تباہ ہوگیا تھا۔ 1770ء میں ایناق محمد امین نے ترکمانوں پر فتح پائی اور اس کی بدولت شہر اور ملک میں ایک بار پھر خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ قدیم خیوہ کی تباہی اور جدید خیوہ کی بنیاد غالباً اسی واقعے کی مرہون منت ہے۔ محمد رحیم کے بیٹے اللہ قلی (1825-42ء) کے دور میں قدیم ارگنج کو بھی دوبارہ بسایا گیا۔ 1840ء -1839ء میں خیوہ کے خلاف روسیوں کی مہم ناکام رہی، مگر اس کے فوراً بعد ہی خان کو روسی حکومت کے تمام مطالبات پورے کرنے پڑے۔ 1873ء میں سید محمد رحیم خان کے دور (1864ء تا 1910ء) میں خیوہ کو ◄◄

ہم نے بہت کوشش کی لیکن امام صاحب نے سفارشی خط نہ لیا۔ پھر ہم نے اپنے طور پر حاکم سے بات کی تو اس نے خوارزم کے گورنر کے نام خط لکھ دیا۔ امام بخاری کو اس بات کا پتا چلا تو انھیں سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے ہم سے فرمایا: آپ لوگ مجھ سے زیادہ میرے خیرخواہ نہ بنیں۔ پھر والی خوارزم کو لکھے گئے خط کے سلسلے میں، خوارزم میں مقیم اپنے کسی جاننے والے کو خط لکھا جس میں تلقین کی کہ میرے مقروض سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔

مقروض کو اس کارروائی کا پتا چلا تو آمُل شہر کی طرف لوٹ آیا۔ وہاں سے مَرو

◄◄ روسیوں نے فتح کرلیا۔ فروری 1920ء میں خان خیوہ کو معزول کرکے وہاں عوامی سوویت جمہوریۂ خوارزم قائم کی گئی۔ اگست 1920ء میں امیر بخارا کا بھی یہی حشر ہوا اور اسی طرح کی جمہوریۂ بخارا یہاں بھی قائم ہوئی۔ 1924ء کے موسم بہار میں ترکستان، بخارا اور خیوہ کی جمہوریتوں نے قومیت کی اساس پر اپنی ریاستوں کی نئے سرے سے حد بندی کرنے کا فیصلہ کیا جو مئی 1925ء میں مکمل ہوگئی اور یوں ازبکستان، ترکمانستان اور تاجکستان کے علاوہ متعدد خود مختار ریاستوں کا قیام عمل میں آیا۔ آمو دریا ترکمانستان اور ازبکستان کی حد بندی کرتا ہے۔ اس وقت ارگنج، خیوہ اور بخارا کے شہر ازبکستان میں واقع ہیں اور مَرو ترکمانستان میں ہے۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 30-22/9) عباسی دور میں خوارزم کی نسبت سے محمد بن موسیٰ خوارزمی مشہور ہوئے جو علم الجبرا کے موجد تھے۔ ان کی تصنیف ''الجبر والمقابلۃ'' اس علم کی پہلی کتاب ہے۔

مَرو: یہ شہر موجودہ ترکمانستان کا ایک مرکزی شہر ہے۔ یہ آمل شہر سے جنوب مشرق میں تقریباً 450 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، جبکہ مرو اور نیشاپور کے درمیان تقریباً 337 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ دریائے مرغاب کی گزرگاہ زیریں کے زرخیز و شاداب نخلستان کا بڑا شہر اور تہذیب و تمدن کا مرکز ہے۔ دریائے مَرغاب کے اختتام پر واقع ہے جہاں یہ دریا، دریائے آمو سے آنے والی نہر قراقم میں گرتا ہے۔ دریا کی بالائی جانب بھی ''مروُرود'' کے نام سے ایک چھوٹا شہر (موجودہ افغانستان میں) ہے۔ عرب جغرافیہ دان اس سے ممتاز کرنے کے لیے اسے مَروشاہجان کے نام سے موسوم کرتے ◄◄

کی جانب چلا گیا۔ وہاں کچھ تاجروں کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو انھوں نے باہم مل کر وہاں کے گورنر کو مطلع کر دیا کہ امام بخاری اس شخص کی تلاش میں ہیں، لہٰذا اسے جانے نہ دیا جائے۔

گورنر نے اس شخص سے ذرا درشت رویہ اختیار کرنا چاہا لیکن امام صاحب نے یہ طریقہ پسند نہیں کیا۔ آپ نے اپنے مقروض سے اُس کی اس پیش کش پر موافقت کر لی کہ وہ ماہانہ دس درہم ادا کر دیا کرے گا۔ قرض کی رقم 25 ہزار درہم تھی مگر امام بخاری کو اس میں سے ایک درہم بھی موصول نہ ہو سکا۔[1]

دل کے ارادے کی پاسداری

بکر بن منیر کا بیان ہے کہ امام بخاری کے بیٹے احمد نے آپ کو کچھ سامانِ تجارت بھیجا۔ کچھ تاجروں کو پتا چلا تو وہ یہ سامان خریدنے کے لیے آپ کے پاس آئے اور پانچ ہزار درہم منافع کی پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا: آج کی رات انتظار کرو، کل دیکھیں گے۔ دوسرے دن کچھ اور تاجر آ گئے۔ وہ دس ہزار درہم منافع دینے پر آمادہ تھے مگر آپ نے یہ کہہ کر انھیں سودا دینے سے انکار کر دیا کہ میرے پاس کل جو لوگ آئے تھے میں نے انھی کو سامان فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

◀◀ ہیں۔ ان دنوں مرو شہر "ماری" کہلاتا ہے۔ ابو مسلم خراسانی نے اسی شہر سے عباسی خلافت کے قیام کے لیے تحریک شروع کی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ جہاد کے دوران میں یہیں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر بھی اس شہر میں ہے۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 481/20، و معجم البلدان: 114,113/5)

1 سیر أعلام النبلاء: 446/12، و طبقات السبكي: 227,226/2، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 671.

فتح الباری کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے جو ارادہ کرلیا تھا، اسے توڑنا نہیں چاہتا۔[1]

جھوٹ اور بخل سے اجتناب

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا:

''مسلمان کو جھوٹ بولنے اور بخل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔''[2]

خودداری

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام بخاری نے فرمایا: ''میں آدم بن ابی ایاس سے ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ دورانِ سفر میرا زادِ راہ بروقت نہ پہنچ سکا، چنانچہ میں گھاس کھا کر گزارہ کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنی یہ کیفیت کسی سے بھی بیان نہ کی۔ تیسرے دن ایک اجنبی میرے پاس آیا۔ اس نے دیناروں کی ایک تھیلی مجھے دی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرلو۔''[3]

حسین بن محمد سمرقندی کہتے ہیں کہ امام بخاری یوں تو ہر معاملے میں اعلیٰ اوصاف اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے مگر آپ میں ذیل کی تین خوبیاں بہت نمایاں تھیں:

① آپ انتہائی کم گو تھے۔

② کسی سے کبھی کوئی لالچ نہیں رکھا، نہ لوگوں کے معاملات میں دلچسپی لی۔

③ آپ کی زندگی کا مرکز وصرف علم دین تھا۔[4]

1 تاریخ بغداد: 12,11/2، وطبقات السبكي: 227/2، و سير أعلام النبلاء: 448,447/12.

2 سير أعلام النبلاء: 448/12. 3 سير أعلام النبلاء: 448/12، و طبقات السبكي: 227/2، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672. 4 سير أعلام النبلاء: 449,448/12.

سُلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ (میرے خیال میں) امام بخاری کے علاوہ دنیا میں اب کوئی شخص ایسا نہیں جو محض ثواب کی خاطر حدیث پڑھاتا ہو۔[1] مزید فرماتے ہیں کہ مجھے 60 برسوں کی مدت میں امام بخاری سے بڑا فقیہ، متقی اور دنیا سے بے رغبت کوئی نظر نہیں آیا۔[2] عبدالمجید بن ابراہیم نے امام بخاری کی سخاوت، وسعتِ ظرف اور اعلیٰ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''میں نے امام بخاری جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ امام صاحب طاقت ور اور کمزور کو برابر سمجھتے تھے۔''[3]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ امام بخاری کی کچھ زمین تھی۔ آپ اسے سات سو درہم سالانہ کے عوض ٹھیکے پر دیتے تھے۔ آپ ککڑیاں بہت شوق سے کھاتے تھے۔ ککڑیاں آپ کو تربوز سے بھی زیادہ پسند تھیں۔ کاشت کار کبھی کبھار آپ کو ایک دو ککڑیاں دے جاتا تھا۔ آپ ان ککڑیوں کے عوض کاشت کار کو ایک سو درہم سالانہ ادا کرتے تھے۔[4]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میں ہر ماہ پانچ سو درہم جمع کرتا تھا۔ یہ تمام رقم میں نے حصولِ علم کے لیے خرچ کر دی۔'' میں نے پوچھا: ان دو افراد میں کتنا فرق ہے جن میں سے ایک تو اپنا مال دین کے لیے خرچ کرے اور دوسرا شخص جو خالی ہاتھ ہو مگر اپنے علم کے ذریعے سے پیسا کمائے اور جمع کرے۔ امام بخاری نے قرآن کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا:

1 سير أعلام النبلاء:449/12. 2 سير أعلام النبلاء:449/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678، و طبقات السبكي:227/2. 3 سير أعلام النبلاء:449/12. 4 سير أعلام النبلاء:449/12.

''اور جو (مال) اللہ کے ہاں ہے وہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''[1]

محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ امام بخاری، بخارا سے متصل ایک سرائے تعمیر کرا رہے تھے۔ ایک دن بہت سارے لوگ معاونت کے لیے وہاں جمع ہو گئے۔ امام صاحب خود اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ میں آپ سے مسلسل کہتا رہا: حضرت! آپ کیوں مشقت کرتے ہیں، جب کہ آپ کی جگہ کام کرنے کے لیے اتنے لوگ موجود ہیں۔ اس کے جواب میں آپ فرماتے: ''یہی خدمت تو ہمیں فائدہ دے گی۔'' پھر آپ نے زیادہ وزنی اینٹیں بھی اٹھائیں۔

اس موقع پر امام صاحب نے لوگوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ اس کے لیے ایک گائے ذبح کی۔ پھر ہم لوگ امام صاحب کے ساتھ فِرَبر گئے۔ وہاں سے تین درہم کی روٹیاں خرید کر لائے۔ کھانا تیار کر کے لوگوں کو بلایا۔ تقریباً ایک سو سے زیادہ

امام صاحب نے یہ کام بھی نبی ﷺ کے اسوۂ مبارک کو سامنے رکھ کر کیا کیونکہ مسجد نبوی کی تیاری کے وقت آپ ﷺ بھی اینٹیں پہنچانے میں مصروف تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے غزوۂ احزاب کی تیاری کے دوران میں خندق کھودنے کے کام میں بھی اپنے صحابہ کے ساتھ بنفس نفیس شرکت کی۔ حتیٰ کہ جہاں صحابہ کرام کو چٹانیں کاٹنے میں مشکل پیش آتی تھی، وہاں آپ ﷺ انھیں خود اپنے مبارک ہاتھوں سے توڑتے تھے۔ اور اس موقع پر نہایت مسرت کے لہجے میں فرمارہے تھے:

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ

''یہ بوجھ جسے ہم اٹھا رہے ہیں خیبر کے غلے اور کھجوروں کا بوجھ نہیں ہے۔ اے ہمارے رب! (قبول فرما) یہ بوجھ بڑا باعث ثواب اور پاکیزہ تر ہے۔'' مزید فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَه فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَه

''اے اللہ! اصل ثواب تو آخرت کا ثواب ہے۔ اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔'' (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3906.)

1 القصص 60:28، وسير أعلام النبلاء: 449/12.

افراد جمع ہو گئے۔ امام صاحب کو توقع نہ تھی کہ اتنے لوگ جمع ہو جائیں گے۔ تمام افراد نے سیر ہو کر کھانا کھایا، پھر بھی خاصی مقدار میں روٹیاں بچ گئیں۔[1]

1 سير أعلام النبلاء: 12/450، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 673.

اخلاق و عادات

نادار لوگوں کی اعانت

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ کبھی کبھی پورا پورا دن گزر جاتا مگر امام بخاری رحمہ اللہ ایک چپاتی بھی نہ کھاتے، صرف دو تین بادام کھا لیتے تھے۔ ہنڈیا میں مسالہ ڈالنے اور بھنا ہوا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے۔ ایک دن بڑی بے تکلفی سے کہنے لگے: ابوجعفر! ہمیں سال بھر کے اخراجات کے لیے بہت زیادہ رقم درکار ہے۔ میں نے پوچھا: کتنی؟ فرمایا: مجھے سال بھر میں چار پانچ ہزار درہم درکار ہیں۔ آپ صدقہ بڑی کثرت سے کرتے تھے اور طلبہ میں سے جسے تنگ دست پاتے اُسے خاموشی سے بیس تیس درہم تھما دیتے۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام بخاری کھانا بہت کم کھاتے تھے اور طلبہ سے انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔[1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے 920 درہم میں ایک مکان خریدا۔ امام بخاری کو معلوم ہوا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: مجھے آپ سے ایک کام ہے، کر دیں گے؟ میں

1 سير أعلام النبلاء: 450/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:673.

نے کہا: کیوں نہیں! میں آپ کی خدمت کے لیے بسر وچشم حاضر ہوں۔ فرمایا: نوح بن ابوشدّاد صرفی سے ایک ہزار درہم لا دو۔ میں وہ ایک ہزار درہم لایا تو فرمایا: ''اس سے اپنے مکان کی قیمت ادا کر دینا۔'' میں نے وہ رقم لے لی اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔ ہم لوگ الجامع الصحیح کی تصنیف وتدوین میں مصروف تھے، اس لیے اس میں دوبارہ مگن ہو گئے۔ کچھ دیر بعد امام صاحب سے میں نے عرض کیا: مجھے بھی آپ سے ایک کام ہے مگر آپ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ آپ نے یہ خیال کیا کہ شاید مجھے کچھ اور رقم درکار ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: مجھے شرمندہ نہ کرو، بتاؤ کیا کام ہے؟ میں تمھاری وجہ سے اللہ کے ہاں مواخذے سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: میری وجہ سے آپ کا مواخذہ کیوں ہوگا؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس لیے کہ رسولِ کریم ﷺ نے صحابہ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ میں نے بھی آپ کو اپنا بھائی بنایا ہے لیکن میں بہتر طور پر آپ کی خدمت نہیں کر رہا، پھر آپ نے حضرت سعد بن ربیع اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا پورا واقعہ بیان کیا۔[1] میں نے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں آپ جس پریشانی کا اظہار کرتے ہیں، میں اس سے آپ کو بریٔ الذمہ سمجھتا ہوں اور آپ نے مجھے جو رقم عنایت فرمائی ہے، اس سے آدھی لے لیتا ہوں، باقی آپ کو واپس کرتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک دن آپ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ میری بیوی اور لونڈی ہیں اور تم ابھی کنوارے ہو۔ میں اپنا آدھا مال آپ کو دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یوں ہم معاشی طور پر برابر ہو جائیں گے کیونکہ میں مالی لحاظ سے آپ سے ذرا بہتر ہوں۔ میں اس بارے میں

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب کیف آخی النبي ﷺ بین أصحابه، حدیث: 3937.

عرض کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ مجھ پر آپ کی بہت مہربانیاں ہیں۔ آپ نے مجھے اپنے برابر حیثیت دے رکھی ہے بلکہ میں تو آپ کے بیٹے کی طرح یہاں رہ رہا ہوں۔

پھر امام بخاری فرمانے لگے: مجھ سے کیا کام ہے؟ میں نے عرض کیا: کیا آپ کام کر دیں گے؟ فرمایا: بڑی خوشی سے کروں گا۔ میں نے عرض کیا: آپ یہ ایک ہزار درہم لے لیں اور اپنی کسی ضرورت پر خرچ کرلیں۔ آپ نے درہم واپس لے لیے۔ میں نے وہ ایک ہزار درہم اس لیے واپس کیے تھے کہ میری تمام ضروریات امام صاحب ہی پوری کرتے تھے۔

اس کے دو دن بعد تک ہم الجامع الصحیح کی تالیف و تدوین میں مصروف رہے۔ ایک دن ظہر تک ہم نے بہت سا کام نپٹا لیا تھا، پھر ہم نے ظہر کی نماز پڑھی۔ ظہر کے بعد ہم بغیر کچھ کھائے پیے دوبارہ احادیث لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ عصر کا وقت ہوا تو انھوں نے مجھے کچھ بے چین سا پایا۔ وہ سمجھے شاید میں اکتا گیا ہوں۔ دراصل میں نے بڑی دیر سے پیشاب روک رکھا تھا لیکن مجال نہیں تھی کہ اٹھ کر چلا جاؤں۔ پیشاب کی شدید حاجت کے مارے پیٹ میں درد اٹھ رہا تھا اور میں دہرا ہوا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے میں بے قرار سا تھا۔ اسی دوران میں امام صاحب اپنے گھر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو مجھے ایک کاغذ تھما دیا۔ اس میں تین سو درہم لپٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم نے مکان کی قیمت تو نہیں لی۔ یہ تین سو درہم ضرور لے لو اور اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر لینا۔ میں نے آپ کے اصرار کے باوجود وہ تین سو درہم نہیں لیے۔

پھر کئی دنوں بعد ایک دن ہم ظہر تک بیٹھے احادیث لکھتے رہے۔ آپ نے مجھے بیس درہم دے کر فرمایا: کچھ سبزی ترکاری خرید لاؤ۔ میں نے امام صاحب کی پسندیدہ سبزیاں خرید کر گھر بھیج دیں۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھارے چہرے کو منور

کرے، تمھارے اندر کوئی ٹیڑھ پن نہیں ہے، یعنی آپ صاف ستھرے کردار کے مالک ہیں۔ ہمیں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو مشقت میں مبتلا رکھیں۔ میں نے عرض کیا: حضور! آپ تو دنیا و آخرت کی بھلائیاں سمیٹ رہے ہیں۔ بھلا ایسا کون ہوگا جو آپ کی طرح اپنے خادم سے حسنِ سلوک کرتا ہو؟ اگر میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا تو پھر کیا سمجھوں گا؟ [1]

جاؤ! میں نے تمھیں آزاد کیا

عبداللہ بن محمد صیارفی کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے پاس ان کے گھر میں بیٹھا تھا کہ ان کی کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ٹھوکر کھا کر امام صاحب کے سامنے رکھی ہوئی دوات پر جا گری۔ امام بخاری نے فرمایا: کس طرح چلتی ہو؟ کنیز نے جواب دیا: جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟ امام صاحب نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے فرمایا: ''جاؤ! میں نے تمھیں آزاد کیا۔'' اس واقعے کے کچھ عرصے بعد کسی نے آپ سے کہا کہ کنیز نے تو آپ کو بڑا غصہ دلا دیا تھا (مگر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔) امام بخاری نے فرمایا: ''یہ بات ٹھیک ہے کہ اس نے غصہ دلانے والی ہی بات کی تھی لیکن میں نے بھی اُسے آزاد کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔'' [2]

بادشاہوں اور امیروں سے اجتناب

امام بخاری رحمہ اللہ بادشاہوں کے درباروں اور امیروں، رئیسوں کی چوکھٹوں سے دور رہتے تھے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ امیروں کی محفلوں میں رہ کر دین پر قائم رہنا بہت

1 سير أعلام النبلاء:12/450-452. 2 سير أعلام النبلاء:12/452، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:672.

مشکل ہے۔ آپ کہا کرتے تھے:

''میں علم کو لوگوں کے دروازوں تک لا کر اسے رسوا نہیں کرنا چاہتا۔'' [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے اپنی کسی ضرورت کے لیے امام بخاری کو خط بھیجا۔ اس نے آپ کے لیے بڑی دعائیں بھی لکھی تھیں۔ آپ نے جواب میں لکھا: میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمھارا خط مل گیا۔ میں تمھارا مدعا سمجھ گیا ہوں لیکن یہ بات یاد رکھو کہ حکمت و دانائی تو اسی کے ہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ [2]

عبدالمجید بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جیسا عادل کوئی نہیں دیکھا۔ وہ کمزور اور طاقت ور کے درمیان مکمل انصاف کرتے تھے۔ [3]

امام بخاری کا یہ واقعہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے ایک بڑی رقم بطور قرض لے رکھی تھی۔ لیکن وہ شخص یہ رقم واپس نہیں دے رہا تھا۔ آپ اس وقت آمُل شہر میں قیام پذیر تھے اور وہ آپ سے بچنے کے لیے خوارزم چلا گیا۔ آپ کے دوستوں نے اصرار کیا کہ آپ آمُل شہر کے گورنر ابوسلمہ الکشانی کو کہیں کہ وہ خوارزم کے گورنر کو خط لکھ دے۔ وہ آپ کے پیسے واپس دلوا دے گا۔ آپ نے یہ تجویز منظور نہیں کی بلکہ فرمایا:

''اگر آج میں اپنی ضرورت کے لیے ان سے خط لکھواؤں گا تو کل کلاں وہ بھی مجھ سے توقع رکھیں گے کہ میں بھی ان کے لیے کسی کو سفارشی چٹھی لکھ دوں۔ میں اپنا دین، دنیا کے بدلے نہیں بیچ سکتا۔'' [4]

1 سير أعلام النبلاء: 464/12. 2 سير أعلام النبلاء: 407,406/12. 3 سير أعلام النبلاء: 449/12. 4 طبقات السبكي: 226/2، وسير أعلام النبلاء: 446/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 671.

بکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ بخارا کے گورنر ابوالہیثم خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ الجامع الصحیح، التاریخ الکبیر اور اپنی دیگر کتب لے کر حرمِ شاہی میں آئیں اور یہاں درس دیں تاکہ میں بھی آپ سے استفادہ کر سکوں۔ آپ نے گورنر کے ایلچی کے ہاتھ یہ جواب کہلا بھیجا کہ میں علم دین کی ناقدری

وضاحت: یہ اس دور کی بات ہے کہ جب خلفائے عباسیہ کی حکومت کمزور ہونے لگی تھی۔ اس کی ابتدا سب سے پہلے خراسان میں اس وقت ہوئی جب خلیفہ امین الرشید تخت خلافت پر متمکن تھا۔ امین اور مامون دونوں بھائیوں کی آپس کی ناچاقی نے اتنا طول پکڑا کہ مامون الرشید کے ایک قریبی ساتھی طاہر بن حسین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور خلیفۂ وقت امین الرشید کو قتل کر دیا۔ اگرچہ طاہر بن حسین مامون کا خیر خواہ نظر آتا تھا لیکن مامون کسی بھی صورت اپنے بھائی کے قاتل کو دل سے پسند نہ کرتا تھا۔ جبکہ طاہر بن حسین کا خاندان خلفائے عباسیہ پر اتنا غالب آ چکا تھا کہ اس خاندان نے نیشاپور کو خراسان کا پایۂ تخت بنا کر طاہر بن حسین کو خلفائے عباسیہ کا خود سر گورنر بنا دیا۔ اگرچہ یہ لوگ خلفائے عباسیہ سے منحرف نہ تھے لیکن خراسان کی ولایت نسلاً بعد نسل اسی خاندان میں منتقل ہونے سے ملوک طاہر یہ اور سلطنت طاہر یہ کی بنیاد پڑ گئی۔ دوسری طرف مامون نے اپنے دلی خیالات چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن کسی طریقے سے طاہر بن حسین کو اس کے خیالات کا علم ہو گیا۔ اس نے کسی طریقے سے خراسان کی گورنری کا باضابطہ پروانہ لے کر مامون کی خدمت سے دست برداری کا اعلان کرتے ہوئے خطبے سے مامون کا نام خارج کر دیا۔ یہ ابتدائی بغاوت تھی۔ اتفاق سے دوسرے ہی دن طاہر بن حسین فوت ہو گیا اور اس کے بعد بالترتیب طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر بن عبداللہ یکے بعد دیگرے خلفائے بغداد (عباسیہ) کے حکم سے خراسان کے گورنر بنتے رہے اور خلفائے عباسیہ ہی کے مطیع رہے۔ امام بخاری کے دور میں سلطنت طاہریہ کی طرف سے بخارا کا گورنر خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس کے بارے میں امام حاکم کہتے ہیں کہ بخارا میں اس کے بہت سے اچھے کام مشہور تھے لیکن اس نے امام بخاری پر الزام لگا کر انھیں بخارا سے نکالا۔ اس سنگین غلطی کی پاداش میں اسے حکومت سے ہاتھ دھونے پڑے......۔ (سیرۃ البخاری از مبارکپوری، ص: 114، حاشیہ)

نہیں کرسکتا کہ اسے اٹھا کر لوگوں کے دروازوں کا طواف کرتا پھروں۔ اگر تم علم دین سیکھنا چاہتے ہو تو میری مسجد یا میرے گھر آجاؤ۔ میں علم دین کو چھپا کر نہیں رکھتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس شخص سے دین کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا لیکن اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

اگر تمھیں میرا یہ انداز ناگوار محسوس ہو تو تم حاکمِ وقت ہو، تمھارے ہاتھ میں اقتدار کی طاقت ہے، میری درس گاہ کو بند کردو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے پاس عذر موجود ہو۔

یہ واقعہ امام بخاری اور گورنر بخارا کے مابین وجہ پرخاش بن گیا۔[1]

سلف صالحین میں سے اکثر کا یہی موقف تھا کہ کسی کے در پر جا کر تعلیم دینا علم اور عالم دونوں کی توہین ہے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ اس سے بڑھ کر علم کی اہانت اور کیا ہوگی کہ عالم پڑھانے کے لیے طالب علم کے پاس جائے۔ ایک دفعہ عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ کا ولی عہد امیر ابو احمد الموفق امام ابو داود کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا کہ آپ میرے بچوں کو الگ مجلس میں تعلیم دیا کریں کیونکہ خلفاء کی اولاد عوام کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔ امام ابو داود نے انھیں دوٹوک جواب دیا کہ اس امتیاز کی قطعاً گنجائش

1 سير أعلام النبلاء:464/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:688,687. اس واقعے میں درج نبی کریم ﷺ کے فرمانِ مبارک کے لیے دیکھیے: سنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث:3658، وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في كتمان العلم، حديث:2649، ومسند أحمد:263/2، واللفظ له.

نہیں کیونکہ علم کے حصول میں امیر غریب سب برابر ہیں۔ اس کے بعد اُس کے بیٹے بھی حصولِ علم کے لیے اسی مجلس میں بیٹھتے تھے جس میں عام لوگ بیٹھتے تھے، تاہم ان کی تخصیص کے لیے درمیان میں ایک پردہ لٹکا دیا جاتا تھا لیکن حدیث کا سماع وہ عام لوگوں کے ساتھ ہی کیا کرتے تھے۔ [1]

1 سیر أعلام النبلاء: 13/216، وطبقات السبکي: 2/295,296.

عللِ حدیث، اخذ روایات اور امام بخاری رحمہ اللہ

- عللِ حدیث اور امام بخاری رحمہ اللہ
- اخذ روایت اور راویوں کے متعلق امام بخاری کے چند اصول

عللِ حدیث اور امام بخاری رحمہ اللہ

علل حدیث

محدثین کی اصطلاح میں ''علل الحدیث'' ایسے مخفی وجوہ و اسباب کو کہتے ہیں جو کسی حدیث میں موجود ہوں تو اس حدیث کی صحت اور قبولیت میں باعث اعتراض بن جاتے ہیں، حالانکہ ظاہراً وہ حدیث ہر طرح سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حدیث کے علوم میں یہ علم خاص طور پر نہایت مشکل اور دقیق ہے کیونکہ اس میں مہارتِ تامہ کے لیے ضروری ہے کہ راویوں کی تاریخ وفات، تاریخ پیدائش اور ان کی باہمی ملاقات پر کما حقہ عبور حاصل ہو۔ اس کے علاوہ ہر ایک راوی کے الفاظ حدیث اور دیگر احادیث کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

محدثین کا بالاتفاق کہنا ہے کہ یہ علم نہایت مخفی، دقیق اور بڑا اہم ہے۔ کیونکہ بسااوقات حدیث بظاہر کچھ معلوم ہوتی ہے، جبکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اور اُس اصل حقیقت کو جاننا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، حدیث کی اصل کیفیت جاننے کے لیے چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، مثلاً:

① ظاہری طور پر حدیث موصول ہو، جبکہ اس میں ارسال اور انقطاع پوشیدہ ہو تو یہ معلوم

کرلینا کہ حدیث کے مرسل یا منقطع ہونے کو فلاں راوی نے متصل بنا کر پیش کیا ہے۔

② حدیث اگر ظاہراً مرفوع ہو، جبکہ حقیقتاً موقوف ہو تو اس بات کا پتا لگانا کہ یہ حدیث موقوف تھی فلاں راوی نے اسے مرفوع بنادیا ہے۔

③ دو حدیثوں کے اختلاط کو جاننا۔

④ حدیث کی سند میں کسی راوی کے وہم کو معلوم کرنا وغیرہ۔ ان جیسے دیگر انتہائی دقیق اور مخفی اسباب کو معلوم کرنا نہایت مشکل امر ہے اور یہ علم عللِ حدیث میں مہارتِ تامہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس لیے اس فن میں کلام کرنے کی قدرت انھی محدثین کو نصیب ہوئی جو بیدار مغز، نہایت فہیم اور بھرپور قوتِ حافظہ کے مالک ہونے کے علاوہ اس علم پر مکمل عبور رکھتے تھے، جیسے امام علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام ابوزرعہ وغیرہ۔[1]

امام حاکم فرماتے ہیں کہ حدیث کی علل جاننے کے لیے اعلیٰ درجے کی ان تین صلاحیتوں کا ہونا نہایت ضروری ہے: اَلْحِفْظُ وَالْفَهْمُ وَالْمَعْرِفَةُ.[2]

امام عبدالرحمن بن مہدی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے صرف ایک حدیث کی علتوں کا معلوم ہو جانا اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے کہ میں ایسی بیس حدیثیں لکھوں جو مجھے معلوم نہ ہوں۔''[3]

عللِ حدیث کی معرفت میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقام

یہ ایک حقیقت ہے کہ عللِ حدیث کے علم میں امام بخاری اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اسی

1 الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث، ص: 73، وتدريب الراوي: 251/1. 2 معرفة علوم الحديث، ص: 113,112. 3 معرفة علوم الحديث، ص: 112.

وجہ سے اکابر علماء ہی نہیں بلکہ ان کے بڑے بڑے اساتذہ امام یحییٰ بن معین اور امام اسحاق بن راہویہ جیسے فاضل اجل بھی آپ ہی سے رجوع کرتے اور عللِ حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔

حافظ احمد بن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے ابو عثمان سعید بن مروان کے جنازے میں امام محمد بن یحییٰ ذہلی کو دیکھا، وہ امام بخاری سے حدیث کے راویوں کے نام، کنیتوں اور علل کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور امام بخاری یوں تیزی سے جواب دے رہے تھے، جیسے پڑھ رہے ہوں۔[1]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے امام اسحاق بن راہویہ کو چار پائی پر بیٹھے دیکھا۔امام بخاری بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔امام اسحاق نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی: حدثناعبدالرزاق۔ امام بخاری نے حدیث کی سند پر اعتراض کیا تو امام اسحاق نے امام بخاری کی تصحیح کو قبول کر لیا۔[2]

یہی حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع کو محمد بن اسماعیل بخاری سے عللِ حدیث کے سلسلے میں سوال کرتے دیکھا۔ جب یہ دونوں بزرگ مجلس سے جانے لگے تو حاضرین سے فرمایا: ''امام بخاری کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، یہ ہم سے بڑے فقیہ، ہم سے بڑے عالم اور بڑے صاحبِ بصیرت ہیں۔''[3]

عمرو بن زُرارہ اور محمد بن رافع کا شمار بڑے پائے کے محدثین میں ہوتا ہے۔ یہ امام بخاری

1 تاریخ بغداد: 31/2، وطبقات السبکي:229/2، وسیر أعلام النبلاء432/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:682,681۔ 2 تاریخ بغداد: 27/2، وسیرأعلام النبلاء 428/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري:676۔ 3 تاریخ بغداد:27/2، و سیر أعلام النبلاء 429/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري:677۔

کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان شیوخ کا امام صاحب سے عللِ حدیث کے بارے میں سوال کرنا ہی امام صاحب کے علم عللِ حدیث میں گہرے رسوخ اور امتیازی شان پر دلالت کرتا ہے، پھر ان بزرگوں نے تو ان کے مقام و مرتبے کو تسلیم بھی کیا ہے۔

علامہ مہیار فرماتے ہیں: میں نے امام اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین کو امام بخاری کے ہاں آتے جاتے دیکھا ہے۔ امام یحییٰ بن معین تو علمِ حدیث میں امام بخاری ہی کے فیض یافتہ معلوم ہوتے تھے۔[1]

امام بخاری فرماتے ہیں: ایک دن امام محمد بن بشار نے مجھ سے فرمایا: ''میں اس وقت تک کپڑے تبدیل نہیں کروں گا جب تک آپ میرے پاس آ کر میری احادیث کو دیکھ نہیں لیتے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری احادیث میں میرے لیے کوئی تکلیف دہ چیز ہے جو آپ کی نظر ہی ڈھونڈ سکتی ہے۔ آپ میری احادیث کو ایک نظر دیکھ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اور میری پریشانی دور ہو جائے گی۔''[2]

ابراہیم الخوّاص کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام ابو زرعہ کو امام بخاری کے سامنے ایک باادب بچے کی طرح بیٹھے دیکھا۔ وہ امام بخاری سے علل الحدیث کے سلسلے میں سوال کر رہے تھے۔[3]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے سلیم بن مجاہد کو امام بخاری سے یہ درخواست کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ مجھے روزانہ تین احادیث پڑھ کر ان کے معانی، تفسیر اور ان میں پائی جانے والی علتیں بیان کر دیا کریں۔ امام بخاری نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی۔[4]

کتاب العلل میں امام ترمذی لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی میں میں نے جتنی بھی احادیث

1 سير أعلام النبلاء:12/429. 2 سير أعلام النبلاء:12/422. 3 طبقات السبكي:2/222، وسير أعلام النبلاء:12/407. 4 سير أعلام النبلاء:12/449.

کی عِلَل بیان کی ہیں یا رجال یا تاریخ میں کلام کیا ہے، ان کا اکثر حصہ امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر سے نقل کیا ہے۔ زیادہ تر حصہ میں نے ان سے بالمشافہ سیکھا ہے اور بعض عِلَل میں نے امام دارمی اور امام ابو زرعہ سے بھی سیکھی ہیں۔[1]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے پورے عراق اور خراسان میں علل، تاریخ اور اسناد کی معرفت رکھنے والا امام بخاری جیسا بڑا عالم کبھی نہیں دیکھا۔[2]

حافظ ابو حامد الاعمش کہتے ہیں کہ میں ایک دن نیشاپور میں امام محمد بن اسماعیل بخاری کی خدمت میں حاضر تھا کہ امام مسلم آئے۔ انھوں نے ایک معلق سند کے ساتھ حدیث کا ابتدائی حصہ پڑھ کر یہ سوال کیا کہ اگر اس کی سند متصل ہے تو آپ اس معلق روایت کو متصل کر دیجیے۔ اشارۃً آپ نے معلق روایت کو یوں پیش کیا:

امام مسلم نے سوال کرتے ہوئے عبید اللہ بن عمر تابعی سے نیچے کے راویوں کا تذکرہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ اُن کا مقصد امام صاحب کے علم کو جانچنا پرکھنا تھا۔ امام صاحب نے فوراً حدیث کو متصل سند سے پڑھ کر سنا دیا:

3

1 العلل الصغير للترمذي، مصادر ذكر العلل في الأحاديث والرجال:738/1، وشرح علل الترمذي لابن حاجب، ص: 57، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص:57,56. 2 طبقات السبكي: 220/2، وسير أعلام النبلاء:432/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:678. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:682.

امام مسلم رحمہ اللہ نے اصرار کیا اور آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ قریب تھا کہ امام مسلم رو دیتے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر امام بخاری نے فرمایا: ''اگر ضروری ہے تو لکھ لیجیے: موسیٰ بن اسماعیل نے ہمیں حدیث سنائی، انھوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث سنائی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے عون بن عبداللہ سے حدیث سنائی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر انھوں نے حدیث پڑھی۔

امام مسلم کے اصرار کے بعد امام بخاری نے اس سند کی علت یوں بیان کی کہ یاد رکھیے! موسیٰ بن عقبہ کی کوئی حدیث سہیل کے واسطے سے مسند نہیں آئی۔ کسی راوی نے غلطی سے اسے مسند بیان کر دیا ہے۔ اصل میں اس سند سے یہ حدیث موقوف آئی ہے، پھر آپ نے اس کے موقوف ہونے کو یوں ثابت کیا:

یعنی سہیل نے عون بن عبداللہ کا قول روایت کیا ہے۔ (کسی نے غلطی سے اسے مرفوع روایت کر دیا۔)[1]

یہ سن کر امام مسلم فرمانے لگے:

''آپ سے صرف وہی شخص بغض و عناد رکھے گا جو حسد کی بیماری میں مبتلا ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا عالمِ حدیث اور کوئی نہیں۔''[2]

امام مسلم اسی مجلس میں امام بخاری کے پاس آئے اور ان کی پیشانی چومنے کے بعد

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:682. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:682.

امام مسلم رحمہ اللہ نے اصرار کیا اور آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ قریب تھا کہ امام مسلم رو دیتے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر امام بخاری نے فرمایا: ''اگر ضروری ہے تو لکھ لیجیے: موسیٰ بن اسماعیل نے ہمیں حدیث سنائی، انھوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث سنائی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے عون بن عبداللہ سے حدیث سنائی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر انھوں نے حدیث پڑھی۔

امام مسلم کے اصرار کے بعد امام بخاری نے اس سند کی علت یوں بیان کی کہ یاد رکھیے! موسیٰ بن عقبہ کی کوئی حدیث سہیل کے واسطے سے مسند نہیں آئی۔ کسی راوی نے غلطی سے اسے مسند بیان کر دیا ہے۔ اصل میں اس سند سے یہ حدیث موقوف آئی ہے، پھر آپ نے اس کے موقوف ہونے کو یوں ثابت کیا:

یعنی سہیل نے عون بن عبداللہ کا قول روایت کیا ہے۔ (کسی نے غلطی سے اسے مرفوع روایت کر دیا۔) [1]

یہ سن کر امام مسلم فرمانے لگے:

''آپ سے صرف وہی شخص بغض وعناد رکھے گا جو حسد کی بیماری میں مبتلا ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا عالِم حدیث اور کوئی نہیں۔'' [2]

امام مسلم اسی مجلس میں امام بخاری کے پاس آئے اور ان کی پیشانی چومنے کے بعد

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 682. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 682.

آپ سے کہا:

''اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور علل الحدیث کے ماہر! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں آپ کے پاؤں چوم لوں۔'' [1]

امام عبداللہ بن یوسف نے امام بخاری سے ایک دفعہ فرمایا: ''اے ابوعبداللہ! آپ میری کتابوں کو ایک نظر دیکھ لیں۔ ان میں کوئی کمی کوتاہی ہو تو بتا دیں۔'' آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ [2]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، آپ نے فرمایا: ''میں جب بھی امام سلیمان بن حرب کی خدمت میں حاضری دیتا تو وہ حکم دیتے کہ ہمیں امام شعبہ کی غلطیوں سے آگاہ کردیا کریں۔'' [3]

محمد بن ابی حاتم کے بقول امام بخاری نے فرمایا: ''میں ایک دن امام فریابی کی مجلس میں حاضر تھا۔ امام فریابی نے ایک حدیث کی سند یوں پڑھی:

حاضرین مجلس میں سے میرے علاوہ کوئی نہ جان سکا کہ ابوعروہ، ابوالخطاب اور ابوحمزہ

1 طبقات السبكي: 223/2، وسير أعلام النبلاء: 432/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 682. نوٹ: شیخ البانی رحمہ اللہ نے کفارۂ مجلس والی حدیث کو متعدد طرق پیش کر کے صحیح کہا ہے۔ صحيح الترغيب والترهيب: 216/2. 2 سير أعلام النبلاء: 419/12. 3 سير أعلام النبلاء 419/12.

سے کون مراد ہیں، چنانچہ میں نے کہا کہ ابو عروہ سے مراد معمر بن راشد اور ابو الخطاب سے مراد قتادہ بن دعامہ اور ابو حمزہ سے حضرت انس بن مالک مراد ہیں۔ امام ثوری اکثر ایسا ہی کرتے تھے کہ مشہور راویوں کے نام کی بجائے ان کی کنیتوں کا حوالہ دیتے تھے۔ [1]

1 سير أعلام النبلاء: 413/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 670.

اخذِ روایت اور راویوں کے متعلق امام بخاری کے چند اصول

اساتذہ کا انتخاب

امام بخاری اپنے اساتذہ اور دیگر راویوں کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے اور صرف انھی لوگوں سے احادیث روایت کرتے تھے جو ان کے نزدیک انتہائی قابلِ اعتماد تھے۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے صرف انھی لوگوں سے احادیث نقل کی ہیں جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔''[1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ کسی شخص نے امام بخاری سے ایک حدیث کی وضاحت چاہی۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں حدیث صحیح طور پر بیان نہیں کر رہا یا اس میں کوئی کمی کر رہا ہوں، حالانکہ میں نے ایک راوی سے دس ہزار احادیث محض اس لیے نقل نہیں کیں کہ مجھے اس پر اعتماد نہ تھا۔ اسی طرح ایک اور شخص سے اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ احادیث میں نے اس بنا پر روایت نہیں کیں

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:670.

کہ میرے نزدیک وہ شخص بھروسے کے قابل نہ تھا۔[1]

ان واقعات اور اقوال سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام بخاری نے اساتذہ کے انتخاب اوران سے روایت کرنے میں کیسامحتاط طریقِ کار اختیار کیا اور کتنی محنت کی۔ آپ صرف اہل سنت اساتذہ ہی سے روایت کرتے تھے اور معمولی سا شک بھی ہوتا تو حدیث چھوڑ دیتے تھے۔

روایت، نقل اور کتابتِ حدیث کے لیے الفاظ کا انتخاب

امام صاحب نے صحیح بخاری کے علاوہ اپنی دیگر کتب کے لیے شرائط کا کوئی ذکر نہیں کیا۔آپ کی دیگر کتب کی اسناد کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ الجامع الصحیح کے علاوہ آپ کی دیگر کتب میں صحیح احادیث کے علاوہ حسن اور ضعیف درجے کی احادیث بھی موجود ہیں اگرچہ بہت کم ہیں۔
صحیح بخاری میں امام بخاری کے منہج کو ہم باقاعدہ طور پر آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

نقل روایات کے لیے الفاظ کے انتخاب کا منہج

امام بخاری حَدَّثَنَا،أَخْبَرَنَا اور أَنْبَأَنَا تینوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ آپ کے نزدیک ان تینوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اس کی وضاحت خود امام صاحب نے صحیح بخاری (كتاب العلم، باب قول المحدث: حدّثنا، وأخبرنا، وأنبأنا) میں کردی ہے۔اسی بنا پر حدیث بیان کرنے کے لیے آپ نے صرف حَدَّثَنَا کو اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اس کا ذکر کیا ہے[2] البتہ لفظ عَنْ کے بارے

1 هدي السّاري مقدمة فتح الباري، ص:673. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:11.

میں امام صاحب نے اپنے شیخ علی بن مدینی رحمۃ اللہ کا موقف اپنایا ہے کہ لفظ عَنْ سے مروی سند اس شرط پر متصل ہوگی کہ راوی کا اپنے شیخ سے کسی ایک حدیث میں سماع یا ملاقات ثابت ہو جائے۔[1]

راویوں کی جانچ پرکھ کے اصول

امام بخاری راویوں پر تنقید کے معاملے میں بے حد محتاط تھے۔ آپ اس خوف سے لرزتے تھے کہ مبادا قیامت کے دن کوئی شخص آپ کے خلاف دعویٰ لے کر اُٹھ کھڑا ہو۔ اس بارے میں آپ نے خود فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا حساب نہیں لے گا کیونکہ میں نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی۔'' امام صاحب کا یہ فرمان بکر بن منیر سے مروی ہے۔[2]

امام ذہبی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بالکل درست فرمایا ہے کیونکہ جو شخص بھی راویوں پر امام صاحب کی جرح و تعدیل کا جائزہ لے گا، اسے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ امام بخاری نے مختلف لوگوں کو دیکھتے ہوئے کس قدر زبردست احتیاط برتی ہے۔ آپ جس راوی کو دیکھتے کہ وہ ضعیف ہے تو اس کے بارے میں فرماتے کہ فلاں مُنكَرُ الحدیث ہے۔ یا یہ فرماتے: ''علماء نے اس کے بارے میں چپ سادھ لی ہے۔'' یا فرماتے: ''اس میں اعتراض ہے۔'' بس اسی طرح کے محتاط الفاظ سے کام لیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ ''فلاں جھوٹا آدمی ہے، یا فلاں راوی خود حدیثیں گھڑ لیتا ہے۔'' اس بارے میں آپ کا ارشاد ہے: میں جب کسی راوی کے

1 الجرح والتعديل بين المتشددين والمتساهلين: 316. 2 طبقات الحنابلة: 276/1، وتاريخ بغداد: 13/2، وسير أعلام النبلاء: 439/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 673.

کے بارے میں یوں کہوں: «فُلَانٌ فِي حَدِيثِهِ نَظْرٌ» تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ کمزور راوی ہے۔

یہ ہے امام صاحب کے اس قول کا مطلب کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی شخص کی غیبت کرنے کا حساب نہیں لے گا۔ یہ تقوے کا اعلیٰ مقام ہے۔[1]

امام ذہبی کہتے ہیں کہ امام بخاری فِيهِ نَظْرٌ اور فِي حَدِيثِهِ نَظْرٌ کے الفاظ صرف اسی راوی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں جس پر عام طور پر جھوٹ کی تہمت لگی ہوتی ہے۔[2] مگر جس شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ دیں: ضَعِيفُ الْحَدِيث، مُضْطَرِبُ الْحَدِيثِ، لَا يُحْتَجُّ بِهِ، مَجْهُولٌ اور مُنْكَرُ الْحَدِيثِ تو ایسے راویوں سے روایت نقل کرنا بالکل ناجائز ہے۔[3]

1 سير أعلام النبلاء:12/ 441,439. 2 العراف في شرح الألفية: 11/2. 3 مقدمة ميزان الاعتدال:1/ 4,3.

9

نمایاں واقعات، بلند پایہ ملفوظات اور وفات

میں نے اپنی ساری کی ساری
زندگی نبی کریم ﷺ کی احادیث
جمع کرنے میں صرف کی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ

- زندگی کے نمایاں واقعات
- بلند پایہ ارشادات واقوال
- وفات حسرت آیات

زندگی کے نمایاں واقعات

”میں نے وہ سمندر میں پھینک دیے“

علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے الفوائد الدراری میں طالب علمی کے زمانے میں امام بخاری کے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امام بخاری بحری سفر کر رہے تھے۔ زادِ راہ کے طور پر ان کے پاس ایک ہزار دینار تھے۔ کشتی میں سوار ایک شخص نے آپ سے بڑی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ اس کا حسن سلوک دیکھ کر آپ بھی اس سے بڑی الفت سے پیش آئے، حتیٰ کہ وہ شخص آپ کے بہت قریب ہو گیا اور آپ ہی کے پاس اُٹھنے بیٹھنے لگا۔ ایک دن باتوں باتوں میں آپ اس سے یہ کہہ بیٹھے کے میرے پاس ایک ہزار دینار ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ آپ سے یہ ہزار دینار ہتھیانے کے حربے سوچنے لگا، بالآخر اس نے ایک بہت بڑا ڈرامہ رچایا۔

ہوا یوں کہ ایک دن وہ شخص نیند سے بیدار ہوتے ہی رونے اور چیخنے چلانے لگا۔ اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اپنے چہرے اور سر کو پیٹا اور ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ کشتی میں سوار دوسرے لوگوں نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو بڑے حیران ہوئے۔ اس

1 سير أعلام النبلاء: 446/12. 2 سير أعلام النبلاء 448,447/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 672,671.

سے رونے کا سبب پوچھا۔ مگر وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ میری ایک تھیلی گم ہوگئی ہے، اس میں ایک ہزار دینار تھے۔

لوگوں نے کشتی میں سوار ایک ایک فرد کی تلاشی لی۔ اس دوران میں امام بخاری نے چپکے سے اپنا بٹوہ دیناروں سمیت سمندر کی نذر کردیا۔ تلاشی لینے والوں نے امام بخاری کا سامان بھی ٹٹولا لیکن وہ تھیلی نہ ملی۔ اس طرح کشتی میں سوار تمام لوگوں کی تلاشی لی گئی مگر وہ ایک ہزار دینار نہیں ملے۔ لوگوں نے اس شخص کی سخت سرزنش کی کہ اس نے جھوٹ بول کر خواہ مخواہ تمام مسافروں کو پریشان کیا۔

جب کشتی کنارے جا لگی اور لوگ کشتی سے اتر کر اپنی اپنی منزل کو چل دیے تو مذکورہ شخص آپ کے پاس آیا۔ پوچھنے لگا کہ آپ نے ان ایک ہزار دیناروں کا کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے وہ سمندر میں پھینک دیے۔'' یہ جواب سن کر وہ بولا: ''آپ نے اتنی بڑی رقم کو ضائع کرنا کیسے گوارا کرلیا''؟ آپ نے فرمایا: ''تجھے کیا معلوم میں نے اپنی ساری زندگی نبی کریم ﷺ کی احادیث جمع کرنے میں کھپا دی ہے۔ لوگ میری امانت و دیانت داری کو خوب جانتے ہیں۔ بھلا میں کیسے برداشت کرلیتا کہ ایک ہزار دینار کی خاطر اپنے آپ پر چوری کی تہمت لگواؤں۔ دیانت اور امانت داری کا جو بے بہا موتی مجھے زندگی میں میسر آیا تھا، کیا میں اسے چند ٹکوں کے عوض گنوا دیتا؟''[1]

امیر بخارا کا امام بخاری رحمہ اللہ سے سخت رویہ

احمد بن منصور شیرازی کہتے ہیں: میں نے یہ واقعہ اپنے کئی دوستوں سے سنا ہے کہ جب امام بخاری بخارا تشریف لائے تو شہر سے پانچ سات کلومیٹر دور ہی آپ کے

1 الفوائد الدراري للعجلوني. یہ واقعہ صرف علامہ عجلونی ہی نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے: (سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 61,60)

استقبال کے لیے ایک شان دار تقریب منعقد کی گئی۔ بخارا شہر کا کوئی قابل ذکر آدمی ایسا نہ تھا جو آپ کے استقبال کے لیے نہ پہنچا ہو۔ استقبالیہ تقریب میں لوگوں کے آرام کے لیے باقاعدہ خیمے اور سائبان لگائے گئے۔ حاضرین کو شکر کا شربت پلایا گیا۔ آپ کی آمد کی خوشی میں لوگوں نے آپ پر درہم اور دینار نچھاور کیے۔

امام بخاری وہاں کچھ روز ہی ٹھہرے ہوں گے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی نے امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی کو خط بھیجا کہ اس شخص (محمد بن اسماعیل) نے سنت کی خلاف ورزی شروع کر رکھی ہے۔ امیر بخارا نے محمد بن یحییٰ ذہلی کا خط اہل بخارا کے سامنے پیش کیا اور امام بخاری کے بارے میں رائے طلب کی۔ اہل بخارا نے کہا کہ ہم امام بخاری کے ساتھ ہیں۔ ہم ان سے قطع تعلق نہیں کر سکتے لیکن لوگوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی امیر بخارا نے آپ کو بخارا سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔[1]

ابراہیم بن معقل النسفی کہتے ہیں کہ جس دن امام بخاری کو بخارا شہر سے نکالا گیا، اُسی دن میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا: کہ آپ جس دن یہاں تشریف لائے تھے، اس دن آپ کا زبردست استقبال ہوا تھا۔ لوگوں نے آپ پر درہم و دینار نچھاور کیے لیکن آج آپ کو یہاں سے نکالا جا رہا ہے، ان دونوں کے درمیان آپ کیا فرق محسوس کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دین سلامت ہے، اس

ابراہیم بن معقل النسفی: ابو اسحٰق ابراہیم بن معقل بن حجاج آپ نسف شہر کے قاضی تھے۔ آپ نے قتیبہ بن سعید، ابو کریب اور احمد بن منیع وغیرہ سے روایت کیا، جبکہ خلف بن محمد الخیام اور محمد بن زکریا وغیرہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ آپ ذو الحجہ 295ھ میں فوت ہوئے۔ آپ نے امام بخاری سے صحیح بخاری کو روایت کیا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: 493/13)

1 سير أعلام النبلاء: 463/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 687.

لیے میں ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں کہ آپ بخارا سے بیکند شہر کی طرف چل پڑے، لیکن اہل بیکند دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ آپ کا حامی تھا اور دوسرا گروہ آپ کا مخالف۔ سمرقند والوں کو یہ اطلاعات پہنچیں تو انھوں نے آپ کو سمرقند آنے کی دعوت دی۔ آپ سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی سمرقند کے کسی نواحی گاؤں ہی میں پہنچے تھے کہ مقامی لوگوں میں اختلاف کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ سمرقند میں آپ کی آمد کے حامی تھے اور کچھ خلاف تاہم فریقین افہام و تفہیم کے بعد سمرقند میں آپ کی آمد پر متفق ہو گئے۔ سمرقند والوں کے خیالات کی یہ تمام خبریں آپ تک مسلسل پہنچتی رہیں۔ بالآخر اہل سمرقند کی متفقہ دعوت پر آپ وہاں جانے کے لیے اپنی سواری پر بیٹھے تو تین بار فرمایا:

''پروردگار! مجھے وہ چیز عطا کر جو میرے لیے بہتر ہے۔''

اس دعا کے ساتھ ہی آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اہل سمرقند کو یہ الم ناک خبر ملی تو وہ سب آپ کے جنازے پر اُمنڈ آئے۔[1]

حافظ ذہبی کہتے ہیں: یہ واقعہ معتبر ذرائع سے نقل نہیں ہوا، تاہم صحیح واقعہ مذکورہ بالا

بیکند: بخارا اور جیحون کے درمیان قدیم ترکستان کا ایک شہر ہے جو بخارا سے تقریباً 24 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ماوراء النہر کے تمام شہر اور دیہات سرسبز و شاداب ہیں سوائے اس شہر کے۔ یہ دریائے جیحون کے ساتھ ساتھ واقع ریگستان کے قریب ہے۔ یہاں زراعت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس شہر میں ایک خوب صورت مسجد تھی جس میں قیمتی سنگ مرمر استعمال کیا گیا تھا اور قبلے کی سمت والی دیوار کو سونے کے تاروں سے مزین کیا گیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں اس کی فصیل کا صرف ایک دروازہ تھا۔ علم کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں مختلف علوم و فنون کے علمائے کرام بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اس وقت یہ شہر اُزبکستان کے مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ شہر ویران پڑا ہے۔

1 سیر أعلام النبلاء:464,463/12.

واقعے کے برعکس بیان کیا گیا ہے جس کے راوی علامہ غنجار ہیں۔ انھوں نے اپنی تاریخ میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ ابوعمرو احمد بن محمد المقری سے سنا تھا۔ انھوں نے بکر بن منیر بن خلید بن عسکر سے سنا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ بخارا کے امیر خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنی کتاب الجامع الصحیح اور التاریخ الکبیر کے ساتھ دیگر کتب لے کر میرے پاس آجائیں تاکہ میں آپ سے استفادہ کرسکوں۔

امام بخاری نے اس کے ایلچی کے ہاتھ یہ جواب لکھ بھیجا کہ میں علمِ دین کو رسوا نہیں کرسکتا کہ اسے اٹھا کر لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتا پھروں۔ اگر تم مجھ سے کچھ پڑھنے اور سننے کے آرزو مند ہو تو میری مسجد یا میرے گھر آجاؤ۔ اگر تمھیں یہ طریقہ ناپسند ہو تو تم حاکمِ وقت ہو، اقتدار کی طاقت سے میرے درسِ حدیث کا سلسلہ بند کرا دو تاکہ میں قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں تمھارے اس عمل کو تمھارے ہی خلاف بطور حجت پیش کروں۔ میں علم کو چھپا کر اپنے تک محدود نہیں رکھ سکتا، میں یہ علم لوگوں تک پہنچاتا رہوں گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''جس شخص سے دین کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بتانے سے گریز کرے اور اسے چھپائے، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

اس واقعے سے امام بخاری اور امیر بخارا کے مابین رنجش پیدا ہوگئی۔[1]

1 تاریخ بغداد: 33/2، و تهذيب الكمال: 106/16، و سير أعلام النبلاء: 464/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 688,687. مذکورہ واقعے میں نبی کریم ﷺ کے فرمان کے لیے ملاحظہ کیجیے: سنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث: 3658، و جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في كتمان العلم، حديث: 2649، و مسند أحمد: 353,344,305,263/2.

امام حاکم نے امام بخاری اور امیر بخارا کے مابین رنجش کی وجہ بننے والا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ محمد بن عباس الضبی سے سنا۔ انھوں نے ابوبکر بن ابوعمرو الحافظ البخاری سے سنا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ خلفائے بنوطاہر کی طرف سے مقرر کردہ امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی اور امام بخاری کے مابین رنجش کا سبب یہ بنا کہ خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر پر آ کر میرے بچوں کو الجامع الصحیح اور التاریخ الکبیر پڑھا دیا کریں۔ امام بخاری نے انکار کر دیا اور فرمایا: ''میں تعلیم کے لیے کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھ سکتا۔''

امیر بخارا نے امام بخاری کے انکار کو اپنی توہین خیال کیا اور حریث بن ابی ورقاء وغیرہ کو آپ کے درپے کر دیا۔ اُس نے آپ سے آپ کے مسلک کے بارے میں بحث و مناظرہ شروع کر دیا اور بالآخر آپ کو بخارا سے نکلوا کر دم لیا۔ تاریخ بغداد اور مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے بخارا سے نکلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی:

حریث بن ابی ورقاء: یہ شخص بخارا کے مشہور اور کبار فقہائے حنفیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اپنے ائمہ کے اقوال اور قیاس کے مقابلے میں کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ محدثین کرام سے اس کی خاص دشمنی تھی۔ حریث بن ابی ورقاء کے حالاتِ زندگی میں صرف اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اُس نے امام بخاری کو بخارا شہر سے نکلوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ والی بخارا کے ساتھ اس تعاون کے صلے میں حریث کو بہت بڑا شیخ بنا دیا گیا۔ احناف کے ہاں وہ ان کے کبار ائمہ میں شمار کیا گیا۔ امام بخاری اور حدیث سے شدید عداوت کے علاوہ ان میں اور کوئی ہُنر نظر نہیں آتا۔ (الجواهر المضيّة في طبقات الحنفية: 35/2.)

’’پروردگار! یہ لوگ مجھے جو تکلیف دینا چاہتے ہیں اس میں تو انھیں اور ان کے اہل و عیال کو مبتلا کر دے۔‘‘

اس واقعے پر ایک ماہ ہی گزرا ہوگا کہ بنو طاہر کے خلیفہ کی طرف سے امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی کی برطرفی کا حکم جاری ہوگیا، چنانچہ سرکاری کارندوں نے اسے گدھے پر بٹھا کر پورے شہر کا چکر لگوایا اور ساتھ ہی اس کی معزولی کی منادی بھی کی گئی۔ اسی طرح حریث بن ابی ورقاء اور اس کے دوسرے معاونین کو ان کے اہل و عیال سمیت اللہ تعالیٰ نے ایسی سخت آزمائشوں میں ڈالا کہ الامان والحفیظ۔[1]

امام حاکم ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ واقعہ خلف بن محمد نے بیان کیا اور انھیں سہل بن شاذَوَیہ نے سنایا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری تاجروں کے محلے میں رہتے تھے۔ وہاں کے کچھ لوگ آپ کے پاس آیا کرتے تھے، وہ لوگ اہل حدیث کے شِعار مفرد اقامت اور رفع الیدین وغیرہ اعمال ظاہر کرتے تھے۔

حریث بن ابی ورقاء اور کچھ دوسرے لوگوں نے آپ کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص فتنہ انگیز ہے۔ ہمارے شہر میں فساد برپا کرا دے گا۔ امام بخاری محدثین اور مسلک اہل حدیث کے حاملین کے امام تھے۔ محمد بن یحیٰی ذہلی نے انھیں اسی اندیشے کے پیش نظر نیشاپور سے نکلوا دیا تھا۔

امام بخاری نہایت متقی اور غیور انسان تھے۔ بادشاہوں کے پاس جانے سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن محمد بن واصل بیکندی سے یہ بات سنی کہ

1 سير أعلام النبلاء:465/12، وتاريخ بغداد:34,33/2، و طبقات السبكي:233/2، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:688.

انھوں نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ امام بخاری بخارا سے نکل کر ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم لوگوں نے آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھ لیں۔ ورنہ ہم لوگوں کے لیے امام صاحب کے پاس جانا محال تھا۔ فربر، بیکند اور گردونواح میں آپ ہی کی سعیِ بلیغ سے علم حدیث پہنچا اور لوگ سنت پر عمل کرنے لگے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی نے اپنے علاقے میں بڑے اچھے کارنامے انجام دیے، لیکن امام بخاری کے خلاف اُس نے جو سازش کی وہ اس کے زوال کا سبب بن گئی۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ اور محمد بن یحییٰ ذہلی کا واقعہ

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری جب نیشاپور تشریف لائے تو نیشاپور والوں نے آپ کے ساتھ جس حسن سلوک اور عزت و احترام کا برتاؤ کیا، وہ بے مثال تھا۔ میں نے کسی بڑے سے بڑے حاکم کی بھی اس قدر عزت افزائی ہوتے نہیں دیکھی۔ لوگ نیشاپور سے دو یا تین دن کا سفر طے کر کے ایک مقام پر پہنچے جہاں انھوں نے آپ کا شان دار استقبال کیا۔[2]

محمد بن یعقوب بن اخرم کا بیان ہے: میں نے اپنے دوستوں سے یہ بات سنی

محمد بن یعقوب بن اخرم: ابو عبداللہ محمد بن یعقوب بن یوسف بن اخرم شیبانی نیشاپوری 250ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے امام محمد بن نصر المروزی اور جعفر بن محمد الترک وغیرہ سے روایت کیا اور ابو عبداللہ بن مندہ، ابو عبداللہ الحاکم اور حسان بن محمد الفقیہ وغیرہ نے آپ سے درس حدیث لیا۔ ◄◄

1 سير أعلام النبلاء:12/466,465. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:684، وسير أعلام النبلاء:12/458.

کہ امام بخاری جب نیشا پور تشریف لائے تو چار ہزار گھڑ سواروں نے آپ کا استقبال کیا۔ ان کے علاوہ خچروں پر سوار اور پیدل چلنے والے بے شمار لوگ آپ کے استقبال کے لیے اُمنڈ آئے تھے۔[1]

امام محمد بن یحییٰ ذہلی کو نیشا پور میں امام بخاری کی آمد کا پتا چلا تو انھوں نے لوگوں سے فرمایا کہ امام بخاری یہاں پہنچ رہے ہیں، جو لوگ ان کے استقبال کے لیے چلنا چاہیں، چلیں۔ میں بھی ان کے استقبال کے لیے جاؤں گا، چنانچہ جب امام بخاری وہاں پہنچے تو محمد بن یحییٰ نے علمائے کرام کے ساتھ امام بخاری کا پرتپاک استقبال کیا اور انھیں خوش آمدید کہا۔ امام بخاری نے نیشا پور کے بخاری محلے میں قیام فرمایا۔

حسن بن محمد بن جابر کہتے ہیں کہ امام بخاری جب نیشا پور میں تشریف لائے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے ہم سے فرمایا:

''اس نیک آدمی کے پاس جاؤ اور اس سے حدیث سنو۔''

لوگ امام بخاری سے استفادہ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امام محمد بن یحییٰ ذہلی کی درس گاہ خالی ہوگئی۔ محمد بن یحییٰ نے حسد میں آکر امام بخاری کے بارے میں نازیبا باتیں کرنی شروع کر دیں۔[2]

امام محمد بن یحییٰ نے لوگوں کو پابند کیا تھا کہ امام بخاری سے کلام اللہ سے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے کیونکہ اگر انھوں نے ہمارے نظریات کے خلاف کوئی بات کہہ دی تو

» آپ جمادی الثانیہ 344ھ میں فوت ہوئے۔ (سير أعلام النبلاء: 466/15).

1 سير أعلام النبلاء: 437/12. 2 تاريخ بغداد: 30/2، وطبقات السبكي: 228/2، وسير أعلام النبلاء: 453/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 684.

ان سے ہماری اَن بن ہوجائے گی اورخراسان کے باطل فرقوں کے لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے اور ہم پر ہنسیں گے۔

امام بخاری کی زیارت کے لیے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوگیا کہ آپ کا گھر اور مکانوں کی چھتیں لوگوں سے بھر گئیں۔ دوسرے یا تیسرے دن ایک آدمی نے اَللَّفْظُ بِالْقُرآن، یعنی قرآن کے وہ الفاظ جوکسی کی زبان سے نکلے ہوں، ان کے متعلق وضاحت چاہی۔ آپ نے فرمایا:

''ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہم جو کچھ پڑھتے یا بولتے ہیں وہ ہمارے افعال ہیں۔''

آپ کے اس جواب پر وہاں اختلاف پھوٹ پڑا۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ امام بخاری کہتے ہیں: ''میرا قرآن کو پڑھنا ایک فعل ہے اور یہ فعل مخلوق ہے۔'' کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ امام بخاری نے یہ بات نہیں کی۔

بس اسی بات میں اختلاف کی وجہ سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی اور اہل خانہ نے باہم مل کر لوگوں کو وہاں سے چلتا کیا۔[1]

ابن علی مخلدی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کی زبان سے سنا کہ امام بخاری نے ہمارے سامنے ''لفظیہ'' کا قول ظاہر کیا ہے اور ''لفظیہ'' میرے نزدیک جہمیہ

جہمیہ: جہم بن صفوان کے ماننے والوں اور اُس کے عقائدِ باطلہ پر یقین رکھنے والوں کو ''جہمیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس طرح معتزلہ ''صفات ازلی'' کے منکر تھے، اسی طرح یہ بھی ان کے ہم خیال تھے۔ انھوں نے معتزلہ کے عقائد و خیالات میں مزید چند باتوں کا اضافہ کیا۔ ان کا ◄◄

1 سیر أعلام النبلاء: 458/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:684.

سے بھی زیادہ برے ہیں۔[1]

ابو احمد بن عدی کہتے ہیں کہ متعدد علماء نے مجھے بتایا کہ امام بخاری جب نیشا پور تشریف لائے تو آپ کی زیارت کرنے اور آپ سے حدیث پڑھنے کے لیے بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ نیشا پور کے کچھ علماء کو آپ کی اس قدر عزت افزائی ایک آنکھ نہ بھائی۔ وہ آپ سے حسد کرنے لگے۔ انھی حاسدین میں سے کسی نے آپ کے شاگردوں میں یہ بات پھیلا دی کہ امام بخاری کہتے ہیں:

''قرآن کو پڑھنا فعل ہے اور فعل مخلوق ہے۔''

چنانچہ انھوں نے امام بخاری سے دورانِ درس اس بارے میں بات کرنے کا پروگرام بنایا۔ لوگ جمع ہو گئے تو ایک شخص آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

''قرآن کے الفاظ جو انسان کے منہ سے نکلتے ہیں، آیا وہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟''

امام بخاری نے اس کی طرف بالکل دھیان نہ دیا۔ اس نے دوبارہ سوال دہرایا۔ آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جب تیسری مرتبہ اپنا سوال پیش کیا تو آپ نے

» عقیدہ تھا کہ جس صفت سے مخلوق کو موصوف کیا جاتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ اس عقیدے سے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حیّ (زندہ) اور عالم (جاننے والا) ہونے کی نفی کر دی۔ یہ لوگ اسی طرح کے دیگر باطل عقائد کے ماننے والے تھے، مثلاً: بندے کو کچھ اختیار نہیں، وہ مجبورِ محض ہے۔ جو کچھ کراتا ہے، اللہ ہی کراتا ہے۔ جنت اور جہنم بھی آخر کار فنا ہو جائیں گے۔ ایمان فقط معرفت کا نام ہے۔ ظالم حکمرانوں سے ہتھیاروں کے ساتھ لڑنا واجب ہے۔ ترمذ شہر سے ان کی بدعات کا آغاز ہوا۔ سلم بن احوز مازنی نے جہم بن صفوان کو بنوامیہ کے آخری دور میں مرو کے مقام پر قتل کرا دیا تھا۔

1 سير أعلام النبلاء :459/12.

اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے لیکن بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور اس بارے میں کسی کا امتحان لینا بدعت ہے۔''

یہ جواب سن کر وہ شخص مشتعل ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس کے ساتھ دیگر لوگ بھی مشتعل ہو گئے اور امام بخاری کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔[1]

محمد بن مسلم خشنام کہتے ہیں کہ نیشاپور میں قیام کے دوران میں ایک دفعہ امام بخاری سے انسان کے منہ سے نکلنے والے قرآنی الفاظ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے ابو قدامہ عبید اللہ بن سعید نے یحییٰ بن سعید القطان کے حوالے سے یہ روایت بیان کی:

''لوگوں کے تمام اعمال مخلوق ہیں۔''

یہ جواب سن کر لوگوں نے امام بخاری سے پڑھنا چھوڑ دیا۔ بعد ازاں انھوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ اپنے موقف سے رجوع کر لیں تو ہم لوگ آپ کے پاس پڑھنے کو تیار ہیں۔ آپ نے انھیں جواب دیا:

''اگر تم لوگ میری دلیل سے زیادہ زوردار اور قوی دلیل لے آؤ تو ٹھیک ہے، ورنہ نہیں۔''

1 سير أعلام النبلاء 12/454,453، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:684.

محمد بن مسلم خشنام کہتے ہیں کہ مجھے امام بخاری کی ثابت قدمی بڑی پسند آئی۔[1]

علامہ فربری کہتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ذیل کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگوں کے افعال مخلوق ہیں۔'' روایت یہ ہے:

''ہم سے علی بن مدینی نے بیان کیا، انھوں نے مروان بن معاویہ سے، انھوں نے ابومالک اشجعی سے، انھوں نے ربعی بن حراش سے، انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک ہر کام کرنے والے کو اور اس کے کام کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔''[2]

امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے ابو قدامہ عبیداللہ بن سعید سرخسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اپنے اصحاب (محدثین) سے ہمیشہ سنتا رہا ہوں کہ ''بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔'' امام بخاری نے اس جملے کو ذرا وضاحت سے یوں بیان کیا کہ انسانوں کی حرکات، ان کی آوازیں، ان کی کمائیاں (اعمال) اور ان کی لکھائی سب کچھ مخلوق ہے۔ لیکن قرآن مجید جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جو نہایت واضح ہے، جو صفحات میں

ابو قدامہ عبیداللہ بن سعید السرخسی: ابو قدامہ عبیداللہ بن سعید بن یحییٰ بن بُرد یشکری سرخسی نیشاپور آ کر آباد ہوئے۔ آپ نے حفص بن غیاث، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، جب کہ امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابوزرعہ وغیرہ جیسے جلیل القدر محدثین آپ کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ آپ بہت عظیم مصنف تھے۔ 241ھ میں فِرَبر میں فوت ہوئے۔ (سیر أعلام النبلاء: 112/12.)

1 تاريخ بغداد: 30/2، و سير أعلام النبلاء: 454/12. 2 سير أعلام النبلاء: 454/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 685، و المستدرك للحاكم: 32,31/1، و سلسلة الأحاديث الصحيحة: 181/4.

مرقوم ہے اور لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے وہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔[1]

قرآن مجید کے لوگوں کے دلوں میں محفوظ وثبت ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں (محفوظ) ہیں۔''[2]

امام بخاری مزید فرماتے ہیں کہ امام اسحاق بن راھویہ نے فرمایا کہ جو باتیں اور کلام لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ وثبت ہوجاتا ہے وہ تو مخلوق ہی ہے، اس بارے میں کون شک کرسکتا ہے۔[3]

محمد بن احمد بن حاضر العبسی کہتے ہیں کہ امام فربری نے ایک دفعہ امام بخاری کوفرماتے ہوئے سنا کہ قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ جو شخص اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے۔[4]

ابو حامد الأعمشی کا بیان ہے کہ میں نے ابوعثمان سعید بن مروان کے جنازے

ابوعثمان سعید بن مروان: ابوعثمان سعید بن مروان بن علی بغدادی نیشاپوری نے سلیمان بن حرب، یحییٰ بن معین اور ابونعیم فضل بن دکین وغیرہ سے روایت کیا ہے، جبکہ آپ کے ساتھیوں میں سے امام بخاری اور امام ابن ماجہ کے علاوہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ وغیرہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ آپ بروز سوموار 15 شعبان 252ھ میں فوت ہوئے۔ نیشاپور میں مدفون ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ◄◄

1 طبقات السبكي:2/228، و سير أعلام النبلاء12/454,455، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:685. سير أعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ یہ قول عبید اللہ بن سعید نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے، جبکہ مقدمہ فتح الباری میں یہی قول ابو قدامہ سے منقول ہے۔ اسی طرح امام بخاری کے الفاظ میں ''مَتْلُوّ'' (جس کی تلاوت کی جاتی ہے) کا لفظ سير اعلام النبلاء میں موجود ہے مگر مقدمہ فتح الباری میں نہیں ہے۔ 2 العنكبوت29:49. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:685.
4 سير أعلام النبلاء:12/456، و تاريخ بغداد:2/32.

میں امام بخاری کو اس عالم میں دیکھا کہ امام محمد بن یحییٰ ذہلی ان سے محدثین کے نام، کنیتیں اور علل الحدیث کے متعلق سوالات کرتے جارہے تھے اور امام بخاری معاً اتنی تیزی سے جواب دیتے جاتے تھے کہ جیسے کمان سے تیر نکلا چلا جارہا ہو۔ اس واقعے کو ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے یوں کہنا شروع کردیا کہ آج کے بعد جو شخص بھی امام بخاری سے پڑھنے جائے گا وہ ہماری درس گاہ میں نہیں آسکے گا۔ وجہ یہ ہے کہ بغداد سے کئی لوگوں نے ہمیں لکھ بھیجا ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے قرآنی الفاظ مخلوق ہیں۔ ہم نے انھیں ایسی باتیں کرنے سے منع کیا تھا لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے، لہٰذا تم لوگ بخاری کے ہاں مت جاؤ۔ جو شخص ان کے پاس جانا چاہے، وہ ہمارے پاس نہ آئے۔

اس واقعے کے تھوڑی مدت بعد ہی امام بخاری واپس بخارا چلے گئے۔[1]

ابو حامد بن الشرقی کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن یحییٰ الذہلی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور یہ تمام جہات و اطراف اور ہر پہلو سے غیر مخلوق ہے۔ جو شخص بھی اس کو اپنا مذہب بنائے گا وہ ''اللّفظ'' میں غور و فکر سے رک جائے گا بلکہ قرآن کے سلسلے میں کوئی بات ہی نہیں کرے گا اور جس نے یہ گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے۔ وہ ایمان کے دائرے سے بھی نکل گیا اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اس کا مال مسلمانوں

» فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس وقت نیشاپور ہی میں تھے۔ آپ کے جنازے میں شریک ہوئے۔ جبکہ محمد بن یحییٰ ذہلی نے بھی امام بخاری کے ساتھ جنازے میں شرکت کی۔ (تہذیب الکمال: 291/7.)

1 تاریخ بغداد: 31/2، و طبقات السبکي: 229/2، وسیر أعلام النبلاء: 455/12.

کے لیے مال غنیمت شمار ہوگا اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جو شخص اس معاملے میں شک میں پڑ جائے اور قرآن کو نہ مخلوق کہے اور نہ غیر مخلوق تو اس نے بھی گویا کفر کا ارتکاب کیا۔ جو شخص یہ کہے کہ قرآن کے وہ الفاظ جو میرے منہ سے ادا ہوں وہ مخلوق ہیں تو وہ شخص بدعتی ہے۔ اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہیے۔ نہ اس سے گفتگو کرنی چاہیے، چونکہ محمد بن اسماعیل بخاری یہی موقف رکھتے ہیں، اس لیے جو شخص ان کے ہاں جائے گا اس پر بدعتی ہونے کا الزام لگے گا کیونکہ ان کے ہاں اسی شخص کا آنا جانا ہوگا جو ان کے مسلک اور عقیدے کو مانتا ہوگا۔‘‘ [1]

محمد بن شادل کہتے ہیں کہ جب محمد بن یحییٰ الذہلی اور امام بخاری کے مابین ’’اللفظ‘‘ کا مسئلہ وجہ اختلاف بنا تو ایک دن میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ آپ اور محمد بن یحییٰ کے درمیان جو مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اس کی وجہ سے آپ کے پاس جو لوگ پڑھنے آتے ہیں، محمد بن یحییٰ ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ کیا اس مسئلے کا کوئی حل بھی ہے؟

امام بخاری نے جواب دیا:

محمد بن شادل: ابو العباس محمد بن شادل بن علی الہاشمی نیشاپوری نے ابو مصعب الزہری، امام اسحاق بن راہویہ، عمرو بن زرارہ اور ہناد بن سری وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ علی بن عیسیٰ اور احمد بن خضر الشافعی وغیرہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ آپ وفات سے بیس سال پہلے بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ بروز اتوار 12 ربیع الاول 311ھ کو فوت ہوئے۔ (سیر أعلام النبلاء: 263/14)

1 سیر أعلام النبلاء 456,455/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:685.

”محمد بن یحییٰ کو علم کے بارے میں کتنا حسد لاحق ہوگیا ہے۔ علم تو اللہ تعالی کا عطیہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔“

میں نے پوچھا: وہ مسئلہ کیا ہے جو آپ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جارہا ہے؟

آپ نے فرمایا: بیٹا! یہ ایک منحوس سا مسئلہ ہے۔ میں نے اسی کی وجہ سے احمد بن حنبل کو مار کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب میں نے طے کر لیا ہے کہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔

امام ذہبی کہتے ہیں کہ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ لفظ مخلوق ہیں۔ اس بارے میں امام بخاری سے پوچھا گیا تو انھوں نے ذرا توقف کے بعد یہ دلیل دی کہ ہمارے افعال مخلوق ہیں۔ لیکن امام ذہلی نے سمجھا کہ یہ بات تو مسئلہ ”اللفظ“ کی طرف جارہی ہے، چنانچہ انھوں نے اس معاملے کو اچھالنا شروع کر دیا اور اسے دوسرا رنگ دے دیا، حالانکہ امام بخاری کا موقف اور تھا۔

محمد بن نصر المروزی کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام بخاری سے سنا کہ جو شخص میری طرف یہ بات منسوب کرے:

”قرآن کے وہ الفاظ مخلوق ہیں جو میرے منہ سے نکلے ہوں، وہ شخص جھوٹا ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“

میں نے عرض کیا: لوگوں نے تو اس معاملے میں بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کی ہیں۔

امام صاحب نے فرمایا: بات اتنی ہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ابو عمرو الخفاف کہتے ہیں: ایک دن میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ دیر

ان سے احادیث کے متعلق سوالات پوچھتا رہا۔ اس سے ان کی طبیعت میں بشاشت پیدا ہوگئی۔ میں نے موقع غنیمت جان کر عرض کیا: حضرت! یہاں ایک آدمی نے آپ کے بارے میں مشہور کر رکھا ہے کہ آپ نے والی بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ابوعمرو! میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں، اسے یاد رکھنا، وہ بات یہ ہے: یہ نیشاپور، قُومس ، رَے، ہمذان، حُلوان، بغداد، کوفہ، بصرہ اور مکہ و مدینہ کے لوگوں میں سے جو شخص بھی میرے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے کہا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ میں نے قطعاً یہ بات نہیں کہی۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ أَفْعَالُ الْعِبَادِ مَخْلُوقَةٌ.[1]

اصل حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل، امام ذہلی اور امام بخاری کے نزدیک قرآن لفظاً اور معناً اللہ کا کلام ہے۔ اس حد تک کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن کہنے میں اختلاف ہے۔ امام احمد اور امام ذہلی اس کو درست نہیں سمجھتے کیونکہ لفظ دو معنوں میں مستعمل ہے: ① قرآن کے الفاظ

قُومِس: ایران کا ایک صوبہ ہے۔ عراق عجم، خراسان اور طبرستان کے درمیان واقع ہے۔ رَے (تہران) سے خراسان کو جانے والی بہت بڑی تجارتی شاہراہ یہیں سے گزرتی ہے۔

ہمذان: یہ قدیم ایران کا ایک شہر ہے جو کہ کوہِ الوند کے دامن میں تہران کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ایران و عرب میں اس کی عظمت و قدامت کی یاد ابھی تک باقی ہے۔ جمشید نے اس کے گرد قلعہ نما چار دیواری تعمیر کرائی جو ساسانی دور میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد کئی بادشاہوں نے اسے تباہ کیا اور کئی بادشاہوں نے از سرِ نو آباد کیا۔ آج بھی اس کے پرانے آثار موجود ہیں۔ یہ شہر قالین بانی کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ مشہور فلسفی ابن سینا نے اسی شہر میں 428ھ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوا۔ آب و ہوا کے لحاظ سے بڑا اچھا اور خوبصورت شہر ہے۔

1 سير أعلام النبلاء: 12/456-458.

② قرآن کے الفاظ پڑھنا اور انھیں اپنی زبان سے ادا کرنا۔ پہلے معنی کی رو سے الفاظِ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ انسانی فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے الفاظ کی قراءت اور تلاوت انسان نے کی ہے اس لیے وہ انسان کا عمل ہے۔ پہلے معنی کی رو سے اسے مخلوق کہنا صحیح نہیں اور دوسرے معنی کی رو سے اسے غیر مخلوق کہنا صحیح نہیں۔ عام آدمی دونوں معنوں میں امتیاز نہیں کرسکتا۔ اس لیے امام احمد اور امام ذہلی کہتے تھے کہ لفظي بالقرآن مخلوق کہنا درست نہیں ہے تا کہ غلط معنی کا اشتباہ پیدا نہ ہو لیکن امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اہل علم کو ان دونوں میں فرق کرنا چاہیے اور ضرورت کے وقت اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔[1]

احمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام بخاری کی خدمت میں عرض کیا: یہ آدمی (محمد بن یحییٰ ذہلی) خراسان میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ خصوصًا نیشاپور میں تو اس کا بڑا اثر ہے۔ اس مسئلے پر وہ خواہ مخواہ ضد پر اتر آیا ہے۔ ہم میں سے کسی شخص کو اس معاملے میں اس سے بات کرنے کی مجال نہیں۔ آپ اس سلسلے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ امام بخاری نے اپنی داڑھی پکڑ کر فرمایا:

''میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: پروردگار! تو یقیناً جانتا ہے کہ میں یہاں مستقل سکونت کا ارادہ نہیں رکھتا نہ یہاں کی سرداری کا متمنی ہوں۔ مجھے علم کی دولت تو نے ہی عطا کی

1 سير أعلام النبلاء: 459,458. 2 المؤمن 40:44.

ہے۔ اس علم کی وجہ سے یہ شخص مجھ سے حسد کرتا ہے۔ مجھے اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: احمد! میں کل یہاں سے جا رہا ہوں تاکہ تم اس سے علمی استفادہ کر سکو اور میری وجہ سے تم پر کوئی قدغن نہ ہو۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے احباب کو امام بخاری کے اس فیصلے کی اطلاع کر دی۔ لیکن اللہ کی قسم! میرے علاوہ انھیں کوئی رخصت کرنے نہ آیا۔ آپ جب نیشاپور سے نکلے تو اکیلا میں ہی ان کے ساتھ تھا۔ آپ شہر کے دروازے کے پاس تین دن قیام پذیر رہے کہ شاید اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نکل آئے۔[1]

محمد بن یعقوب کہتے ہیں کہ امام بخاری نیشاپور میں قیام پذیر ہوئے تو امام مسلم آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ اسی دوران میں جب امام ذہلی اور آپ کے درمیان اللّفظ کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا تو امام ذہلی نے امام بخاری کی علانیہ مخالفت شروع کر دی اور لوگوں کو امام بخاری کے پاس جانے سے روکنے لگے۔ امام مسلم کے سوا باقی تمام لوگوں نے امام بخاری سے قطع تعلق کر لیا۔ ایک دن امام ذہلی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اللفظ کے مسئلے پر محمد بن اسماعیل بخاری جیسا عقیدہ رکھتا ہو، وہ ہماری درس گاہ میں نہ آئے۔ یہ سنتے ہی امام مسلم نے اپنی چادر سمیٹ کر سر پر رکھی اور بھری محفل سے اٹھ کر چل دیے اور امام ذہلی سے جتنا کچھ پڑھ کر کتابوں کی شکل میں مرتب کر چکے تھے وہ سب کچھ ایک مزدور کے ہاتھ امام ذہلی کے پاس واپس بھیج دیا۔ آپ اللّفظ کے مسئلے پر امام بخاری کے موقف کے حامی تھے، علانیہ اس کا اظہار کرتے تھے، اپنے اس موقف کو چھپاتے نہ تھے۔[2]

محمد بن یعقوب بن اخرم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے متعدد احباب سے سنا کہ امام مسلم

1 سير أعلام النبلاء: 459/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 685. 2 سير أعلام النبلاء: 460,459/12.

اور احمد بن سلمہ نے امام ذہلی کی درس گاہ چھوڑ دی تو موصوف نے اعلان کرا دیا کہ یہ شخص (امام بخاری) میرے ہوتے ہوئے اس شہر میں نہ رہے۔ امام بخاری کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے جان کے خطرے کے پیش نظر اس شہر کو چھوڑ دیا۔ [1]

محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ایک شخص امام بخاری کے پاس آ کر کہنے لگا کہ فلاں آدمی آپ کو کافر کہتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان سنا دیا:

''جب کوئی شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کو کافر کہہ کر پکارتا ہے تو دونوں میں سے ایک اس قول کا مستحق ہو جاتا ہے۔'' [2]

امام بخاری کے اکثر احباب آپ سے شکایت کرتے رہتے تھے کہ یہاں کے کچھ لوگ آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتے ہیں، اس موقع پر آپ قرآن کریم کی ذیل کی آیات سنا دیتے تھے:

''بے شک شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔'' [3]

''اور بری چال اُسی کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔'' [4]

ایک دفعہ عبدالمجید بن ابراہیم نے امام بخاری سے گزارش کی کہ جو لوگ آپ پر زیادتی

1 سير أعلام النبلاء:12/460، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:685. 2 سير أعلام النبلاء:12/460، مذکورہ واقعے میں نبی کریم ﷺ کے فرمان کے لیے ملاحظہ کیجیے: صحيح البخاري، الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، حديث:6103. 3 النسآء4:76. 4 فاطر 35:43، وسير أعلام النبلاء:12/460،461.

کرتے ہیں، آپ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں اور آپ پر طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں، آپ ان کے خلاف بددعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے جواب میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنایا:

''ہر حال میں صبر کرتے رہنا یہاں تک کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے آملو۔''

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''جس شخص نے ظالم کے خلاف بددعا کی تو گویا اس نے بدلہ لے لیا۔'' [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جب بھی کسی کم عقل شخص نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی یا ہمارے درپے آزار ہوا تو اسے اللہ کی طرف سے مصائب اور حوادثِ زمانہ نے ایسا گھیرا کہ وہ بچ نہ سکا اور جب بھی کوئی احمق میرے خلاف کوئی سازش کرتا ہے تو مجھے رات کو خواب میں آگ نظر آتی ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، پھر اس آگ کو بجھا دیا جاتا ہے۔ میں اس وقت یہ آیت کریمہ پڑھنا شروع کر دیتا ہوں:

''جب کبھی یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین

1 سیر أعلام النبلاء: 12/461. نبی کریم ﷺ کے فرامین علی الترتیب ملاحظہ کیجیے: صحیح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ قبل حدیث: 7052، و جامع الترمذي، الدعوات، باب من دعا علی من ظلمه فقد انتصر، حدیث: 3552.

میں فساد پھیلانے کی سعی کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔‘‘ [1]

محمد بن ابی حاتم ہی کا بیان ہے کہ امام بخاری جب آخری دفعہ عراق سے واپس تشریف لائے تو رات کو میں جب بھی آپ کے پاس آتا تو آپ اکثر اس آیت کی تلاوت کرتے پائے جاتے تھے:

’’اگر اللہ تمھاری مدد پر ہو تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں انھیں اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔‘‘ [2]

احمد بن سیّار کے کاتب ابراہیم کہتے ہیں کہ امام بخاری جب ’’مرو‘‘ میں تشریف لائے تو آپ کا استقبال کرنے والوں میں احمد بن سیار بھی شامل تھے۔ احمد بن سیّار نے امام بخاری سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو آپ کے خیالات کی مخالفت نہیں کریں گے لیکن عام لوگ شاید گوارا نہ کر سکیں۔ امام بخاری نے جواب دیا: ’’اگر مجھ سے کسی مسئلے کے متعلق رائے مانگی جائے تو کیا میں اسے حق سمجھتے ہوئے بھی اس کے خلاف رائے دوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے جہنم سے بڑا خوف آتا ہے۔‘‘ احمد بن سیّار یہ جواب سن کر وہیں سے ہی واپس چلے گئے۔ [3]

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل

1 المائدة 5:64، و سیر أعلام النبلاء: 12/461. 2 آل عمرٰن 3:160، و سیر أعلام النبلاء: 12/462. 3 سیر أعلام النبلاء: 12/462.

البخاری 250ھ میں رَے میں تشریف لائے تو ابو زرعہ اور ابو حاتم نے آپ سے حدیث پڑھنی شروع کردی۔ اس دوران میں انھیں نیشاپور سے محمد بن یحییٰ الذہلی کا مکتوب ملا جس میں لکھا تھا کہ امام بخاری نے نیشاپور میں کہا تھا:

یعنی قرآن کے وہ الفاظ جو ان کی زبان سے ادا ہوں وہ مخلوق ہیں تو ان دونوں (ابوزرعہ اور ابو حاتم) نے آپ سے احادیث پڑھنی پڑھانی چھوڑ دیں۔ [1]

محمد بن نعیم کا بیان ہے کہ امام بخاری کے خلاف جب مذکورہ بالا فتنہ کھڑا ہوا تو اس دوران میں نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''ایمان قول اور عمل کا نام ہے، یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے۔ میں اسی عقیدے پر زندہ ہوں، اسی پر مروں گا اور ان شاء اللہ اسی عقیدے پر میرا حشر ہوگا۔'' [2]

ابراہیم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے مالک مکان نے بتایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات سے ایک دن قبل میں نے امام بخاری سے پوچھا تھا کہ قرآن کے متعلق آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ میں نے عرض کیا: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ قرآن کے بارے میں یہ موقف رکھتے ہیں کہ یہ نہ تو مصاحف میں ہے اور نہ لوگوں کے دلوں ہی میں ہے۔ آپ نے جواب دیا: اللہ سے معافی مانگو کہ تم میرے بارے میں وہ بات کہہ رہے ہو جو بذاتِ خود تم نے مجھ سے نہیں سنی۔ میں تو وہی بات کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے: ''قسم ہے طور کی! اور ایک کتاب کی

1 سير أعلام النبلاء:462/12. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:686.

جو لکھی ہوئی ہے!''[1] اس کے بعد فرمایا: میں کہتا ہوں کہ مصاحف میں بھی قرآن ہے اور لوگوں کے سینوں میں بھی قرآن ہے۔ جو شخص میرے متعلق اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو وہ کفر کی راہ پر چل رہا ہے۔ اسے توبہ کر لینی چاہیے۔[2]

1 الطور 2,1:52. 2 تاریخ بغداد: 33,32/2.

•

بلند پایہ ارشادات واقوال

امام بخاری رحمہ اللہ امام العلم ہیں۔آپ کے اقوال سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں کیونکہ یہ نہایت قیمتی علمی سرمایہ ہیں۔علم کے پیاسے ان کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔آپ کے چند اقوال وارشادات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

آدمی محدث کب بنتا ہے!

آپ نے فرمایا:

✵

''کوئی محدّث (عالم دین) اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے سے زیادہ علم والے، اپنے برابر کے عالم اور اپنے سے کم علم افراد سے احادیث لکھے (احادیث کا درس لے۔)''[1]

خوش ہو جائیے!

✵ محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن امام بخاری نے مجھے بہت سی احادیث لکھوائیں۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:671.

آپ کو جب احساس ہوا کہ میں بہت تھک گیا ہوں تو فرمایا:

''آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ کھیلنے والے کھیل کود میں مشغول ہیں، کاریگر اپنے کاموں میں جتے ہوئے ہیں، تاجر اپنے کاروبار میں مگن ہیں اور آپ نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔''[1]

چند اقوال زریں

* امام بخاری فرماتے ہیں:

''کسی مسلمان کو

زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی بھی وقت ایسی حالت میں ہو جب اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہ فرمائے۔''

* ایک موقعے پر آپ نے فرمایا:

''مسلمان کو جھوٹ بولنے اور بخل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔''[2]

* یہ بھی آپ کا فرمان ہے:

''میرے علم میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو انسان کو لاحق ہو اور اس کا حل قرآن و سنت میں نہ ملے۔''[3]

* ابوحسان مہیب بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو یہ الفاظ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے نزدیک میری تعریف کرنے والا اور میری مذمت کرنے والا دونوں برابر ہیں۔''[4]

1 سير أعلام النبلاء:445/12. 2 سير أعلام النبلاء:448/12. 3 سير أعلام النبلاء:412/12.

4 تاريخ بغداد:30/2، و تهذيب الأسماء واللغات:86/1.

✷ امام بخاری کے ایک شاگرد قاضی ابوالعباس ولید بن ابراہیم بن زید الہَمَذانی رَے کے قاضی تھے۔ وہ اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں بالغ ہوگیا تو علم حدیث میں امام بخاری کا چرچا سن کر مجھے بھی حدیث پڑھنے کا شوق ہوا، چنانچہ امام بخاری سے فیض یابی کا ارادہ کر کے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

''بیٹا! کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں، اس کی حدود اور مقدار کو جاننا ضروری ہے۔''

طالبانِ علم کو امام بخاری رحمہ اللہ کی ضروری ہدایات

آپ نے فرمایا:

رَے: زمانہ قدیم میں راغا(Ragha)، بلاد الجبال(Media) کا ایک مشہور شہر تھا۔ 1220ء میں تاتاریوں نے اسے تباہ کیا۔ آج کل یہ شہر ویران ہے۔ اس کے کھنڈر ایران کے شہر تہران کی جانب جنوب مشرق میں تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر دیکھے جاسکتے ہیں جو جبال البرز سے میدان کی طرف نکلے ہوئے ایک پہاڑی حصے کے جنوب میں واقع ہیں۔ تہران سے کئی سڑکیں شمالی جانب رَے کی طرف نکلتی ہیں۔ ہارون الرشید اسی شہر میں پیدا ہوا تھا۔

"یاد رکھو! کوئی عالم اس وقت تک کامل محدث نہیں بن سکتا جب تک وہ احادیث اس طریقے سے نہ لکھے: وہ چار چیزیں لکھے، چار چیزوں کے ساتھ لکھے، چار چیزوں کی طرح لکھے، چار چیزوں جیسی لکھے، چار چیزوں میں لکھے، چار حالتوں میں لکھے، چار قسم کے علاقوں میں لکھے، چار چیزوں پر لکھے، چار قسم کے لوگوں سے لے کر لکھے، چار مقاصد کے تحت لکھے۔ جب ان سب رباعیات کی شرائط پوری ہوجائیں، تو اس کے لیے چار چیزیں آسان ہوجائیں گی اور چار چیزوں سے اسے آزمایا جائے گا۔ پھر ان رباعیات پر جو شخص عمل کرے، اسے دنیا میں چار انعامات سے نوازا جائے گا اور چار انعامات آخرت میں دیے جائیں گے۔"

قاضی ولید بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے گزارش کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ آپ ذرا ان رباعیات کی تفصیل بیان کردیں۔ امام صاحب نے فرمایا: ہاں! ان کی تفصیل سن لو:

رباعی: (1): أَنْ يَكْتُبَ أَرْبَعًا، وہ چار چیزیں لکھے:

- احادیث رسول (ﷺ)
- صحابہ کے اقوال اور ان کے حالاتِ زندگی
- تابعین کے احوال واقوال

رباعیات: چار باتوں کے مجموعے کو "رُباعی" کہتے ہیں۔ اس کی جمع رُباعیات ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

دیگر علماء کے حالاتِ زندگی۔

رباعی: (2): مَعَ أَرْبَعٍ، چار چیزوں کے ساتھ لکھے:

رجال (راویانِ) حدیث کے نام

ان کی کنیتیں

ان کی جائے سکونت

ان کے سنین ولادت وسنین وفات اور دیگر احوال تحریر کرے۔

رباعی: (3): کَأَرْبَعٍ، چار چیزوں کی طرح لکھے، جس طرح:

خطبے میں حمد وثنا سے بات کا آغاز لازم ہے

اطمینان کے ساتھ دعا مانگنا لازم ہے

قرآنی سورتوں کے ساتھ بسم اللہ ضروری ہے

نمازوں کے ساتھ تکبیر لازم ہے۔

رباعی: (4): مِثْلُ أَرْبَعٍ، چار چیزوں جیسی لکھے:

مسند احادیث (وہ احادیث جن کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف ہو)

مرسل احادیث (جن میں صحابی کا نام مذکور نہ ہو)

موقوف احادیث (صحابہ کے اقوال)

مقطوع احادیث (تابعین کے اقوال) الغرض تمام قسم کی احادیث سے واقفیت حاصل کرے۔

رباعی: (5): فِي أَرْبَعٍ، چار اوقات میں لکھے:

کم سنی میں لکھے

② نوجوانی میں لکھے

③ بھرپور جوانی (ادھیڑ عمر) میں لکھے

④ بڑھاپے میں لکھے۔ (مطلب یہ کہ عمر کے کسی بھی حصے میں حصولِ علم کا ذوق ماند نہ پڑے۔ قلم رکے نہ کبھی وہ علم سے سیر ہو۔)

رباعی: (6): عِنْدَ أَرْبَعٍ، چار حالتوں میں لکھے:

① کام کاج کے دوران میں لکھے

② فرصت کے لمحات میں لکھے

③ فقر وفاقہ میں لکھے

④ خوشحالی میں لکھے (ہر حال میں اسے حدیث ہی کی دھن لگی رہے۔)

رباعی: (7): بِأَرْبَعٍ، چار قسم کے علاقوں میں لکھے:

① پہاڑی علاقوں میں علم کی تلاش جاری رکھے

② بحری سفر کرنا پڑے تو دوران سفر لکھے

③ شہروں میں گھوم پھر کر علم تلاش کرے

④ عام آبادیوں میں جائے اور علم تلاش کرے۔ غرض علم جہاں بھی پائے، لکھے۔

رباعی: (8): عَلٰی أَرْبَعٍ، چار چیزوں پر لکھے:

① پتھروں پر لکھے

② سیپیوں پر لکھے

③ چمڑے پر لکھے

④ ہڈیوں پر لکھے۔ غرضیکہ کاغذ نہ ملے تو جو چیز بھی میسر ہو، اس پر لکھتا چلا جائے۔

رباعی: (9): عَنْ أَرْبَعٍ، چار قسم کے لوگوں سے لے کر لکھے:

بڑی عمر کے لوگوں سے لکھے

اپنے سے کم عمر لوگوں سے علم حاصل کرے

اپنے ہم عمر لوگوں سے لکھے

اپنے والد کی کتاب سے پڑھ کر علم حاصل کرے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ یہ کتاب اُس کے والد ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

رباعی: (10): لِأَرْبَعٍ، ذیل کے چار مقاصد پیش نظر رکھے:

رضائے الٰہی کا حصول

جو احکام کتاب الٰہی کے مطابق ہوں ان پر عمل کرنے کی نیت ہو

طالبانِ دین تک ابلاغ کی نیت ہو

علمی ذخیرے کو محفوظ کرنے کے لیے اس کی کتابی شکل میں اشاعت مقصود ہو۔

پھر فرمایا: مذکورہ بالا دس رباعیات ذیل کی دو رباعیوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتیں:

رباعی: (1)

ذاتی کوشش

فن کتابت سے واقفیت

علم لغت

علم النحو اور علم الصرف میں مہارت۔

رباعی: (2)

صحت

صلاحیت

حصولِ علم کا شوق

قوی حافظہ۔

پھر فرمایا: یہ چیزیں جسے نصیب ہو جائیں تو ذیل کی چار چیزیں اس کے لیے کوئی قیمت نہیں رکھتیں: ① بیوی ② اولاد ③ مال و دولت اور جائداد ④ وطن۔

اس مقام تک انسان پہنچ جائے تو چار ناگوار صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

تکلیف میں مبتلا دیکھ کر دشمن خوش ہوتے ہیں۔

دوست ملامت کرتے ہیں۔

جاہل طبقہ طعنے دیتا ہے۔

ہم عصر علماء حسد کرنے لگتے ہیں۔

ان تکالیف پر جو شخص صبر کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں چار انعامات سے نوازتا ہے:

قناعت کی دولت عطا کر کے معاشرے میں معزز بناتا ہے۔

ایمانی رعب عطا کرتا ہے۔

علم کے ذریعے سے قلبی سکون اور دلی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

دائمی خوشی نصیب ہوتی ہے۔

پھر آخرت میں انسان ذیل کے چار انعامات کا مستحق قرار پاتا ہے:

اپنے قرابت داروں میں جس کی شفاعت کرنا چاہے، اُسے اس کی اجازت مل جائے گی۔

عرشِ عظیم کا سایہ نصیب ہوگا۔

حوضِ کوثر سے وہ جسے چاہے گا پانی پلا سکے گا۔

جنت الفردوس میں انبیاء ورسل علیہم السلام کا پڑوس نصیب ہوگا۔

اس کے بعد امام بخاری نے ارشاد فرمایا: بیٹے! میں نے اپنے اساتذہ سے مختلف اوقات اور مختلف مجالس میں جو کچھ سنا تھا، وہ میں نے تمھیں ایک ہی بار سنا دیا۔ اب حدیث پڑھنا چاہو تو پڑھ لو ورنہ ارادہ ترک کر دو۔

قاضی ابو العباس ولید بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کی یہ بات سن کر سخت گھبرا گیا۔ میں نے خاموش ہو کر ادب سے سر جھکا لیا اور گہری سوچ میں پڑ گیا کیونکہ امام صاحب نے علمِ حدیث کے لیے جس مشقت اور محنت کی بات کی تھی، میں اس کا متحمل نہ تھا۔ انھوں نے مجھے متفکر پایا تو فرمایا: اگر تم اس قدر کوشش اور محنت کی ہمت نہیں رکھتے تو پھر علم فقہ کی طرف دھیان دو۔ یہ علم تو مختلف شہروں میں گھومے پھرے اور سمندروں میں لمبے لمبے سفر کیے بغیر گھر بیٹھے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علم حدیث ہی کا ثمر ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کے چند اشعار

امام بخاری باقاعدہ شاعر تو نہ تھے، تاہم کبھی کبھار انتہائی عام فہم، بلند پایہ، پُرمغز اور نصیحت آموز شاعرانہ کلام لکھ ڈالتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''امام بخاری عربی ادب اور فنونِ صرف ولغت کے ماہر تھے۔''[2]

ذیل میں امام بخاری کے چند اشعار اور ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

1 إرشاد الساري للقسطلاني:28,27/1، و تهذيب الكمال:105,104/16، و تدريب الراوي: 158,157/2. 2 تغليق التعليق:400/5.

''فارغ اوقات میں نفل نماز کو غنیمت سمجھو، کیا معلوم کہ تمھیں اچانک موت آ جائے۔ میں نے بہت سے تندرست لوگوں کو دیکھا ہے کہ انھیں اچانک موت نے آلیا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان اشعار کے بعد لکھا ہے: ''تعجب کی بات ہے کہ یہ اشعار لکھنے کے کچھ ہی عرصے بعد امام بخاری رحلت فرما گئے۔''[1]

امام بخاری کو اپنے شاگرد امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی کی وفات کی اطلاع ملی تو انھوں نے حیرت، خوف اور پریشانی کے عالم میں اپنے سر اور نگاہوں کو کچھ دیر جھکائے رکھا، پھر سر اٹھایا، روتے ہوئے پڑھا، پھر فرمایا:

''اگر تم زندہ رہتے تو تمھیں اپنے احباب کی موت کے صدمے اٹھانے پڑتے۔ یوں تمھارا زندہ رہنا تمھارے لیے کتنا تکلیف دہ اور کربناک ہوتا۔''[2]

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی کی وفات کی اطلاع بذریعہ خط آپ کو پہنچی تھی۔ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی کی وفات آٹھ ذوالحجہ 255ھ کو ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد خود امام بخاری ایک سال سے بھی کم عرصے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 674، وتغليق التعليق: 400/5. 2 تغليق التعليق: 400/5.

''ان جانوروں کی طرح جنھیں اپنے مقررہ وقت کا پتا نہیں ہوتا جب تک انھیں ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ نہ لایا جائے۔''

''لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آیا کرو۔ ان پر کتے کی طرح مت بھونکو۔''[1]

1 طبقات السبکی:2/235.

وفات حسرتِ آیات

ابن عدی نے امام بخاری کے انتقال کا واقعہ یوں بیان کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ عبدالقدوس بن عبدالجبار سمرقندی سے سنا تھا۔ انھوں نے کہا کہ امام بخاری سمرقند سے تقریباً دس کلومیٹر دور واقع ایک گاؤں خرتنگ میں تشریف لائے۔ وہاں آپ کے کچھ رشتے دار مقیم تھے۔ ایک رات آپ نے تہجد کی نماز کے بعد یہ دعا مانگی:

''پروردگار! تیری یہ زمین فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ اب تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔''

اس دعا کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ وفات پا گئے۔[1]

ابراہیم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری جب خَرتنگ نامی گاؤں میں انتقال کر گئے تو میں نے ارادہ کیا کہ شہر سمرقند میں آپ کی تدفین کی جائے لیکن ہمارے ایک ساتھی کے اصرار پر آپ کی تدفین خَرتنگ ہی میں کی گئی۔ آپ کی تدفین کی ذمہ داری میں نے ہی نبھائی۔[2]

1 تاريخ بغداد:34/2، و تهذيب الكمال:107,106/16، و طبقات السبكي:232/2، و سير أعلام النبلاء:466/12، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:688. 2 تاريخ بغداد:32/2.

امام بخاری نے خرتنگ میں ابو منصور غالب بن جبریل کے ہاں قیام فرمایا تھا۔ وہ امام صاحب کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام بخاری اپنی آمد کے کچھ دنوں بعد سخت بیمار پڑ گئے۔ اسی دوران میں اہلِ سمرقند کی طرف سے ایک شخص آپ کو لینے کے لیے آ پہنچا۔ آپ سخت بیماری کے باوجود سمرقند جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ موزے پہنے، پگڑی باندھی۔ میں نے آپ کا بازو تھام کر آپ کو سہارا دیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا جو آپ کو گھوڑے تک پہنچانے میں مدد دے رہا تھا۔ آپ بمشکل بیس قدم ہی چل پائے تھے کہ فرمایا: مجھے چھوڑ دو، میں سمرقند نہیں جاسکتا کیونکہ میں بہت کمزور ہوگیا ہوں، اس کے بعد انھوں نے کچھ دعائیں مانگیں اور لیٹ گئے۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔ إنّا لله وإنّا إليه راجعون.

وفات کے بعد آپ کے جسم سے اس قدر پسینہ بہنے لگا کہ بیان سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو غسل کے بعد کفن پہنا دیا گیا، لیکن پسینہ بند نہیں ہوا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے قمیص اور پگڑی کے بغیر کفن دیا جائے جو تین کپڑوں پر مشتمل ہو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہم لوگ آپ کو دفن کر چکے تو قبر کی مٹی سے عجیب قسم کی خوشبو اٹھنے لگی۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ وہ خوشبو اس قدر منفرد تھی کہ کستوری کو بھی مات کر رہی تھی۔

اس کے بعد آپ کی قبر مبارک کے برابر سے، آسمان کی طرف بلند ہوتے ہوئے سفید ستون نظر آنے لگے تو لوگ خوشبو لینے کے بعد ان ستونوں کو دیکھنے آنے لگے اور قبر مبارک سے اتنی زیادہ مقدار میں مٹی اٹھا کر لے گئے کہ چاروں طرف سے قبر ظاہر ہوگئی۔ ہم نے قبر کی حفاظت کے لیے قبر کو کانٹے دار ٹہنیوں اور لکڑیوں سے ڈھانک دیا کوئی قبر تک پہنچنے نہ پائے۔ اس کے باوجود لوگ قبر کے اطراف سے مٹی اٹھاتے رہے،

تاہم قبر محفوظ ہوگئی۔

قبر سے کئی دن تک مسلسل خوشبو آتی رہی۔ لوگ اس خوشبو کا چرچا اور اس پر تعجب کا اظہار کرتے رہے۔ یہ باتیں مشہور ہوئیں تو آپ کے مخالفین بھی آپ کی عظمت کے معترف ہوگئے۔ بعض مخالفین تو آپ کی قبر پر آئے۔ انھوں نے آپ کے مسلک کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے پر ندامت کا اظہار کیا اور توبہ بھی کی۔[1]

عبدالواحد بن آدم الطّواویسی رحمہ اللہ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ایک جگہ کھڑے ہوئے دیکھا۔ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد میں نے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں محمد بن اسماعیل البخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس کے کچھ دنوں بعد مجھے امام صاحب کے انتقال کی خبر ملی تو ان کی وفات کا وقت وہی تھا جس وقت میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام صاحب کا انتظار کرتے دیکھا تھا۔[2]

خلف بن محمد الخیام کہتے ہیں کہ میں نے مہیب بن سُلیم الکرمینی سے سنا کہ امام بخاری نے 256ھ کو عید الفطر کی رات انتقال کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر 62 برس تھی۔ آپ گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ صبح کے وقت ہم ان کے پاس گئے تو وہ فوت ہو چکے تھے۔[3]

ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن حسین البزّار البخاری کو امام بخاری کی وفات

1 سير أعلام النبلاء:467,466/12، وطبقات السبكي234,233/2. 2 تاريخ بغداد:34/2، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:688. 3 سير أعلام النبلاء:468/12.

کا ذکر کرتے ہوئے سنا کہ امام بخاری ہفتے کی رات کو عشاء کی نماز کے وقت فوت ہوئے۔ وہ عید الفطر کی رات تھی۔ آپ کی تدفین عید الفطر کے دن ظہر کے بعد عمل میں آئی۔ یہ 256ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر 13 دن کم 62 برس تھی۔[1]

کسی شاعر نے کتنے خوبصورت اور مختصر انداز میں سال ولادت، سال وفات اور پوری عمر کو درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے ؎

علم الاعداد کی رو سے دیکھا جائے تو صدق (ص:90+ د: 4+ ق:100) کا مجموعہ 194 بنتا ہے جو امام صاحب کا سال ولادت 194ھ ہے اور آپ نے اپنی ساری زندگی نہایت بلند پایہ علمی کام اور خوبیوں میں گزار دی، یعنی حمید (ح: 8 + م:40+ی: 10+ د: 4) کا مجموعہ 62 بنتا ہے جو امام صاحب کی پوری عمر 62 سال کی طرف اشارہ ہے۔ اور نور میں آپ نے وفات پائی، یعنی نور (ن:50+و: 6+ ر:200) کا مجموعہ 256 بنتا ہے۔ یہ امام صاحب کا سن وفات 256ھ ہے۔[2]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر سے یہ واقعہ سنا تھا کہ انھوں نے محمد بن حاتم الخلقانی کو خواب میں دیکھا۔ وہ امام محمد بن حفص کے شاگرد تھے۔ ابوذر کہتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ محمد بن حاتم وفات پا چکے ہیں۔ میں نے ان سے اپنے استاذ کے

1 سير أعلام النبلاء:12/468، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:688. 2 الإمام البخاري لنزار بن عبدالكريم الحمداني، ص:107.

متعلق پوچھا کہ کیا آپ نے انھیں دیکھا ہے؟ کہنے لگے: ہاں! میں نے دیکھا ہے، پھر ایک بلند مکان کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں۔ اس کے بعد میں نے امام بخاری کے متعلق یہی سوال کیا تو کہنے لگے: ہاں! انھیں بھی دیکھا ہے، پھر آسمان کی بلندی کی طرف یوں اشارہ کیا، قریب تھا کہ وہ گر پڑتے۔ [1]

1 سير أعلام النبلاء: 468/12.
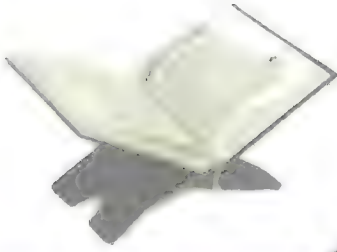
صحیح البخاری، تعارف، اہمیت اور مقام ومرتبہ
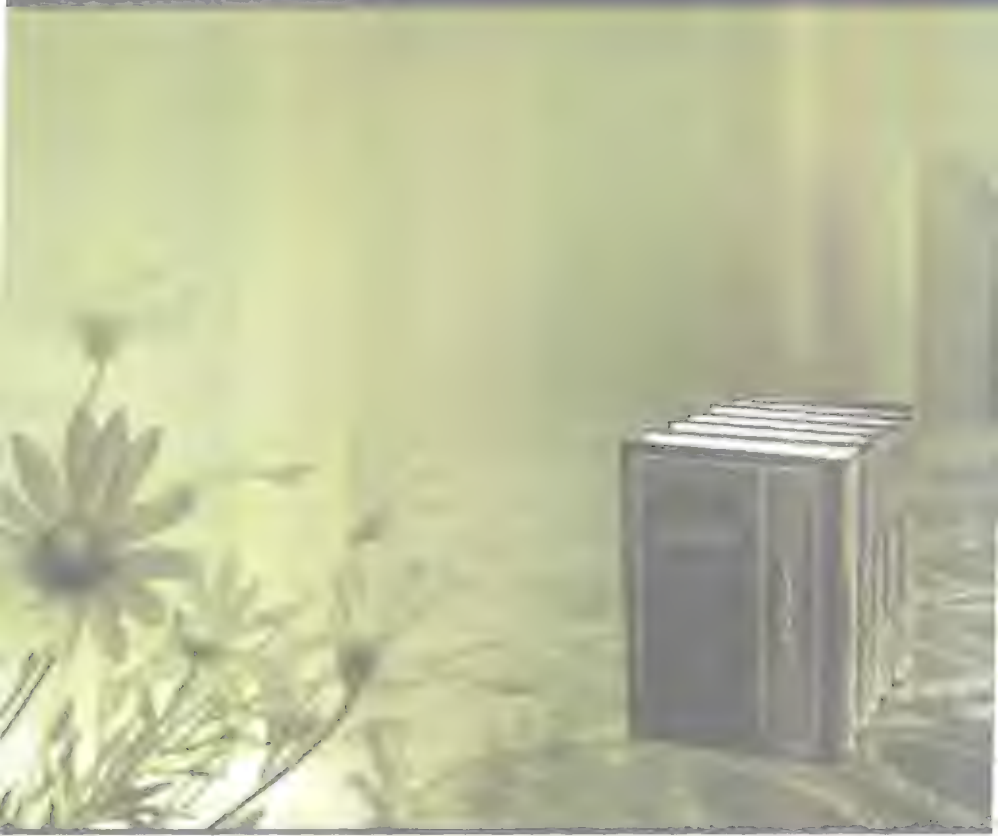
- کتاب کا نام، تعارف اور مقام ومرتبہ
- صحیح بخاری کی تالیف کے قواعد وشرائط
- صحیح بخاری کے بارے میں اہل علم کی آراء اور ان کے خواب
- شروحات ومتعلقاتِ صحیح بخاری

•

کتاب کا نام، تعارف اور مقام و مرتبہ

مکمل نام اور امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف نسبت

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی کتاب کا نام یہ رکھا ہے:

[1]

جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول امام صاحب نے اس کا نام یہ رکھا تھا:

[2]

صحیح بخاری کے مذکورہ نام کی وضاحت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

الجامع: احادیث کا وہ مجموعہ جس میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق احادیث ہوتی ہیں۔ ماہرینِ فن کے نزدیک کتب حدیث کی تصنیف کا وہ طریقہ ہے جس میں حسب ذیل آٹھ ابواب شامل ہوں:

① عقائد ② احکام ③ سیر ④ آداب ⑤ تفسیر ⑥ مغازی ⑦ فتن ⑧ مناقب

1 تهذيب الأسماء واللّغات: 91/1. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 10.

المسند: ایسی صحیح حدیث جس کی سند ابتداء سے انتہاء تک متصل ہو۔ علاوہ ازیں حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث اسمائے صحابہ کی ترتیب سے جمع کی جائیں یا صحابہ کے حسب ونسب کا لحاظ کیا جائے ہے، مثلاً: مسند ابی داود طیالسی، مسند احمد بن حنبل۔

الصحیح: وہ حدیث، جو درج ذیل صفات کی حامل ہو، صحیح کہلاتی ہے:

سند متصل ہو، راوی عادل ہو، راوی کا حافظہ صحیح ہو، حدیث شاذ (حدیث قوی) کے مخالف) نہ ہو، حدیث میں علت (ظاہری یا خفیہ عیب) نہ ہو۔ ایسی حدیث کو مُسند، متصل اور متواتر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی تمام احادیث مذکورہ صفات کی حامل ہیں، اسی وجہ سے امام بخاری نے اپنی اس کتاب کا نام الصحیح رکھا۔

المختصر: چونکہ امام صاحب نے نہایت ہی اختصار سے کام لے کر لاکھوں احادیث میں سے صرف چند ہزار صحیح احادیث کا مجموعہ ترتیب دیا ہے اور طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے بہت سی صحیح احادیث کو بھی ترک کر دیا ہے، اس لیے انھوں نے اس کا نام المختصر رکھا۔

بعض علمائے کرام نے حدیث کے معنی ومفہوم کو وسعت دیتے ہوئے کہا: ''جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، خواہ قول، فعل یا تقریر ہو، جبلی یا اخلاقی صفات ہوں یا قبل از نبوت یا بعد از نبوت آپ کی سیرت مبارکہ ہو۔'' بعض نے مزید وسعت دے کر اس میں آپ ﷺ کے عہد کی تاریخ کو بھی شامل کیا اور وضاحت کر دی کہ حدیثِ رسول صرف ایک عہد زریں کی تاریخ نہیں بلکہ اس کی حیثیت شریعت اور قانون کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حدیث کی اس کتاب کا نام الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ و سننه و أیامه رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے مفہوم میں اقوال، افعال، تقریرات اور نبی ﷺ کے

احوال شامل ہیں۔[1]

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ کتاب امام بخاری سے متواتر سند سے مروی ہے اور آپ سے روایت کرنے والوں میں سے محمد بن یوسف فربری کا نسخہ شہرت کاملہ کو پہنچا ہوا ہے۔[2] محمد بن یوسف فربری کے بقول صحیح بخاری کو امام بخاری سے مکمل طور پر سننے والوں کی تعداد 90 ہزار ہے لیکن اسے روایت کرنے والا میرے علاوہ کوئی نہیں ہے۔[3] امام فربری سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ابومحمد عبداللہ بن احمد الحموی السرخسی، ابوزید محمد بن احمد المروزی، ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المستملی، ابوالہیثم محمد بن مکی الکشمیہنی، ابوبکر محمد بن احمد بن مَتّ وغیرہ اور پھر آگے ہر ایک سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔[4]

گزشتہ اوراق میں امام بخاری کی دیگر تصانیف کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کے بارے میں بھی اختصار سے گفتگو کی گئی تھی۔ یہاں صحیح بخاری کے مقام و مرتبے پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی تاکہ قارئین کرام دین اسلام میں اس مقدس کتاب کی زبردست اہمیت اور قدرومنزلت سے اچھی طرح آگاہ ہوجائیں۔

صحیح بخاری کا مقام ومرتبہ

امام بخاری کی تمام تالیفات میں الجامع الصحیح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ روئے زمین پر کوئی مقام ایسانہیں جہاں اسلام کی تعلیمات پہنچی ہوں اور وہاں

1 كتاب الفصل فى الملل والأهواء والنحل:82/2. 2 شرح النووي، ص:4. 3 تاريخ بغداد: 9/2. 4 شرح النووي، ص:4، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:11,10.

صحیح بخاری نہ پہنچی ہو۔

تاریخ اسلامی کے اتنے طویل دور میں امام بخاری سے پہلے اور بعد کے کسی مصنف، مؤلف، محدث، فقیہ اور امام کی کسی کتاب کو یہ رتبۂ بلند، یہ فضیلت اور یہ قبولِ عام حاصل نہیں ہوا۔ یہ ایسی کتاب ہے جو فضیلت اور قدر و منزلت میں کتاب اللہ کے بعد بلند ترین درجہ رکھتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"کتاب ہدایت قرآن کریم کے بعد ان (امام بخاری) کی کتاب صحیح بخاری کا درجہ ہے۔ صحیح بخاری کو ملنے والی یہ ایک عظیم الشان سرداری ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جو دینِ قیّم اور شرعی طریقے کی محافظ ہے۔ اس میں بدعت کو داخل ہونے سے روکتی ہے۔"[1]

صحیح بخاری ایسی بے مثل اور عظیم تصنیف ہے کہ اگر ہم اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت پر سیر حاصل گفتگو کرنا چاہیں یا کچھ لکھنے کی کوشش کریں تو اس کے لیے کئی ضخیم جلدیں درکار ہیں۔ اسی لیے علامہ ابن خلدون نے فرمایا تھا کہ صحیح بخاری کی شرح لکھنا امت اسلامیہ پر قرض ہے۔[2]

علامہ ابن خلدون آٹھویں صدی ہجری کے مؤرخ ہیں۔ نویں صدی کے آغاز میں

1 طبقات السبكي:2/212. 2 تاريخ ابن خلدون:1/474.

انھوں نے وفات پائی ہے۔ ''مقدمہ تاریخ'' انھوں نے 779ھ میں مکمل کیا تھا جبکہ تیسری صدی ہی سے اہل علم صحیح بخاری کی شروح لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ آٹھویں صدی تک بڑی تعداد میں شروحات لکھی جا چکی تھیں۔ اس کے باوجود اس فاضل مؤرخ کے یہ کہنے کہ اس کی شرح لکھنا امت مسلمہ پر قرض ہے کا مطلب یہی تھا کہ اس قسم کی شرح جس میں فقہی نکات اور فن حدیث کی باریکیوں سے آگاہی حاصل ہو سکے، امام بخاری کے دقیق خیالات اور لطیف استدلالات تک رسائی ہو سکے، ایسی جامع شرح لکھنا علمائے امت کے واجبات میں شامل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی صحیح البخاری کی شرح فتح الباری کے سلسلے میں علامہ ابوالخیر سخاوی فرماتے ہیں کہ اگر فاضل مؤرخ علّامہ ابن خلدون کو فتح الباری سے واقفیت ہو جاتی تو ادائے قرض کا یہ عظیم کام دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

محرکات واسبابِ تالیف

اگر ہم صحابۂ کرام کے زمانے کو چمکتے ہوئے سورج کی روشنی اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کو مغرب کے بعد والی شفق سے تشبیہ دیں تو یہ بالکل بجا ہوگا۔ اس کے بعد سب کو معلوم ہے کہ رات کی تاریکی چھا جاتی ہے، ٹھیک ایسا ہی معاملہ علمِ حدیث کے ساتھ بھی ہوا کہ عہدِ نبوت میں براہِ راست رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لی جاتی تھی۔ اس مبارک دور میں اگرچہ اکثر صحابہ اپنے حافظے سے کام لیتے تھے لیکن پھر بھی عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ احادیث لکھ لیتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ قرآن اور حدیث کے درمیان اختلاط کے خدشے کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ سے (قرآن کے علاوہ اور کچھ) نہ لکھا کرو۔ اگر کسی نے (قران کے علاوہ) کچھ لکھا ہے تو وہ مٹا دے۔'' [1] کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اختلاط کا اندیشہ ختم ہوگیا، بعد ازاں کتابت حدیث کی اجازت مل گئی اور آپ ﷺ نے ابو شاہ یمنی کے مطالبے پر فتح مکہ کے موقع پر خطبہ لکھ دینے کا حکم فرمایا۔ [2]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''کیا میں علمِ حدیث لکھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''لکھ لیا کر۔'' [3]

پھر صحابۂ کرام لکھتے رہے۔ بعض صحابہ لکھنے سے منع بھی کرتے رہے حتی کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے احادیث لکھانے سے سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم احادیث کو قرآن نہیں بنانا چاہتے۔ تم بھی ہم سے احادیث زبانی یاد کر لیا کرو، جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یاد کی ہیں۔ [4] غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر صحابہ لکھنا نہیں جانتے تھے، تاہم ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

بعد ازاں ایک دور آیا کہ علمائے اسلام دور دراز کے ملکوں میں پھیل گئے۔ رافضی، خارجی اور تقدیر کے انکاری لوگوں نے بدعتوں کا طومار باندھ دیا۔ اسی دور میں احادیث اور آثارِ صحابہ کی تدوین شروع ہوئی۔ خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں احادیث و آثار کا دفتر تیار ہوگیا۔ سعید بن ابی عروبہ نے سب سے پہلے اس عظیم

1 صحيح مسلم، الزهد، باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم، حديث: 3004. 2 صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كتابة العلم، حديث: 112. 3 جامع بيان العلم و فضله: 319/1، حديث: 413. 4 جامع بيان العلم وفضله: 273,272/1، حديث: 338-340، وسنن الدارمي: 420/1، حديث: 487 واللفظ له.

کام میں حصہ لیا، لیکن ہر باب کو الگ اور احادیث و آثار کو باہم ملا دیا۔ ان کے بعد والوں نے احکام جمع کیے، پھر بعد والوں نے اہل حجاز کی قوی احادیث الگ کیں لیکن ساتھ صحابہ و تابعین کے فتوے بھی شامل کر ڈالے۔ عبیداللہ بن موسیٰ نے صرف حدیث نبوی کو ایک مسند کی شکل میں اکٹھا کیا۔ اس طریقے پر کئی دیگر علماء نے بھی اپنی اپنی مسندیں جمع کیں، مثلاً: امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے یہ کام بڑے احسن طریقے سے انجام دیا۔ امام بخاری نے جب ان تصنیفات کو دیکھا، جانچا اور پرکھا تو محسوس کیا کہ ان کے اندر ہر قسم کی صحیح اور حسن کے علاوہ ضعیف احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ صرف ایسی صحیح احادیث ہی جمع کریں جن میں کسی کو کوئی شک نہ ہو۔ اس کے علاوہ اس مبارک کام کے لیے آپ کو مختلف واقعات سے تحریک ملتی رہی، مثلاً:

① امام بخاری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام اسحاق بن راہویہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ امام اسحاق رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

''کاش! تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا ایک مختصر مجموعہ تیار کر دو۔'' بس یہی بات میرے دل میں گھر کر گئی اور میں نے الجامع الصحیح کی تالیف و تدوین شروع کر دی۔[1]

② محمد بن سلیمان بن فارس کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ امام بخاری سے ان کا یہ واقعہ سنا، انھوں نے بتایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پنکھا لیے کھڑا ہوں اور پنکھا جھل جھل کر آپ کے چہرۂ انور سے مکھیاں ہٹا رہا ہوں۔

1 تاريخ بغداد: 8/2، وتهذيب الكمال: 91/16، وسير أعلام النبلاء: 401/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 9،8.

خوابوں کی تعبیر بتانے والے ایک شخص سے میں نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس نے بتایا کہ تم نبی کریم ﷺ سے منسوب جھوٹی روایات کا قلع قمع کردو گے۔اس خواب نے مجھے الجامع الصحیح کی تصنیف وتدوین کے لیے سرگرمِ عمل کردیا۔"[1]

حدیث میں آتا ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔[2] آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتاً مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا،[3] چنانچہ اس بابرکت خواب نے امام بخاری کے ذوقِ حدیث کو دوبالا کردیا اور وہ صحیح بخاری کی تالیف وترتیب کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

مدتِ تالیف

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے الجامع الصحیح چھ لاکھ احادیث کی چھان بین کے بعد صحیح احادیث منتخب کر کے سولہ سال میں مکمل کی ہے اور میں اس کتاب کو اپنے اور اللہ کے درمیان ایک حجت ،یعنی ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔"[4]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 9. 2 صحيح البخاري، التعبير، باب الرؤيا الصالحة……، حديث: 6989. 3 صحيح البخاري، التعبير، باب من رأى النبيﷺ في المنام، حديث: 6994. 4 طبقات الحنابلة: 276/1، و سير أعلام النبلاء: 405/12، و تاريخ بغداد: 14/2.

حسنِ نیت اور غرض و غایت

امام بخاری رحمہ اللہ الجامع الصحیح کے لیے صحیح احادیث کی تلاش میں انتہائی خلوصِ نیت سے سرگرداں رہے۔ علامہ فربری کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ بات سنی۔ آپ فرما رہے تھے:

''میں الجامع الصحیح میں احادیث لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد احادیث درج کرتا تھا۔''[1]

امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ کتاب مسجدِ حرام میں بیٹھ کر مرتب کی تھی۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے میں استخارہ کرتا اور دو رکعت نفل پڑھتا اور جب مجھے حدیث کے متن اور سند کی صحت کا یقین ہو جاتا تب اسے کتاب میں درج کرتا تھا۔[2]

عبدالقدوس بن ہمام نے اپنے متعدد اساتذہ سے یہ بات سنی کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کے عنوانات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور آپ کی قبر مبارک کے درمیان بیٹھ کر لکھے۔ آپ عنوان لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے۔[3]

ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی وغیرہ کا کہنا ہے کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کی تدوین بخارا میں کی۔ بعض حضرات کے نزدیک مقامِ تالیف مکہ مکرمہ ہے، جبکہ بعض علمائے کرام کے نزدیک آپ نے یہ تالیف بصرہ میں مرتب فرمائی تھی۔ یہ اقوال اپنے اپنے مقام پر بالکل ٹھیک ہیں کیونکہ صحیح بخاری کی مدتِ تالیف سولہ سال ہے اور اس عرصے میں امام بخاری متذکرہ شہروں میں احادیث جمع کرتے رہے۔ اس کی تائید میں امام حاکم

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683، وطبقات الحنابلة: 274/1. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683، و سير أعلام النبلاء: 404/12.

نے امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے: ’’میں پانچ سال تک بصرہ میں کتابیں تصنیف کرتا رہا۔ اس دوران میں ہر سال حج کے لیے مکہ جاتا اور پھر واپس بصرہ آجاتا تھا۔‘‘[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان اقوال میں یوں تطبیق دی ہے کہ ابتدائی طور پر امام بخاری ان ملکوں میں احادیث کو مسودے کی شکل میں اکٹھا کرتے رہے لیکن تمام احادیث کو ایک ہی جگہ کتابی صورت دینے یا اصل بیاض میں تراجمِ ابواب کے تحت احادیث کی تحریر وترتیب کا کام آپ نے مسجد حرام ہی میں بیٹھ کر کیا، پھر دوسرے ملکوں میں جا کر اس سے نقل کرتے رہے۔ ابن عدی نے مشائخ کی ایک جماعت سے یہ بات نقل کی ہے کہ امام بخاری جب صحیح بخاری کے تراجم تحریر کر رہے تھے تو ہر ترجمہ رقم کرنے سے پہلے دو رکعات نفل ادا کرتے تھے۔ آپ نے یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر کے درمیان والی جگہ بیٹھ کر کیا ہے۔[2] اس مقدس جگہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ فرمایا ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ آپ نے صحیح بخاری کا مسودہ بہت سے ملکوں اور شہروں میں چل پھر کر تیار کیا ہے، جبکہ اصل بیاض میں تراجم کو ترتیب سے لکھنے کا کام مسجد نبوی ہی میں کیا ہوگا۔[4] واللّٰہ أعلم بالصواب.

صحیح بخاری کی تالیف وتدوین کے لیے امام بخاری کی مخلصانہ نیت اور انتھک کوشش و محنت کے بارے میں چند خواب بھی بہت مشہور ہیں۔ آپ کے کاتب محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں: ’’میں نے خواب میں امام بخاری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آپ کے

1 تهذيب الأسماء واللّغات: 92/1. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683.
3 صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل ما بين القبر والمنبر، حديث: 1196. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:683.

قدم پر قدم رکھ کر چلتے دیکھا۔''[1]

دوسرا خواب نجم بن فضیل نے دیکھا۔ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لائے ہیں اور امام بخاری آپ کے قدم پر قدم رکھتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔[2]

مقاصدِ تالیف

صحیح بخاری کی تالیف میں امام صاحب نے دو مقاصد پیش نظر رکھے۔ پہلا مقصد یہ کہ صرف صحیح احادیث کو منتخب اور جمع کیا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں صرف صحیح احادیث ہی پیش کی ہیں جن کی صحت اور مقبولیت پر امام صاحب سے پہلے کے محدثین اور امام صاحب کے دور کے محدثین کا اتفاق ہو چکا تھا۔ یہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے اور کتاب کے نام سے بھی یہی مقصد عیاں ہوتا ہے۔ اس کتاب کا مکمل نام یہ ہے: اَلْجَامِعُ الصَّحِيحُ الْمُسْنَدُ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَسُنَنِهِ وَأَيَّامِهِ.[3]

امام بخاری کہتے ہیں: ''میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث ہی نقل کی ہیں۔ بھاری ضخامت سے بچنے کے لیے میں نے بہت ساری صحیح احادیث کو اس میں شامل نہیں کیا۔''[4]

امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ کتاب مسجدِ حرام میں بیٹھ کر مرتب کی۔ ہر

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:683، وسير أعلام النبلاء:405/12. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683، وسير أعلام النبلاء: 405/12. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 10. 4 سير أعلام النبلاء:402/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 9.

حدیث لکھنے سے پہلے استخارہ کرتا اور دو رکعت نفل نماز پڑھتا تھا، پھر جب مجھے حدیث کے متن اور اس کی سند کی صحت کا یقین ہو جاتا، تب اسے کتاب میں درج کرتا تھا۔[1]

فقہی مسائل اور حکیمانہ نکات کا استنباط

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے سے احادیث کے متون سے بے شمار معانی و مطالب اخذ کیے، پھر انھیں کتاب میں حسبِ موقع مختلف ابواب میں بیان کیا۔ بعض مقامات پر آیات درج کر کے ان سے اچھوتے استدلال کیے ہیں، اور ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بہت سے اہم نکات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود صرف صحیح احادیث جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا اس کے علاوہ مقصود احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان ابواب کے لیے دلائل فراہم کرنا مقصود تھا جو ان کے مدنظر تھے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے ابواب سند حدیث سے خالی ہوتے ہیں، صرف یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس باب میں فلان عن النبي ﷺ، یعنی نبی ﷺ سے فلاں صحابی کی روایت آئی ہے، یا صرف متن ذکر کر لیتے ہیں، یعنی اسے معلق ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مقصود اوپر قائم کیے گئے باب کے لیے دلیل فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث پہلے گزر چکی ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ اکثر ابواب میں بہت ساری احادیث بیان کر دی جاتی ہیں۔ کسی باب میں صرف ایک حدیث یا پھر قرآن مجید کی صرف ایک آیت پر اکتفا کیا جاتا ہے اور کسی باب میں آیت یا حدیث میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔[2] یعنی صرف باب کی صورت میں کسی مسئلے کا عنوان قائم کر کے اسے یونہی

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 10.

چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی تالیف وتدوین کے یہ تمام اسلوب اس بات کی دلیل ہیں کہ تالیف کتاب کا مقصد فقہی احکام ومسائل کا استنباط بھی ہے۔

عنواناتِ بخاری اور ان کے فوائد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں رقم طراز ہیں کہ باب کا عنوان دراصل متعلقہ مسئلے کو آسانی سے سمجھانے کے لیے ہوتا ہے۔ عنوان سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ جیسے عنوان خود ہی بتا رہا ہو کہ اس باب میں فلاں فلاں مسئلہ مذکور ہے۔ یا عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں فلاں مسئلے یا حکم کی دلیل بیان ہوئی ہے۔ کبھی باب میں مذکور حدیث ہی کے الفاظ سے ان کے عنوان کا پتا چل جاتا ہے یا اس کے جز یا اس کے معنی سے بھی عنوان سمجھ میں آجاتا ہے۔

عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر کبھی ایک عنوان کے الفاظ سے کئی مطالب ومعانی اُبھر آتے ہیں مگر امام بخاری اس عنوان کے تحت حدیث نقل کرکے ممکنہ معانی میں سے صرف ایک معنی کا تعین کردیتے ہیں۔ جبکہ حدیث کے مفہوم میں بہت سارے معانی ممکن ہوتے ہیں، وہاں باب کا عنوان ہی حدیث کا مفہوم واضح کردیتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ تمام اہل علم میں امام بخاری کے متعلق یہ بات خاص طور پر معروف ہے کہ فِقْهُ الْبُخَارِيِّ فِي تَرَاجِمِهِ [1] ''امام بخاری کا علم اور تفقہ صحیح بخاری کے عنوانات میں ہے۔''

صحیح بخاری کے عنوانات امام بخاری کے علم ونظر کی دلیل ہیں۔ علمائے کرام نے صحیح بخاری کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کے عنوانات قائم کرنے کے کئی مقاصد

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 17.

ہیں۔ ان میں سے چند مقاصد کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:

❀ بعض اوقات امام بخاری عنوانات کے تحت بعض ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو ان کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں اور اس عنوان کے تحت ایسی احادیث لے آتے ہیں جو آپ کی شرائط کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس سے عنوان میں درج حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل اور تائید مہیا ہو جاتی ہے۔

❀ کبھی کسی عنوان کے تحت ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو قرآنی آیت سے یا امام صاحب کے نزدیک صحیح احادیث سے ماخوذ ہو یا قرآنی آیات اس مسئلے کے لیے دلیل فراہم کرتی ہوں۔

❀ کبھی امام بخاری کسی عنوان کے تحت ایک ایسا مسئلہ نقل کر دیتے ہیں جو خود امام صاحب سے پہلے مسلمانوں کی ایک جماعت بیان کر چکی ہے، پھر امام بخاری کی تحقیق اور اجتہاد سے مذکورہ مسئلے کے لیے دلیل یا تصدیق مہیا ہو جاتی ہے یا امام صاحب اس مسئلے کو بہتر سمجھتے ہیں یا ایسی ہی کوئی مثال پیش آتی ہے تو ایسے مواقع پر آپ اس عنوان سے بیان کر دیتے ہیں: بَابُ مَنْ قَالَ كَذَا ۔ یا۔ ذَهَبَ إِلٰى كَذَا ۔

❀ کبھی کسی عنوان کے تحت ایسا مسئلہ بھی بیان کر دیتے ہیں جو کئی (باہم مختلف) احادیث میں ذکر ہو چکا ہوتا ہے۔ امام صاحب اس باب میں وہ باہم مختلف احادیث جمع کر دیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان باہم دگر مختلف احادیث میں تطبیق کس طرح ممکن ہے یا کس حدیث کو ترجیح دی جائے یا کس حدیث کو بطور ماخذ بیان کیا جائے۔

❀ بعض اوقات کسی مسئلے کے دلائل باہم مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن امام صاحب کے خیال میں ترجیح یا احادیث میں موافقت کی صورت یقینی ہو تو امام صاحب عنوان ہی میں دونوں کے مابین تطبیق بیان کر دیتے ہیں، پھر باہم متعارض

دلائل بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ اہلِ علم میں بظاہر باہم متعارض دلائل میں تطبیق دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

❀ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام بخاری کسی باب کے عنوان کے ثبوت میں متعدد احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک ان احادیث کا وہاں ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مزید برآں امام صاحب قاری کو ان کے فوائد سے آگاہ کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر امام بخاری ''فائدہ'' یا ''تنبیہ'' کے الفاظ کے بجائے لفظ ''باب'' لکھ دیتے ہیں۔ قاری سمجھتا ہے کہ یہاں سے کوئی نیا مسئلہ شروع ہو رہا ہے مگر درحقیقت وہاں سے کوئی نیا باب شروع نہیں ہو رہا ہوتا بلکہ امام بخاری دیگر مصنفین کے برعکس لفظ ''تنبیہ'' یا ''فائدہ'' یا ''قف'' لکھنے کے بجائے لفظ ''باب'' لکھ دیتے ہیں۔

❀ امام بخاری بعض اوقات ''ح'' (حائے تحویل) یا وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ، جیسا کہ عام محدثین کا طریقہ ہے، لکھنے کے بجائے لفظ ''باب'' لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب بدء الخلق میں یہی طریقہ اپنایا ہے۔ اس میں انھوں نے ایک باب قائم کیا: ''بَابُ ذِكْرِ الْمَلَآئِكَةِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ'' اس عنوان کے ثبوت کے لیے انھوں نے متعدد احادیث نقل کیں اور آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ذیل کی حدیث نقل کی ہے:

''فرشتے باری باری (زمین پر) آتے رہتے ہیں، کچھ فرشتے رات کے ہیں اور کچھ دن کے۔''[1]

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملآئكة صلوات الله عليهم، حديث: 3223.

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کے متصل بعد لفظ ''باب'' لکھ کر ذیل کی حدیث نقل کرتے ہیں:

''جب تم میں سے کوئی فرد آمین کہتا ہے اور آسمان میں فرشتے بھی آمین کہتے ہیں......۔''

اس حدیث کو لفظ ''باب'' کے بعد بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا سند کے ساتھ ہی آئی ہے۔

❀ بعض مقامات پر امام بخاری کسی عنوان کے تحت ایسی حدیث نقل کرتے ہیں جو عنوان کے لیے دلیل کا کام نہیں دیتی اور بظاہر عنوان سے اس کا کوئی تعلق بھی نہیں بنتا۔ مگر چونکہ حدیث کی بہت سی اسناد ہوتی ہیں اور ان دیگر اسناد سے منقول احادیث کے بعض لفظ مذکورہ عنوان کے لیے دلیل بن رہے ہوتے ہیں، اس لیے آپ ان کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔ اس موقع پر امام بخاری کے نزدیک اس حدیث کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عنوان کی بھی سند موجود ہے اور یہ بے بنیاد نہیں ہے۔

❀ امام بخاری کسی عنوان کے تحت کسی کی رائے نقل کردیتے ہیں۔ وہ رائے پہلے ہی کسی شخص نے دی ہوتی ہے یا امکان ہوتا ہے کہ مستقبل میں کوئی شخص اس رائے کا اظہار کرسکتا ہے لیکن وہ رائے امام بخاری کے نزدیک درست نہیں ہوتی تو امام بخاری اس کی تردید کی خاطر اسے نقل کردیتے ہیں۔

❀ بعض دفعہ کسی عنوان کے تحت ایسی حدیث لاتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ کچھ صحیح احادیث بھی نقل کرتے ہیں۔ صحیح احادیث نقل کرنے

کا مقصد ضعیف حدیث یا اس حدیث کو اپنے مذہب کی بنیاد بنانے والوں کی تردید کرنا ہوتا ہے۔

❀ امام بخاری کسی عنوان کے تحت ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو بظاہر کسی بھی سبب سے اہم مسئلہ معلوم نہیں ہوتا، مثلاً صحیح بخاری، کتاب الأذان میں ایک باب ہے:

''کسی کا نبی ﷺ سے یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی'' اس عنوان میں بظاہر کوئی خاص بات نظر نہیں آتی، مگر جب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علماء مَا صَلَّيْنَا کا جملہ بولنا ناپسند کرتے ہیں یا یہ بات معلوم ہو کہ امام صاحب نے یہ باب قائم ہی اس لیے کیا ہے کہ یہ جملہ ناپسند کرنے والوں کا رد پیش کیا جائے تو اشتباہ بھی دور ہو جاتا ہے اور اس باب کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

❀ کبھی ایک عنوان کے تحت حدیث کے بجائے کسی صحابی یا تابعی کا قول نقل کرتے ہیں یا پھر قرآنی آیت پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب امام صاحب کی شرط کے مطابق کوئی صحیح حدیث نہ ملے لیکن وہ بات فی نفسہ قابلِ عمل ہو۔

❀ کبھی کسی عنوان کے تحت قرآن کی کوئی آیت درج کر کے حدیث کے ذریعے سے اس کی تشریح کرتے ہیں یا اس آیت کے عموم کی تخصیص کر دیتے ہیں یا اس کے عام معنی کے بجائے اس سے کوئی خاص مسئلہ اخذ کرتے ہیں یا اس کے ممکنہ معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کر دیتے ہیں یا مذکورہ عنوان کے تحت حدیث پیش کر کے ایک آیت سے اس کی تخصیص کر دیتے ہیں یا ممکنہ معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں یا اس کی تشریح پیش نظر ہوتی ہے۔

❀ کبھی کبھی درپیش مسئلے کے لیے طلبہ کو حدیث سے استدلال کی مشق کرانا مقصود

ہوتا ہے۔

❀ کبھی متعدد روایات سے کوئی خاص بات اخذ کرتے ہیں تاکہ اسے کسی واقعے کے ساتھ جوڑ دیں مگر اس فن سے ناواقفیت کی بنا پر دیگر فقہاء کو حیرانی ہوتی ہے لیکن اہلِ سیر، یعنی سیرت نگاروں اور مؤرخین کا یہی طریقہ رہا ہے، اسی وجہ سے وہ بھی یہی طریقہ اپناتے ہیں۔

❀ کبھی کسی باب کا عنوان استفہامیہ انداز میں قائم کرتے ہیں، مثلاً:

یا اسی طرح کا اور کوئی عنوان چنتے ہیں۔ لیکن وہاں اثبات یا نفی میں سے کسی پہلو کو ترجیح نہیں دیتے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ آیا یہ حکم یا مسئلہ ثابت بھی ہے یا نہیں، اس لیے اس مسئلے ہی کو عنوان بنا دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اثبات، نفی یا ممکنہ معنی کی صورت میں اس کی تشریح ہو جائے۔[1]

صحیح بخاری میں عنوانات قائم کرنے کے مقاصد مذکورہ تفصیل تک محدود نہیں ہیں بلکہ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان مقاصد کے علاوہ اور بھی کئی مقاصد ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے اوپر بیان کردہ مقاصد ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 17,16، وسیرة البخاری از مبارک پوری، ص: 182-186.

صحیح بخاری کی تالیف کے قواعد و شرائط

اصول وضوابط اور شرائط کا تعلق یا تو مصنف کی ذات سے ہوتا ہے یا اس کی تالیف سے۔ پہلے ہم ان شرائط کا تذکرہ کریں گے جو امام صاحب نے خود اپنے اوپر عائد کر رکھی تھیں۔ اس کے بعد ان شرائط اور اصولوں کا تذکرہ کریں گے جن کا لحاظ رکھ کر امام صاحب نے الجامع الصحیح مرتب کی۔

کتابت حدیث سے پہلے نوافل کی شرط

امام صاحب کی عملی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ان کی بعض ایسی نادر صفات آشکار ہوتی ہیں جو دیگر مصنفین ومؤلفین میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

صحیح بخاری کی تالیف کے دوران میں امام صاحب نے اپنے اوپر یہ شرط لگا رکھی تھی کہ وہ ہر حدیث سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل ادا کریں گے، لہٰذا وہ ایسا ہی کرتے رہے۔ آپ نے خود فرمایا:

''میں نے اپنی کتاب الصحیح میں ہر حدیث درج کرنے سے پہلے غسل

کر کے دو رکعتیں پڑھی ہیں۔''[1]

عبدالقدوس بن ہمام نے اپنے متعدد اساتذہ سے یہ بات سنی کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی تالیف کے وقت ابواب اور عنوانات نبی کریم ﷺ کے منبر اور آپ کی قبر مبارک کے درمیان بیٹھ کر لکھے۔ آپ ہر عنوان لکھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔[2]

امام بخاری نے اس عظیم کتاب کی تصنیف کے دوران میں دل کی گہرائیوں سے جس خلوص اور تعلق باللہ کا خصوصی اہتمام کیا ہے، اُسی بنا پر آپ نے فرمایا:

''میں اس کتاب کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت، یعنی ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔''[3]

اسی طرح امام صاحب نے صحیح بخاری کی تالیف کے دوران میں اپنے اوپر ایک ایسی منفرد اور بابرکت شرط لگا رکھی تھی جس کا اہتمام امام صاحب کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے اس کتاب میں ہر حدیث درج کرنے سے پہلے تین باتوں کا التزام کیا ہے: استخارہ، دو رکعت نفل اور حدیث کی صحت کا یقینی علم۔''[4]

صحیح بخاری سے متعلقہ قواعد وشرائط

امام بخاری نے صحیح بخاری کو جن اصول وشرائط کے مطابق مرتب و مدون کیا، ان

1 تاريخ بغداد: 9/2، وطبقات الحنابلة: 274/1. 2 سير أعلام النبلاء: 404/12. 3 سير أعلام النبلاء: 405/12. 4 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683.

میں سے چند اصول و شرائط کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ متعدد اصول تو محدثین کرام نے بیان کیے ہیں۔ مزید برآں علمائے کرام نے صحیح بخاری کا نہایت غور وفکر سے مطالعہ کر کے ان کے اصول و شرائط ڈھونڈ نکالے۔ امام حاکم نے دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی ہر مسند حدیث کے لیے یہ شرائط متعین فرمائی ہیں کہ ہر صحابی سے دو مشہور تابعین نے روایت کی ہو، اور ہر تابعی سے دو دو ثقہ، عادل، ضابط اور شروطِ صحت کے حامل راویوں نے روایت کی ہو۔ ہر طبقے میں یہ سلسلہ جاری رہے حتیٰ کہ امام بخاری تک وہ حدیث پہنچ جائے۔[1]

ابو معمر مبارک بن احمد نے امام حاکم کے اس دعوے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ کئی احادیث میں ایسا اہتمام نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ سے روایت کرنے والے تابعین پر یہ کلیہ واقعتاً سالم نہیں رہتا لیکن ان سے نیچے یہ شرط پائی جاتی ہے۔ بہرحال دیگر محدثین نے دعویٰ نہیں کیا لیکن اصول بیان کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

① تمام ناقلین و رواۃِ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو، یعنی رواۃ مسلم، صادق، غیر مدلس، غیر مختلط، متصف بصفات عدالت، ضابط، متحفظ، سلیم الذہن، قلیل الوہم اور سلیم الاعتقاد ہوں اور یہ صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں۔

② سلسلہ روایت منقطع نہ ہو۔

③ اگر روایت معنعن ہو، یعنی راوی اپنے استاد سے لفظ ''عن'' سے روایت کرے، تو راوی کی اپنے استاذ سے ملاقات کا ثبوت ضرور ہونا چاہیے۔

④ اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاری سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاری کے معاصرین کا اتفاق ہو۔

1. المدخل إلى كتاب الإكليل للحاكم، ص: 33.

⑤ حدیث علّت اور شذوذ سے خالی ہو۔[1]

مذکورہ صفات کے حامل راوی اول درجے کے ہوں۔ اول درجے کے راوی انھیں کہا جاتا ہے جو مضبوط حافظے کے مالک اور ثقہ ہوں۔ ادنیٰ یا وسط درجے کے راوی ناکافی ہیں۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک مثال یہاں دی جارہی ہے اور وہ مثال امام زہری کے ساتھیوں اور شاگردوں کو قوتِ ضبط اور صحبتِ شیخ کے اعتبار سے پانچ طبقات میں تقسیم کرکے سمجھائی گئی ہے۔ ان پانچوں طبقات میں سے ہر ایک کو اپنے سے نیچے والے طبقے پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

پہلا طبقہ: قَوِيُّ الضَّبْط، كَثِيرُ الْمُلَازَمَةِ: یعنی جن کا حافظہ بھی قوی ہو اور انھوں نے اپنے اساتذہ و شیوخ کی صحبت بھی زیادہ حاصل کی ہو، اس طبقے کے راوی صحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں، مثلاً: یونس بن یزید، عقیل بن خالد، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ، اس طرح کے لوگ امام بخاری کا مقصود ہیں۔

دوسرا طبقہ: قَوِيُّ الضَّبْطِ، قَلِيلُ الْمُلَازَمَةِ: یعنی جن کا حافظہ تو قوی ہو لیکن انھوں نے اپنے شیخ کی صحبت زیادہ حاصل نہ کی ہو۔ اس طبقے کے لوگ امام زہری کے ساتھ بہت کم مدت رہے۔ حدیث میں بھی خاص مہارت حاصل نہ کر سکے اور اس معاملے میں پہلے طبقے سے پیچھے رہ گئے، مثلاً: امام اوزاعی، لیث بن سعد، عبدالرحمٰن بن خالد اور ابن ابی ذئب وغیرہ۔ یہ طبقہ امام مسلم کی شرط پر پورا اترتا ہے۔

1 مأخوذ از هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:11.

امام بخاری مستقلاً صرف پہلے طبقے کے محدثین سے احادیث لاتے ہیں البتہ کبھی کبھی استشہاد کے طور پر دوسرے طبقے کے محدثین سے بھی روایات نقل کرتے ہیں لیکن چھانٹ چھانٹ کر، البتہ امام مسلم دوسرے طبقے سے ہر طرح کی روایت قبول کر لیتے ہیں۔

تیسرا طبقہ: قَلِيلُ الضَّبْطِ، كَثِيرُ الْمُلَازَمَةِ: یعنی جن کا حافظہ کمزور ہو، البتہ انھوں نے اپنے شیوخ کی صحبت زیادہ حاصل کی ہو۔ تیسرے طبقے کے محدثین جیسے جعفر بن برقان، سفیان بن حسین اور اسحاق بن یحییٰ کلبی وغیرہ سے امام مسلم رحمہ اللہ اس طرح روایات نقل کرتے ہیں جس طرح امام بخاری دوسرے طبقے کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام نسائی مذکورہ تینوں طبقوں سے مستقلاً روایات نقل کرتے ہیں۔

چوتھا طبقہ: قَلِيلُ الضَّبْطِ، قَلِيلُ الْمُلَازَمَةِ: یعنی جن کا حافظہ بھی کم ہے اور انھوں نے صحبتِ شیخ بھی کم حاصل کی ہو، جیسے زمعہ بن صالح، معاویہ بن یحییٰ الصدفی اور مثنیٰ بن صباح وغیرہ۔ امام ابوداود رحمہ اللہ پہلے تین طبقات کے ساتھ بطورِ استشہاد اس چوتھے طبقے سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔

پانچواں طبقہ: یہ طبقہ الضُّعَفَاء وَالْمَجَاهِيل کا ہے جیسے عبدالقدوس بن حبیب، حکم بن عبداللہ الایلی اور محمد بن سعید المصلوب وغیرہ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ چوتھے طبقے سے مستقلاً اور بعض مقامات پر پانچویں طبقے سے بھی روایات نقل کر لیتے ہیں۔ جبکہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے پانچوں طبقات کی روایات بلاتکلف اور مستقلاً ذکر کی ہیں۔ البتہ امام بخاری اور امام مسلم چوتھے اور پانچویں طبقے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ امام بخاری دوسرے طبقے سے جو روایات نقل کرتے ہیں، انھیں تعلیقاً لکھتے ہیں اور تیسرے طبقے کے لوگوں سے تو شاذ و نادر ہی روایت کرتے ہیں۔

مذکورہ صورتِ حال میں قوتِ سند کے اعتبار سے کتبِ ستہ کی ترتیب یوں بنے گی:
① صحیح بخاری ② صحیح مسلم ③ سنن نسائی ④ سنن ابی داود ⑤ سنن ترمذی
⑥ سنن ابن ماجہ

امام زہری کے شاگردوں کے متعلق بیان کردہ مذکورہ بالا مثال، ان محدثین کے متعلق ہے جن سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں۔امام نافع، اعمش اور قتادہ کے شاگرد اور دیگر لوگوں کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں کے بھی پانچ طبقے ہیں۔رہے قلیل الروایت محدثین تو شیخین نے ان میں سے ثقہ، عادل اور کم غلطی والے اصحاب پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے اپنے اصول اور شرائط پر پورا اترنے والی روایات نقل کی ہیں اور جن پر کلی اعتماد نہ تھا ان کی روایات کو موافقت کے لیے پیش کیا ہے۔ [1]

حدیث کو بہ تکرار اور مختصراً بیان کرنے کے مقاصد

حافظ محمد بن طاہر المقدسی اپنی کتاب جوانب المتعنت میں رقم طراز ہیں: یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ امام بخاری اپنی کتاب میں ایک حدیث کو متعدد مقامات پر بیان کرتے ہیں اور ان تمام مقامات پر استدلال کی غرض سے مختلف اسناد کے ساتھ حدیث نقل کرتے ہیں۔ یوں اپنے وسیع علم اور حسن فہم کے ذریعے سے ایسے نادر معنی دریافت کرتے ہیں جو عنوان کا تقاضا ہوتے ہیں۔

ایک ہی سند اور ایک ہی متن کے ساتھ دو مقامات پر کبھی کبھار ہی حدیث نقل کرتے ہیں، جبکہ عمومی طور پر دوسری سند کے ساتھ وہی حدیث نقل کرتے ہیں اور کئی مقاصد ان کے پیش نظر ہوتے ہیں۔امام بخاری کے پیش نظر جو مقاصد ہوتے ہیں ان کا علم تو اللہ

1 مأخوذ از هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 12,11، وسيرة البخاری از مبارک پوری، ص: 186-188.

تعالیٰ ہی کو ہے، تاہم گہرے غور وفکر کے بعد تفہیم مقاصد کی جو کوشش کی گئی ہے، اُس کا ماحصل یہ ہے:

❀ امام بخاری ایک مقام پر ایک حدیث کو ایک صحابی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، پھر وہی حدیث کسی اور مقام پر کسی دوسرے صحابی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ حدیث حد غرابت سے نکل جائے۔ یہی طریقہ وہ سند کے طبقہ ثانیہ اور ثالثہ حتی کہ اپنے شیوخ میں بھی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن فن حدیث سے ناواقف لوگ اس کو تکرار سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ یہ تکرار کے زمرے میں شمار نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ایک اضافی فائدہ ذکر ہوا۔

❀ امام بخاری نے مذکورہ بالا اصول کے مطابق کئی احادیث کی اس طرح تصحیح کی ہے کہ ہر حدیث مختلف معانی و مطالب پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے امام صاحب ہر باب میں وہی ایک حدیث نئی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

❀ کچھ راوی احادیث کو مختصراً بیان کرتے ہیں اور بعض راوی مکمل متن نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری ان روایات کو من وعن نقل کر دیتے ہیں تاکہ آگے نقل اور روایت کرنے والوں کے لیے شبہات کا ازالہ ہو جائے۔

❀ بعض اوقات حدیث بیان کرتے ہوئے راویوں کی عبارتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک راوی ایسے الفاظ میں حدیث بیان کرتا ہے جن سے کئی معانی نکل سکتے ہیں، جبکہ دوسرا راوی انھی مطالب و معانی کے لیے ذرا مختلف الفاظ لاتا ہے لیکن ان الفاظ کے بھی کئی معانی متوقع ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر وہ (دونوں قسم کے الفاظ والی) روایتیں امام بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح ہوں تو امام صاحب ان روایات کو الگ الگ عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں۔

❀ بعض اوقات احادیث کے ''اتصال'' اور ''ارسال'' میں تعارض واقع ہو جاتا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اتصال ہی راجح ہوتا ہے مگر امام صاحب ''مرسل'' حدیث کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ''اتصال پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔''

❀ بعض اوقات احادیث کے ''مرفوع'' اور ''موقوف'' ہونے میں تعارض واقع ہو جاتا ہے۔ فیصلہ اگرچہ مرفوع حدیث کے حق میں ہوتا ہے مگر امام بخاری دونوں قسم کی روایات کا ذکر کر کے یہ مقصد بتاتے ہیں کہ موقوف سے مرفوع پر کوئی سقم واقع نہیں ہوتا۔

❀ اگر ایک راوی کسی حدیث کی سند میں ایک نام بڑھا دے اور دوسرا راوی اسی حدیث کو بیان کرتے ہوئے سند میں سے ایک نام چھوڑ دے اور وہ حدیث امام بخاری کی شرائط پر پوری اترتی ہو تو ایسی صورت میں امام بخاری اس حدیث کو دونوں اسناد کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ مگر اس شرط پر کہ راوی نے مذکورہ حدیث اپنے استاذ سے خود سنی ہو اور اس کے استاذ نے اپنے جس استاذ سے یہ روایت نقل کی ہو، راوی نے اس سے بھی ملاقات کی ہو۔ یوں امام بخاری دونوں راویوں کی تصدیق اور تصحیح کے لیے دونوں اساتذہ کے ساتھ مذکورہ حدیث بیان کر دیتے ہیں۔

❀ امام صاحب بعض دفعہ ایسی روایت ذکر کرتے ہیں کہ راوی اس کو ''عن'' کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ امام صاحب ایسی روایت کو تصریحِ سماع کے لیے بھی بیان کرتے ہیں کیونکہ آپ معنعن (عن سے بیان کردہ روایت) میں ملاقات کی شرط لگاتے ہیں۔[1]

حدیث کو حصوں میں بیان کرنے کے اسباب

حدیث کو ٹکڑوں میں بیان کرنے یا اس کے کچھ حصے پر اکتفا کرنے کے چند

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص:91.

اسباب ہیں۔ ذیل میں ان اسباب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے:

❀ حدیث کا متن اگر مختصر ہو یا اس کا کوئی جملہ دوسرے جملوں سے ایسا مربوط ہو کہ الگ کرنے سے معنی میں خلل پڑ جاتا ہو، علاوہ ازیں اس حدیث سے کئی مسئلے بھی مستنبط ہوتے ہوں تو امام صاحب ان مسائل کے پیش نظر حدیث کو بلا اختصار اور تقطیع کے مکرر لاتے ہیں۔ بایں ہمہ حدیث کو تکرار سے بیان کرنا کسی نئے فائدے سے خالی نہیں ہوتا، یعنی متون کی ظاہری ضرورت اور فائدے کی خاطر جب متون دوبارہ بیان کیے جائیں تو اس میں اور بھی کوئی نہ کوئی فائدہ پنہاں ہوتا ہے اور وہ اس نئے فائدے کے حصول کے لیے سند کو بدل دیتے ہیں یا کم از کم پہلی دفعہ ایک استاذ کی معرفت حدیث بیان کرتے ہیں تو دوسری دفعہ کسی دوسرے استاذ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ اس طرح اسناد حدیث میں اضافے اور قوت کا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔

❀ کبھی دوبارہ حدیث بیان کرنا اس لیے مشکل ہوجاتا ہے کہ اس حدیث کی صرف ایک ہی سند ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں امام صاحب یوں کرتے ہیں کہ ایک جگہ حدیث متصل سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو دوسری جگہ معلق ذکر کرتے ہیں۔ کبھی حدیث مکمل متن کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور کبھی صرف وہ حصہ بیان کرتے ہیں جس سے عنوان کے مطابق استدلال مقصود ہوتا ہے۔

❀ حدیث کا متن اگر متعدد جملوں پر مشتمل ہو اور ان جملوں کا آپس میں کوئی تعلق بھی نہ ہو تو پھر طوالت سے بچنے کے لیے ہر جملے کو الگ عنوان کے تحت نقل کر دیتے ہیں، تاہم بعض اوقات امام بخاری نشاط میں آکر پوری کی پوری حدیث نقل کر دیتے ہیں۔[1]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 20، وسيرة البخارى ازمبارک پوری،ص: 190-193۔

حدیث کے کچھ حصے پر اکتفا کر کے بقیہ حصہ کہیں نقل نہ کرنا

مذکورہ بالا عنوان پر عموماً عمل تو نہیں ہوا، البتہ جہاں محذوف حصہ موقوف (کسی صحابی کا قول) ہو اور اس میں بھی مرفوع حدیث جیسا کوئی مسئلہ بیان ہوا ہو تو صرف مرفوع حصے کو نقل کر کے باقی کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا کتاب کے عنوان سے کوئی تعلق نہیں تھا، مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''مسلمان تو سائبہ نہیں چھوڑتے تھے، البتہ زمانہ جاہلیت کے مشرک لوگ سائبہ چھوڑا کرتے تھے۔''[1]

چونکہ یہ ٹکڑا حکماً مرفوع ہے۔ امام صاحب نے اسے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا بقیہ حصہ موقوف ہے، لہٰذا امام صاحب نے اسے حذف کر دیا اور پوری کتاب میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس طرح کے اختصار سے کسی بھی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا۔

پوری حدیث (مرفوع و موقوف) یوں تھی:

سائبہ: وہ غلام یا لونڈی جس کو مالک آزاد کر دے اور کہہ دے کہ تیری ولاء کا حق کسی کو بھی نہیں ملے گا۔ یہ اس سائبہ جانور سے ماخوذ ہے جس کو مشرک اپنے اوتاروں کے نام پر چھوڑا کرتے تھے۔ برصغیر میں ایسے جانور کو فلاں درگاہ یا فلاں پیر صاحب کے جانور یا سانڈ کہتے ہیں۔ ان کا بہت احترام کیا جاتا ہے حتی کہ وہ کوئی نقصان بھی کریں تو برداشت کیا جاتا ہے اور انھیں فصلوں میں چرنے سے بھی کوئی نہیں روکتا۔

1 صحیح البخاري، الفرائض، باب میراث السائبة، حدیث:6753.

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ میں نے ایک غلام بطور سائبہ چھوڑ دیا (آزاد کیا) ہے۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے اور اس نے ترکہ چھوڑا ہے لیکن اس کا وارث کوئی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: مسلمان تو سائبہ نہیں چھوڑتے، البتہ زمانہ جاہلیت کے مشرک لوگ سائبہ چھوڑا کرتے تھے۔ اس کے مال و اسباب کا تو ہی سربراہ اور وارث ہے۔ اگر اس کے وصول کرنے میں تجھے ہچکچاہٹ یا حرج محسوس ہو تو ہم تجھ سے لے کر بیت المال میں جمع کر لیں گے۔'' [1]

اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ امام بخاری کسی حدیث کو دوبارہ بیان کرتے ہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی فائدہ اور ضرورت ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ حدیث کے متن یا سند سے کوئی فائدہ نہ ہو تو اس کا کوئی اور مقصد ہوگا جو دوسرے عنوان پر مشتمل ہوتا ہے۔

امام بخاری کے ہاں حدیث کا بلا فائدہ تکرار کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ جس استاذ سے حدیث نقل کی جاتی ہے تو دوسری دفعہ دوسرے استاذ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں اوپر بات کی جا چکی ہے۔ [2]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 20. 2، هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 20، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 193,192.

صحیح بخاری کے بارے میں اہل علم کی آراء اور ان کے خواب

صحیح بخاری کے بارے میں اہل علم کی آراء

امام ابوجعفر محمود بن عمرو العقیلی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جب صحیح بخاری مرتب کر لی تو اسے امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی وغیرہ کے سامنے پیش کیا۔ ان سب بزرگوں نے اس کارنامے کی بڑی تعریف کی، بڑی خوشی کا اظہار کیا اور پوری کتاب کے صحیح ہونے کی گواہی دی، البتہ چار احادیث پر کچھ اعتراض کیا۔

محمود العقیلی کہتے ہیں کہ ان چار احادیث کے بارے میں بھی امام بخاری ہی کی رائے درست تھی۔[1]

امام اسماعیلی "المدخل" میں رقم طراز ہیں:

میں نے ابوعبداللہ بخاری کی تالیف کردہ کتاب الجامع الصحیح کو دیکھا ہے۔ میں نے کتاب کو اس کے نام کے مطابق ہی پایا ہے کہ وہ سنن صحیحہ کا مجموعہ ہے۔ امام بخاری نے کتاب کے متن سے جو خوب صورت معانی و مطالب اخذ کیے ہیں، وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ ایسے کلمات صرف وہی شخص بول اور لکھ سکتا ہے جو علومِ حدیث

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 9.

اوراس کے راویوں کے حالات سے واقف ہو، احادیث اوران کی علل کا علم رکھتا ہو، نہ صرف فقہ اور علومِ لغت میں ماہر ہو بلکہ اسے ان علوم پر مکمل دسترس حاصل ہو۔

امام بخاری پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائے۔ آپ ایسے انسان تھے کہ زمانے نے انھی پر اکتفا کرلیا (کہ ان جیسا کوئی دوسرا پیدا ہی نہ کیا۔) آپ علومِ حدیث میں یکتا تھے اور ان علوم میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ آپ کے حسنِ نیت اور اپنے آپ کو علم حدیث کے لیے وقف کر دینے کا صلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ذریعے سے آپ کو بہت نفع پہنچایا اور آپ کے ذریعے سے دوسروں کو بے حد فائدہ حاصل ہوا۔

امام اسماعیلی مزید فرماتے ہیں کہ آپ کے طرزِ تصنیف کو بہت سے لوگوں نے اپنایا۔ ان میں سے حسن بن علی الحلوانی بھی ہیں، تاہم انھوں نے صرف سنن ہی پر اکتفا کیا ہے۔ آپ کے ہم عصر محدّث امام ابو داود السجستانی نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے اپنی کتاب ''سنن'' میں متعدد عناوین پر قلم اٹھایا ہے۔ اگر انھیں موضوع سے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ملی تو موصوف نے ضعیف روایت ہی نقل کر دی۔

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ بھی امام بخاری ہی کے ہم عصر محدّث تھے۔ ان کا انداز بھی امام بخاری جیسا تھا۔ انھوں نے امام بخاری سے بھی روایات نقل کی ہیں اور آپ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، تاہم انھوں نے امام بخاری کی طرح اپنے آپ پر پابندیاں نہیں لگائی تھیں۔ امام مسلم نے بہت سے ایسے محدثین سے بھی روایات قبول کی ہیں جن سے امام بخاری نے روایت نہیں کی۔ اگرچہ سب ائمہ خیر و برکت کے طالب تھے مگر امام بخاری بہت بلند معیار کے محدث تھے۔ آپ نے جن ذرائع سے احادیث سے مختلف معانی و مطالب نکالے، باریک نکات اخذ کیے اور حدیث کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے ابواب کے جو عنوانات قائم کیے، اس کی مثال کوئی پیش

نہ کر سکا۔ یہ تو خاص اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا کر دیتا ہے۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اگر کسی شخص کو امام بخاری کا درسِ حدیث سننے کے لیے ایک سال کی مسافت بھی طے کرنا پڑے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں۔''[2]

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح سے زیادہ معتبر اور عمدہ روایات کسی اور کتاب میں نہیں ملتیں۔[3]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں:

''میں نے خواب میں امام بخاری کو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ جس جگہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا قدم مبارک اٹھاتے، اسی نشان پر ابو عبداللہ اپنا قدم رکھ کر چلتے جا رہے تھے۔''[4]

نجم بن فضیل کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک سے نکل کر چل رہے ہیں اور امام بخاری بھی آپ کے قدم مبارک کے نشانات پر قدم رکھتے چلے جا رہے ہیں۔[5]

امام ابراہیم بن معقِل کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے خود سنا، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث ہی نقل کی ہیں اور ضخامت میں اضافے سے بچنے کے لیے بہت سی صحیح احادیث اس میں درج نہیں کیں۔[6]

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري: 14,13. 2 سير أعلام النبلاء: 400/12. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 12. 4 تاريخ بغداد: 10/2، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683. 5 تاريخ بغداد: 10/2، وسير أعلام النبلاء: 405/12، وهدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683. 6 تاريخ بغداد: 9,8/2، وسير أعلام النبلاء: 402/12.

علامہ ابن خلدون ''مقدمہ'' میں رقم طراز ہیں:

''میں نے اپنے بہت سے اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ الجامع الصحیح کی شرح لکھنا امت اسلامیہ پر قرض ہے۔''[1]

صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح کے اسباب

صحیح بخاری علومِ شرعیہ میں قرآن مجید کے بعد نہایت اہم کلیدی مقام رکھتی ہے۔ اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد دین کا صحیح ترین مجموعہ ''صحیح بخاری'' ہے اور پھر ''صحیح مسلم''۔

صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دینے کے کئی اسباب ہیں:

① پہلا سبب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب کو مندرجہ ذیل انتہائی کڑی شرائط کے مطابق مرتب کیا ہے:

❀ راوی اپنے استاذ کا ہم عصر ہو۔

❀ دونوں کی آپس میں ملاقات بھی ہوئی ہو، جبکہ امام مسلم دونوں کے ہم عصر ہونے ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور دونوں کی باہمی ملاقات کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ امام بخاری کی شرائط بہت سخت ہیں۔

② اسی طرح یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ امام بخاری کبار شیوخ کے تلامذہ میں سے صرف طبقۂ اول کے تلامذہ کی روایات نقل کرتے ہیں اور دوسرے طبقے کے تلامذہ کی روایات میں سے منتخب روایات بیان کرتے ہیں۔ مگر امام مسلم دوسرے طبقے کے تلامذہ سے ہر طرح کی روایات لے لیتے ہیں، البتہ تیسرے طبقے کے تلامذہ کی روایات میں

[1] مقدمة ابن خلدون: 474/1.

سے چھانٹ چھانٹ کر نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری نے یہ اصول دوسرے طبقے کے تلامذہ کی روایات کے لیے اپنایا ہے۔

③ امام بخاری نے چار سو تیس سے زیادہ ایسے راویوں سے روایات نقل کی ہیں جن سے امام مسلم روایات نہیں لیتے۔ ان میں سے اَسی افراد پر بعض حضرات نے جرح کی ہے، جبکہ امام مسلم نے چھ سو بیس ایسے راویوں سے روایات لی ہیں جن سے امام بخاری روایات لینے میں امام مسلم کے شریکِ کار نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک سو ساٹھ افراد پر بعض حضرات نے جرح کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا گیا ان سے روایات نقل کرنا بہتر ہے بخلاف ان کے جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہو اگرچہ یہ کلام انھیں عیب دار نہ کرتا ہو۔

④ امام بخاری نے جن ''متکلم فیہ'' راویوں سے روایات نقل کی ہیں ان کی تعداد زیادہ نہیں اور امام صاحب نے عکرمة عن ابن عباس کے علاوہ ان راویوں میں سے کسی کی بھی اکثر یا سب کی روایات نقل نہیں کیں، البتہ امام مسلم نے ابو الزبير عن جابر، سهيل عن أبيه، علاء بن عبدالرحمن عن أبيه اور حماد بن سلمة عن ثابت وغیرہ کی اکثر روایات نقل کی ہیں۔

⑤ وہ ''متکلم فیہ'' راوی جن سے امام بخاری نے روایات لی ہیں، ان میں سے اکثر امام صاحب کے اساتذہ ہیں۔ ان سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ ان سے مجلسیں ہوئی ہیں۔ آپ نے ان کے احوال معلوم کیے۔ ان کی احادیث کی پڑتال کی اور صحیح اور ضعیف احادیث کو چھانٹ کر الگ الگ کیا۔

⑥ لیکن امام مسلم نے جن ''متکلم فیہ'' لوگوں سے احادیث نقل کی ہیں ان میں زیادہ تر

متقدمین ہیں، یعنی تابعین اور ان کے بعد کے لوگ، اور ان کی امام مسلم رحمہ اللہ سے ملاقات وغیرہ نہیں ہوئی۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی محدث اپنے سے متقدم لوگوں کے مقابلے میں اپنے اساتذہ کی روایات کو بآسانی پرکھ اور جان سکتا ہے۔

⑦ اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ صحیحین کی دو سو دس احادیث پر نقد و جرح کی گئی ہے۔ ان میں سے اَسّی احادیث صحیح بخاری کی ہیں اور باقی احادیث کا تعلق صحیح مسلم سے ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کتاب پر جتنی کم نقد و جرح کی گئی ہو، وہ دوسری کے مقابلے میں بہر حال قابلِ ترجیح ہوگی۔[1] واللہ أعلم

مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر تمام علمائے امت صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر بالاتفاق مقدم رکھتے ہیں، تاہم ابو علی نیشا پوری اور بعض مغاربہ (علمائے اندلس وغیرہ) اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن بن ربیع کے پاس کچھ لوگ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں بحث لے کر آئے کہ ان میں سے کس کو ترجیح دیں، انھوں نے یہ فیصلہ سنایا:

"کچھ لوگوں نے میرے پاس صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں بحث کی کہ ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے۔ میں نے کہا: صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 13-15.

کو فوقیت حاصل ہے جیسا کہ حسن ترتیب میں صحیح مسلم کو فوقیت حاصل ہے۔''[1]

اسی چیز کو مدنظر رکھ کر امام نووی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک ہی جگہ متعدد سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ حدیث کے تمام طرق کو امام مسلم نے بہت عمدہ طریقے سے بہترین ترتیب سے اس طرح جمع کر دیا ہے کہ ان کا حصول بہت آسان ہو گیا ہے، جبکہ امام بخاری نے احکام کے استخراج کی غرض سے احادیث کو مطلوبہ ٹکڑوں میں تقسیم کر کے متعدد ابواب کے تحت پیش کیا ہے۔

امام حاکم ابو احمد نیشا پوری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد بن اسماعیل بخاری پر اپنی رحمت نازل فرمائے کہ انھوں نے (احکام کے) اصول ترتیب دیے اور لوگوں کو ان سے آگاہ کیا۔ ان کے بعد جو آیا اس نے اس میدان میں انھی کی کتاب سے اخذ کیا ہے۔[2]

ایک دفعہ امام دارقطنی کے سامنے صحیحین کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: اگر امام بخاری کا فیض صحبت نہ ہوتا تو کوئی شخص امام مسلم کا نام بھی نہ لیتا۔

ایک اور موقعے پر امام دارقطنی نے فرمایا کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں صحیح بخاری کی روایات کا استخراج اور اس میں کچھ اضافہ ہی تو کیا ہے![3]

صحیح بخاری کے متعلق اصحابِ علم و فضل کے خواب

امام ابو زید المروزی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مقامِ ابراہیم اور رکن کے درمیان

امام ابو زید المروزی: ابو زید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد المروزی 301ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے محمد بن یوسف الفربری سے صحیح بخاری کا سماع کیا اور اسے روایت کیا ہے۔ آپ سے امام حاکم، ◄◄

1 تهذيب الأسماء واللّغات (حاشية): 91/1، وسبل السلام: 10/1. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 14 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 14، وسیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 188، 189.

سویا ہوا تھا کہ خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ”اے ابو زید! تم کب تک لوگوں کو شافعی کی کتاب پڑھاتے رہو گے؟ کیا میری کتاب نہیں پڑھاؤ گے؟“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: ”محمد بن اسماعیل کی الجامع الصحیح۔“ [1]

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی ﷺ پیدل چل رہے تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جس جگہ سے آپ ﷺ اپنا قدم مبارک اٹھاتے اسی نشان پر امام بخاری اپنا قدم رکھ کر چلتے جا رہے تھے۔“ [2]

علامہ فربری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”کہاں جا رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انھیں میری طرف سے سلام کہنا۔“ [3]

» ابوعبدالرحمٰن السلمی اور امام دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا۔ مرو شہر کے بہت بڑے مفتی، عالم اور فقیہ تھے۔ مسلکاً شافعی اور بڑے زاہد تھے۔ امام فربری سے ان کی ملاقات 318ھ میں ہوئی تھی۔ مرو شہر میں رجب 371ھ میں فوت ہوئے۔

1 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683، وسير أعلام النبلاء: 16/314,315. 2 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683. 3 هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 683.

صحیح بخاری کی منظوم تحسین

کسی شاعر نے الجامع الصحیح کو کتنے خوب صورت انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے ؎

''اگر لوگ صحیح بخاری کے ساتھ انصاف کریں، یعنی اس کے مقام و مرتبے، اس کی اہمیت اور ضرورت کو جان لیں تو اسے سونے کے پانی سے تحریر کریں۔ یہ کتاب ہدایت اور گمراہی کے درمیان حدّ فاصل ہے۔ ترقی و خوش حالی اور ہلاکت و بربادی کے درمیان رکاوٹ ہے۔ احادیث کے متن کی اسناد آسمان کے تاروں اور شہابوں کے مانند ہیں۔ یہی کتاب دینِ رسول کی میزان ہے۔ عرب کے بعد عجم بھی اسی کتاب کے ذریعے سے اسلام سے متعارف ہوئے اور اسے قبول کیا۔ بلاشبہ یہ کتاب جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اس کتاب نے اللہ کی رضا اور ناراضی کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک نفیس سا پردہ ہے۔ یہ دین کے بارے میں شکوک و شبہات کو زائل کرنے والی کتاب ہے۔ یہ کتاب مراتب میں ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ اس پر تمام علماء نے اتفاق کیا ہے۔

اے مصنف کتاب! آپ نے اس کتاب میں اپنے علمی ذخیرے کے سبب ائمۂ اسلام کو پیچھے چھوڑ دیا۔ دیکھتی آنکھوں اس کتاب نے عظیم کامیابی حاصل

کی۔ اے مصنف! اس کتاب میں جن راویوں پر غلط بیانی کی تہمت لگی، آپ نے انھیں بھی اور ضعیف راویوں کو بھی چھانٹ چھانٹ کر الگ کر دیا۔ آپ نے حسن ترتیب میں اس کتاب کو ممتاز کر کے سب کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ کتاب کی ابواب بندی نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اے مصنفِ کتاب! آپ کا مالک آپ کو وہ سب کچھ عطا کرے جس کے آپ متمنی ہیں اور اپنی مخلوق کو وہ جو کچھ عطا کرے گا اس میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔"[1]

بے شمار علماء نے صحیح بخاری کی تفہیم و تشریح کے لیے کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتب میں صحیح بخاری کی ابواب بندی اور عنوانات، اس کے مشکل مقامات اور الفاظ کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ان پر حاشیے بھی لکھے گئے ہیں۔ یہاں چند کتب کا تعارف کرایا جا رہا ہے:

(1) اَلْمُتَوارِي عَلٰى تَرَاجِمِ الْبُخَارِيِّ: یہ کتاب علامہ ناصر الدین احمد بن مُنَیِّر نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے صحیح بخاری کے اسی قسم کے چار سو ابواب کے تراجم جمع کیے ہیں، انھیں بڑے غور و فکر اور باریک بینی سے پڑھنا چاہیے۔ علامہ موصوف نے ان پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔[2]

(2) فَكُّ أَغْرَاضِ الْبُخَارِيِّ الْمُبْهَمَةِ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَدِيْثِ وَالتَّرْجَمَةِ: یہ

علامہ ناصر الدین احمد بن مُنَیِّر: ناصر الدین ابو العباس احمد بن محمد بن منصور بن ابی القاسم بن مختار بن ابوبکر جذامی جروی اسکندری، ابن مُنَیِّر کے نام سے معروف ہیں۔ آپ 683ھ میں فوت ہوئے۔ (شذرات الذهب: 381/5)

1 سير أعلام النبلاء: 471/12، والبداية والنهاية: 30,29/11. 2 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 180.

کتاب علامہ محمد بن منصور بن حمامہ مغربی نے لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے ایک سو ابواب کو اکٹھا کیا ہے جو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نے خوب غور وفکر کے بعد ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

③ تَرْجُمَانُ التَّرَاجِمِ: یہ کتاب علامہ ابوعبداللہ ابن رُشَید سبتی نے لکھی ہے۔ خاصی ضخیم ہے اور صحیح بخاری کے عنوانات پر بڑی مفصل کتاب ہے لیکن افسوس کہ مؤلف ''کتاب الصیام'' تک ہی پہنچ پائے تھے۔[1] اگر مکمل کر لیتے تو انتہائی مفید ثابت ہوتی۔ بہر حال جس قدر بھی ہے فائدے کے لحاظ سے سب پر مقدم ہے۔

④ علامہ زین الدین علی بن مُنَیِّر نے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تراجم ابواب میں یہ ایک مستقل تصنیف ہے۔[2]

⑤ شَرْحُ تَرَاجِمِ أَبْوَابِ الْبُخَارِيِّ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس کتاب کے مصنف ہیں۔ عربی زبان میں آسان فہم انداز میں تصنیف کی گئی ہے۔ یہ پہلے حیدر آباد

علامہ ابوعبد اللہ ابن رشید سبتی: محبّ الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر بن محمد ابن رُشید فہری سبتی 721ھ میں فوت ہوئے۔

علامہ زین الدین علی بن منیر: ابوالحسن علی بن محمد بن منیر آپ کا نام ہے۔ آپ علاّمہ ناصر الدین ابن منیر کے بھائی ہیں۔ عید الاضحیٰ کے دن 695ھ میں فوت ہوئے۔ (معجم المؤلفین: 234/7)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین المعروف شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی 1177ھ میں فوت ہوئے۔ حجۃ اللہ البالغہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ (معجم المؤلفین: 272/1)

1 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 180، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 18,17.

2 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 180، و هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: 17.

کے مطبع ''دائرۃ المعارف'' سے چھپی، پھر لکھنؤ میں صحیح بخاری کی فارسی شرح تیسیر القاری کے حاشیے میں شائع ہوئی۔ اپنے موضوع کی بڑی جامع اور اہم کتاب ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں چار سو سے زائد ابواب کے تراجم پر مختصر انداز میں بحث کی ہے۔ بعض مقامات پر ایسے نادر نکات بیان کیے ہیں جن سے شاہ صاحب کی ذہنی بالیدگی اور علمی وسعتوں کا پتا چلتا ہے۔ [1]

مناسبات تراجم البخاري لأحاديث الأبواب: **ابو عبداللہ بدر الدین محمد بن ابراہیم بن جماعۃ کنانی حموی (المتوفی 733ھ)** اس کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب المتواري کا خلاصہ ہے۔ ہندوستان کے شہر بمبئی میں دارالسّلفیہ سے چھپ چکی ہے۔ علی بن عبداللہ الزبن نے جامعۃ الإمام محمد بن مسعود الاسلامیۃ میں 1404ھ میں ایم اے اسلامیات کی ڈگری کے حصول کے لیے اس کی تحقیق کی ہے۔

تعلیق المصابیح علی ابواب الجامع الصحیح: **ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر دمامینی (المتوفی 828ھ)** کی تصنیف ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف نے مصابیح الجامع کے نام سے صحیح بخاری کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔

مناسبات تراجم أبواب البخاري: **ابو حفص عمر بن رسلان کنانی بلقینی مصری (المتوفی 805ھ)** اس کے مؤلف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس کی تلخیص لکھی ہے جس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ یہ ابواب بخاری اور احادیث بخاری کے درمیان مناسبات نہیں بلکہ صحیح بخاری میں مذکورہ ابواب کی ترتیب میں مناسبات ہیں۔ مؤلف

1 سیرۃ البخاری از مبارک پوری، ص: 181,180.

نے صحیح بخاری کی مناسبات کے متعلق ایک نظم بھی لکھی ہے۔

الأبواب والتراجم: مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی تصنیف ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔[1]

مندرجہ بالا مستقل تصنیفات کے علاوہ صحیح بخاری کی شروحات میں بھی تراجم ابواب پر مفصل بحثیں ملتی ہیں۔ جن شارحین نے اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے، ان میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ قابل ذکر ہیں۔

ابن خلدون صحیح بخاری کے تراجم ابواب کے بارے میں لکھتے ہیں: صحیح بخاری حدیث کی کتابوں میں سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ چونکہ اس کے مقاصد تک پہنچنا بہت مشکل امر ہے، لہٰذا اہل علم اس کی شرح کو انتہائی مشکل خیال کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کے مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ان باتوں کا علم ہونا ضروری ہے:

- ایک ہی حدیث کی متعدد سندوں سے آگاہ ہونا۔
- تمام سندوں کے رجال (راویوں) کے بارے میں علم ہو کہ ان میں سے کون شامی، کون حجازی اور کون عراقی ہے۔
- تمام رجال (راویوں) کے حالات سے آگاہ ہونے کے علاوہ اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ ان کے بارے میں امام بخاری اور دیگر محدثین کی کیا رائے ہے۔[2]

1 سیرۃ البخاری از مبارکپوری (صدی ایڈیشن، حاشیہ)، ص: 239. 2 تاریخ ابن خلدون: 474/1.

شروحات و متعلقاتِ صحیح بخاری

صحیح بخاری کے جلیل القدر اور بلند پایہ ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام بلا امتیاز اس کی طرف بھرپور متوجہ رہے۔ کسی نے اس کی شرح لکھی اور کسی نے صرف اس کے رجال پر توجہ کی، بعض نے اس کے فقہِ تراجم ابواب کے دقائق کی چھان بین کی، کسی نے اس کی تجرید کی تو کسی نے اختصار، بعض اہل علم نے اس کے حواشی اور تعلیقات کو ضروری سمجھا، بعض نے غریب اور مشکل الفاظ کے لغات لکھے، کسی نے نحوی مسائل کے شواہد جمع کیے، بعض اساتذۂ فن نے اس کی شروطِ صحت پر بحث کی، بعض محدثین نے اس کی حدیثوں کی تنقید پر کتابیں لکھیں اور بعض نے ان تنقیدوں کا جواب دیا، کسی نے مستدرک لکھی،

نوٹ: شروحات، حواشی اور تعلیقات کی فہرست تیار کرنے کے لیے مختلف مکتبوں کی فہرستوں کے علاوہ درج ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے: تاریخ الأدب العربی، بستان المحدثین، کشف الظنون، کتاب الدیباج المذهب لابن فرحون، الدرر الکامنة، البدر الطالع، شذرات الذهب، نظم العتیان للسیوطي، تسهیل القاري، الثقافة الإسلامیة في الهند، الحطة في ذکر الصحاح الستة، سیرة البخاري، اتحاف النبلاء، الفوائد الدراري، سلك الدرر، شروح صحیح البخاري.

شروحات میں بھی کسی نے مبسوط، کسی نے مختصر اور کسی نے متوسط شرح لکھی اور ہر ایک نے مقاصد اور عنوان الگ الگ بیان کیے۔ صحیح بخاری کی شروحات یا اس کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا استقصا بڑا دشوار اور محنت طلب کام ہے۔ مختلف کتب اور فہارس کی ورق گردانی کے بعد جس قدر شروحات وحواشی کا علم ہوسکا، ذیل میں انھیں ضبط تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن اس بسیار کوشش کے باوجود بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام شروحات وحواشی کا استیعاب کرلیا گیا ہے۔ جن شروحات وحواشی کا علم ہوسکا ہے، ان کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے۔ ان سب کا تذکرہ یہاں شارحین کے سنِ وفات کی ترتیب سے کیا گیا ہے۔ عربی شروحات، حواشی، مختصرات، تعلیقات اور تراجم وعلل کے علاوہ اردو اور فارسی شروحات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے:

1 غريب حديث البخاري — ابوعبید قاسم بن سلاّم الہروی، الجمحي (المتوفی 224ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ علی پاشا غازی سلطان محمود خان ثانی، قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ مؤلف کی ایک کتاب غریب الحدیث بھی ہے جو کہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد (ہندوستان) سے چار جلدوں میں 1384ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

2 كتاب الثلاثيات للبخاري — ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی 256ھ)

صحیح بخاری کی وہ احادیث جو تین واسطوں سے رسول اکرم ﷺ تک پہنچتی ہیں، ان کی تعداد بائیس 22 ہے۔ ان میں اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطے سے مروی ہیں۔ مکی بن ابراہیم امام بخاری کے طبقۂ اولی کے شیوخ میں سے ہیں اور تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے قلمی نسخے برلن، پٹنہ، پیٹرزبرگ اور پشاور میں موجود ہیں۔

3 أسماء من روى عنهم بخاري ابن القطان، عبداللہ بن عدی الجرجانی (المتوفی 360ھ)

مصنف نے اس کتاب میں ان راویوں کے نام ضبط کیے ہیں جن سے امام بخاری نے روایت کیا۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ ظاہریہ (دمشق) میں موجود ہے۔

4 أسماء التابعين امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد دارقطنی (المتوفی 385ھ)

اس میں تابعین کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے، نیز ان تبع تابعین کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جنھیں امام بخاری روایت حدیث میں معتبر سمجھتے ہیں۔

5 إعلام السنن امام ابوسلیمان حمد بن محمد البُستی المعروف امام خطابی (المتوفی 388ھ)

اعلام السنن صحیح بخاری کی نہایت عمدہ شرح ہے۔ اس کی ابتدا الحمد لله المنعم سے کی گئی ہے۔ یہ شرح ایک جلد میں ہے۔ محمد بن تمیمی نے ان ضروری متروکات کے پورا کرنے کا التزام کیا جو امام خطابی نہیں کر پائے تھے اور جس قدر اوہام امام خطابی سے اس شرح میں واقع ہوئے اس پر بھی انھوں نے بحث کی ہے۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور، پٹنہ اور آیا صوفیا میں موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانہ قلمی میں بھی جنگ عظیم دوم تک موجود تھا۔ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے دکتور محمد بن سعید کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري کے نام سے 1988ء میں شائع ہو چکی ہے۔

6 أسماء رجال الصحيح امام ابونصر احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی (المتوفی 398ھ)

صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ أسماء حفاظ أو رجال الصحيح للبخاری کے نام سے کیا ہے لیکن اس کی تفصیل نہیں لکھی۔ امام ذہبی نے سیر (95/17) میں اس کا نام الإرشاد في معرفة رجال البخاري ذکر کیا ہے۔ براکلمن نے اس کا ایک نام الكلام على رجال البخاري بتایا ہے۔ یہ کتاب بعد میں رجال صحيح البخاري کے عنوان کے ساتھ پہلی بار

1407ھ میں عبد اللہ لیثی کی تحقیق کے ساتھ دارالمعرفہ بیروت کی جانب سے دو جلدوں میں چھپی۔ محقق کے اعداد و شمار کے مطابق 1525 راویوں کا تعارف کروایا گیا ہے۔ سہولت کی خاطر حروف تہجی کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے آصفیہ اور مکتبہ القرویین فاس میں موجود ہیں۔

7 النصيحة في شرح البخاري الصحيحة المعروف بشرح الداوودي ابوجعفر احمد بن نصر الداوودی الأسدی (المتوفی 402ھ)

علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے نسخہ عتیقہ کے حواشی اسی شرح سے مزین ہیں۔ ابن التین بھی اکثر اسی سے نقل کرتے ہیں۔ یہ بڑی مفید شرح ہے۔ حل مطالب، دفع اشکالات، دفع تعارض اور تطبیق احادیث میں مصنف نے نہایت عمدہ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اس لیے اس نسخے پر بہت سے حواشی ہیں۔ یہ نسخہ ہمدرد لائبریری دہلی میں موجود ہے۔

8 المستدرك على الصحيحين امام حاکم ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ (المتوفی 405ھ)

امام حاکم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر مستدرک لکھی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ شیخین کی متروک حدیثیں جو ان کی شرط پر ہیں، جمع کر دی جائیں۔

9 رجال الصحيحين ابو القاسم ہبۃ اللہ بن حسن الطبری (المتوفی 418ھ)

اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راویوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ تاریخ بغداد میں اس کا عنوان معرفة أسماء الصحيحين درج ہے۔

10 شرح السراج علامہ ابو الزناد سراج بن سراج قرطبی (المتوفی 422ھ)

اس کا مفصل حال معلوم نہیں ہوسکا۔ کیونکہ صاحبِ کشف الظنون، علامہ قسطلانی اور علامہ عجلونی وغیرہ نے کچھ بھی نہیں لکھا۔

11 شرح الْمُهَلَّب — مہلّب بن احمد بن ابی صفرہ الازدی، الاسدی، الاندلسی (المتوفی 435ھ)

شرح کے علاوہ امام مہلب نے صحیح بخاری کی تجرید بھی کی ہے۔

12 تراجم كتاب الصحيح للبخاري و معاني ما أشكل منه — احمد بن رشیق اندلسی (المتوفی 442ھ)

تفصیل نہیں ملی۔

13 شرح صحيح البخاري — امام ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطّال (المتوفی 449ھ)

اس کا اکثر حصہ مذہب مالکیہ کے مسائل سے بھرا پڑا ہے۔مؤلف نے اجزا کی صورت میں یہ شرح لکھی ہے۔اس کے قلمی نسخے قاہرہ، مدینہ اور بریل میں موجود ہیں۔

14 شرح صحيح البخاري — ابوحفص عمر بن حسن بن عمر ہوزنی الأشبیلی (المتوفی 460ھ)

اس کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں کیونکہ صاحبِ کشف الظنون اس بارے میں خاموش ہیں۔

15 كتاب التعديل والتجريح لرجال البخاري — قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی (المتوفی 474ھ)

یہ کتاب التعديل والتجريح لمن خرج له البخاري في الجامع الصحيح کے نام کے ساتھ ڈاکٹر ابولبابہ حسین کی تحقیق سے دار اللواء، الریاض کی طرف سے پہلی بار 1406ھ میں دو جلدوں میں چھپی۔محقق کی تحقیق کے مطابق اس میں 1733 راویوں کے تراجم ہیں۔

16 الأجوبة على المسائل المستغربة من البخاري — شیخ الاسلام حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر نمری، اندلسی، قرطبی (المتوفی 463ھ)

امام مہلّب اور ابن حزم سے کیے گئے مؤلف رحمہ اللہ نے تمام سوالات اور ان کے جوابات کو اس میں رقم کردیا ہے لیکن امام مہلّب نے سوالات کے جو جوابات دیے تھے وہ اور ابن حزم کے جوابات، سب کو علیحدہ علیحدہ ضبط کیا گیا ہے۔

17 مختصر شرح المهلّب — ابو عبد اللہ محمد بن خلف ابن المرابط اندلسی، تلمیذ المہلّب، (المتوفی485ھ)

شرح مہلّب ہی کو مختصر کرکے اس پر بہت سے فوائد بڑھائے گئے ہیں۔

18 شرح صحيح البخاري — ابو الاصبغ عیسیٰ بن سہل بن عبد اللہ الأسدی (المتوفی 486ھ)

اس کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

19 الفوائد المنتقاة المخرجة على الصحيحين — تخریج: ابو عبد اللہ (محمد بن فتوح میورقی) الحمیدی (المتوفی488ھ)

یہ شیخ ابوبکر بن بدران الحلوائی بغدادی (المتوفی 507ھ) کے اصول سماعات سے ہے۔

20 الجمع بين الصحيحين — علامہ حمیدی محمد بن ابی نصر الاندلسی، القرطبی (المتوفی 488ھ)

اس کا تذکرہ صاحبِ مشکاۃ نے مشکاۃ کے مقدمے میں کیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر علی حسین بواب کی تحقیق کے ساتھ دارابن حزم (بیروت) نے پہلی بار 1419ھ/ 1998ء میں شائع کی۔ محقق کے نمبر شمار کے مطابق اس میں 3574 احادیث ہیں۔ براکلمن نے اسے تفسير غريب ما في الصحيحين کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مکتبہ احمد تیمور میں موجود ہے۔

21 تقييد المهمل و تمييز المشكل — ابو علی حسین بن محمد الغسانی الجیانی (المتوفی496ھ)

اس کتاب میں ان راویوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راویوں میں لفظی اشتباہ ہوتا تھا۔ اکثر کتب خانوں میں اس کے کئی نسخے پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

22 کتاب الجمع بین رجال الصحیحین علامہ محمد بن طاہر بن عمر مقدسی (المتوفی 507ھ)

مقصد کتاب عنوان سے واضح ہے۔ حیدر آباد (ہندوستان) کے مطبع دائرۃ المعارف سے طبع ہوچکی ہے۔

23 شرح صحیح البخاري ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصفہانی (المتوفی 535ھ)

اس شرح کے بارے میں بھی مؤرخین ساکت ہیں۔ امام ذہبی نے سیر (84/20) میں مؤلف کے حالات زندگی نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مؤلف کے بیٹے نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن اس کی زندگی ساتھ چھوڑ گئی۔ بعد میں مؤلف نے خود دونوں شروحات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

24 کتاب النجاح في شرح کتاب أخبار الصحاح امام نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی (المتوفی 537ھ)

اس کتاب میں سلسلۂ سند امام بخاری تک پچاس واسطوں سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ کچھ بھی تفصیل نہیں مل سکی۔

25 شرح غریب صحیح البخاري ابوالحسن محمد بن احمد الجیانی النحوی (المتوفی 540ھ)

اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔

26 شرح صحیح البخاري ابو القاسم احمد بن محمد بن عمر بن ورد التمیمی (المتوفی 540ھ)

یہ ایک بسیط شرح ہے لیکن اس کے مقاصد کا علم نہیں ہوسکا۔

27 شرح صحیح البخاري قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربي المالکی (المتوفی 543ھ)

اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔

28 مشارق الأنوار قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ (المتوفی 549ھ)

اس میں دیگر کتب حدیث کے ساتھ صحیح بخاری کی غریب احادیث کی تفسیر ہے، یعنی کتاب مشارق الأنوار ان غریب احادیث کی شرح ہے جو موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہیں،

نیز اس میں ان کے مشکل الفاظ کو ضبط کیا گیا ہے اور مقامات اوہام وتصحیفات سے قاری کو خبردار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں راویوں کے نام ضبط کیے گئے ہیں اور ان کے صحیح اعراب بتائے گئے ہیں۔ یہ کتاب اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ اگر یہ خالص سونے سے لکھی جاتی اور جواہر سے تولی جاتی، تب بھی اس کی افادیت واہمیت کا پورا حق ادا نہ ہو پاتا۔

29 المختصر لعبد الحق — عبدالحق بن عبدالرحمٰن ازدی (التوفی 581ھ)

یہ صحیح بخاری کی ایک مختصر شرح ہے۔ اس کا قلمی نسخہ سینٹ پیٹرز برگ (رُوس) میں موجود ہے۔

30 الجمع بين الصحيحين — ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمٰن الازدی، الاشبیلی (التوفی 582ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

31 كشف مشكل حديث الصحيحين — ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی (التوفی 597ھ)

یہ کتاب 576ھ میں مکمل ہوئی۔ مصنف نے مشکل اور غیر مشکل دونوں طرح کی احادیث کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں بعض اہل علم نے اس کا اختصار بھی کیا۔ اس میں پہلے ایک صحابی سے مروی حدیث کا ذکر کر کے، اس کی تمام مرویات کا ذکر کیا گیا ہے اور ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے متفق علیہ، پھر افراد بخاری، پھر افراد مسلم کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس کا اختصار 746ھ میں مکمل ہوا۔

32 شرح ابن التين — امام ابو محمد عبد الواحد بن التین سفاقسی (التوفی 611ھ)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کسی قول کے رد یا اثبات میں اس شرح کے اکثر استشہادات پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک مشہور شرح ہے۔ اس کا پورا نام المخبر الفصيح في شرح البخاري الصحيح ہے۔ اس میں فقہی مسائل کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ مختلف شارحین کا بہت سارا کلام خوب صورت اور لطیف اشارات کے ساتھ اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

33 المعلم في مارواه البخاري على شرط مسلم — ابو العباس ابن الرومیہ احمد بن محمد الاشبیلی، النباتی (التوفی 637ھ)

کتاب کا موضوع عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ صاحبِ کشف الظنون نے اس کی کوئی تفصیل نہیں لکھی۔ مؤرخین نے اس کا تذکرہ المعلّم بما زاد البخاري على مسلم اور رجّالة المعلّم بزوائد البخاري على مسلم کے نام کے ساتھ بھی کیا ہے۔

34 شرح مشكل البخاري — محمد بن سعید بن یحییٰ الدبنی (المتوفی 637ھ)

تفصیل نہیں مل سکی۔

35 شرح صحيح البخاري — امام رضی الدین حسن بن محمد الصاغانی، الحنفی (المتوفی 650ھ)

ایک ہی جلد میں مختصر شرح ہے۔

36 مختصر صحيح البخاري — امام جمال الدین ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم الانصاری القرطبی (المتوفی 656ھ)

اس شرح کا حال معلوم ہوسکا نہ اس اختصار کی غرض کا پتا چل سکا۔ براکلمن تاریخ الادب العربی کا مؤلف ہے۔ مکمل نام کارل بروکلمان ہے۔ براکلمن نے اس مختصر کا اختصار صحيح البحري و شرح غريبه کے نام سے ذکر کیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے قاہرہ اور مکتبہ القرویین فاس میں موجود ہیں۔

37 التوضيح في إعراب البخاري — جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی (المتوفی 672ھ)

اس کے قلمی نسخے دمشق عمومیہ اور اسکندریہ میں موجود ہیں۔

38 شواهد التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح — جمال الدین محمد بن عبد اللہ بن مالک النحوی (المتوفی 672ھ)

صحیح بخاری کے ان مشکل اعراب کے دلائل وشواہد بیان کیے گئے ہیں جو بظاہر مروجہ قواعد نحو کے خلاف نظر آتے ہیں۔ اس کے قلمی نسخے بریل ہوتسما، اسکوریال، مکتبہ القرویین، مکتبہ جامع الزیتونہ تیونس، الظاہریہ دمشق اور آصفیہ میں موجود ہیں۔ یہ شرح پہلی دفعہ الہ آباد (ہندوستان) سے 1319ھ میں چھپی تھی۔

39 شرح صحيح البخاري للنَّوَوِی — امام محي الدين ابوزكريا يحيٰى بن شرف النووی، الشافعی (المتوفی 676ھ)

یہ شرح کتاب الایمان تک ہی پہنچ سکی۔ صحیح بخاری کے صرف ایک حصے کی شرح ہے۔ یہ شرح انواع علوم کی نہایت نفیس باتوں پر مشتمل ہے۔اس کے قلمی نسخوں کی نشان دہی براکلمن نے کی ہے۔ایک قلمی نسخہ شہید علی میں موجود ہے۔

40 المختصر للنووي — امام محي الدين ابوزكريا يحيٰى بن شرف النووی (المتوفی 676ھ)

امام نووی نے صحیح بخاری کی ایک مختصر شرح بھی لکھی ہے۔اس کا دیباچہ''جوتا''میں موجود ہے۔

41 مناسبات على البخاري — امام ناصر الدین ابو العباس احمد بن محمد بن منصور سکندرانی، مالکی (المتوفی 683ھ)

اس کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

42 المتواري علٰى تراجم البخاري — امام ناصر الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن منصور بن المُنَیِّرَ الاسکندرانی (المتوفی 683ھ)

امام موصوف نے صحیح بخاری کے 400 مشکل سوالات کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔

43 شرح ابن المُنَيِّر — امام زین الدین علی بن محمد بن منصور بن المُنَیِّرَ لاسکندرانی (المتوفی 695ھ)

یہ دس جلدوں میں ایک ضخیم شرح ہے۔امام زین الدین نے ابن بطال کی شرح پر حواشی بھی لکھے ہیں۔کشف الظنون اور حطہ میں مؤلف کا لقب ناصر الدین لکھا ہے، جب کہ حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ شرح ناصر الدین کے بھائی زین الدین ابن المنیر کی ہے۔ابن فرحون کہتے ہیں کہ مؤلف صحیح بخاری کا ترجمۃ الباب ذکر کر کے اس پر کئی طرح کے مشکل اور ضروری سوالات وارد کرتے ہیں، پھر خود ہی ان کا جواب دیتے ہیں، بعد میں فقہ الحدیث اور مذاہب فقہاء پر گفتگو کرتے ہیں۔آخر میں ایک مذہب کو ترجیح دیتے ہیں۔

44 جمع النهاية في بدء الخير والغاية — عبداللہ بن سعد بن ابی جمرہ الازدی (المتوفی 699ھ)

یہ صحیح بخاری کا اختصار ہے۔ اس پر حاشیہ علامہ محمد بن علی ازہری شنوانی (المتوفی 1233ھ) نے لکھا۔ یہ حاشیے سمیت 1304ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

45 بهجة النفوس و غايتُها بمعرفة مالها و ماعليها — عبد الله بن سعد بن ابي جمرة الازدی (المتوفی 699ھ) بستان المحدثين، هداية العارفين اور معجم المؤلفين میں یہ کتاب عبد اللہ بن سعد بن ابی جمرۃ (المتوفی 675ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں صحیح بخاری کی تقریباً سو حدیثوں کا انتخاب کر کے ان کی شرح دو جلدوں میں کی گئی۔

مؤلف موصوف نے مذکورہ بالا اختصار کی خود ہی ایک شرح بهجة النفوس و غايتها کے نام سے لکھی۔ یہ شرح بھی قاہرہ میں 1348ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے قلمی نسخے الجزائر، رام پور، رباط، آصفیہ اور پٹنہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ قسطنطنیہ میں بھی اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

46 الراموز على صحيح البخاري — علی بن محمد الیونینی (المتوفی 701ھ)

اس کا قلمی نسخہ رام پور میں موجود ہے۔

47 ترجمان التراجم — ابو عبد اللہ (محبّ الدین) محمد بن عمر بن محمد بن رُشید السبتی (المتوفی 721ھ)

اس میں صرف صحیح بخاری کے ابواب پر بحث کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ناتمام ہونے کے باوجود یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

48 حاشية العُدّة — ابو الحسن علاؤ الدین علی بن ابراہیم العطار (المتوفی 724ھ)

علامہ عینی کی شرح عمدة القاري پر مؤلف نے یہ حاشیہ لکھا اور اس کا نام ''العُدّہ'' رکھا۔ اس کا قلمی نسخہ شہید علی میں موجود ہے۔

49	البدر المنير الساري في الكلام على البخاري (شرح صحيح البخاري للحلبي)	قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور یا عبدالغفور ابن منیّر الحلبی، الحنفی (المتوفی 735ھ)

علامہ حلبی نے طویل شرح لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ دس جلدوں میں نصف کتاب کے بعد شرح آگے نہ بڑھ سکی، نیز اس کے مقاصد کا بھی علم نہیں ہوسکا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ برلن میں ہے۔

50	شرح صحيح البخاري	امام عفیف الدین سعید بن (محمد بن) مسعود الکازرونی (المتوفی 758ھ)

مصنف نے شیراز شہر میں اقامت اختیار کی اور وہیں اس شرح کی تالیف سے فراغت پائی۔

51	التلويح شرح الجامع الصحيح	حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج الترکی، المصری، الحنفی (المتوفی 761ھ)

یہ نہایت طویل شرح ہے۔ حافظ ابن حجر کے بقول تقریباً 20 جلدوں پر مشتمل ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک مؤلف کی وفات 763ھ میں ہوئی ہے۔ کشف الظنون اور الحطۃ میں 792ھ مرقوم ہے۔

52	العقد الغالي في حل إشكال الجامع الصحيح للبخاري	احمد بن احمد الکردی (المتوفی 763ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں موجود ہے۔

53	شرح صحيح البخاري	حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی (المتوفی 774ھ)

یہ بھی صحیح بخاری کے صرف ایک حصے کی شرح ہے۔ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

54	الفرائد المرويات في فوائد الثلاثيات	محمد بن ابراہیم الحضرمی (المتوفی 777ھ)

اس کا قلمی نسخہ الجزائر میں موجود ہے۔

55	إرشاد السامع والقاري المنتقى من صحيح البخاري	علامہ بدر الدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی (المتوفی 779ھ)

اس کا مفصل حال معلوم نہیں ہو سکا۔

56 شرح صحيح البخاري — علامہ رکن الدین احمد بن محمد بن عبد المؤمن القریمی (المتوفی 783ھ)

یہ وہی شرح ہے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے عینی کی شرح بخاری کی تفصیل کے جواب میں کیا ہے۔

57 الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري (شرح کرمانی) — علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (المتوفی 786ھ)

یہ ایک مشہور اور متوسط شرح ہے۔ اس میں بہت سے فوائد و زوائد جمع کر دیے گئے ہیں جو اہل علم کے لیے بہت ہی نفع بخش ہیں۔ سب سے پہلے اس میں علم حدیث اور صحیح بخاری کی فضیلت بیان کی گئی ہے، پھر غریب اور مشکل الفاظ کا اعراب واضح کیا گیا ہے۔ روایات، اسماء الرجال اور القابِ رواۃ کو بھی خوب ضبط کیا گیا ہے۔ احادیث میں تعارض کا حل پیش کیا گیا ہے۔ 775ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ یہ شرح (باوجود یہ کہ اس میں دوسری کتابوں سے عبارتیں نقل کرنے کے دوران میں بہت سے اوہام واقع ہوئے ہیں) انتہائی مفید ہے۔ اس کے قلمی نسخے برلن، جوتا، بودلیانا، گیرٹ، اسکوریال، الجزائر، آیا صوفیا، پٹنہ، لیبزنگ، سلیمانیہ، قلیج علی، مکتبہ جامع الزیتونہ، موصل، حلب، پشاور اور آصفیہ کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دار احیاء التراث العربی بیروت سے 1981ء میں 9 جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ یہ مفید کتاب مصر میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

58 مختصر شرح مغلطائي — جلال بن احمد بن یوسف تبریزی المعروف تبّانی (المتوفی 793ھ)

مؤلف نے صحیح بخاری کی شرح مغلطائی کا اختصار پیش کیا ہے۔ اس کا بھی مفصل حال معلوم نہیں ہو سکا۔ امام شوکانی نے مؤلف کا نام جلال الدین احمد بن یوسف تبریزی نقل کیا ہے۔ بعض کتب میں ان کا نام جلال بن رسول بن احمد مذکور ہے۔

59 التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح — علامہ بدرالدین محمد بن بہادر بن علی المصری، الزرکشی، الشافعی (المتوفی 794ھ)

مشکل الفاظ کی شرح، اعراب کی وضاحت، مشتبہ اسمائے رواۃ کی وضاحت، مختلف اقوال سے صحیح قول کا انتخاب وغیرہ جیسی صفات کی حامل اس شرح کا مطالعہ کرنے والا بہت سی دیگر شروحات سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کے قلمی نسخے پیرس، برٹش میوزیم، لیبزنگ، آیا صوفیا، اسکندریہ، مکتبہ جامع الزیتونہ، مکتبہ الرباط، حلب اور پشاور میں موجود ہیں۔ پٹنہ کی اورینٹل پبلک لائبریری میں بھی اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ قاہرہ سے 1351ھ میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔

60 فتح الباري — حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلي (المتوفی795ھ)

صحیح بخاری کے ایک ٹکڑے (کتاب بدء الوحی تا کتاب الجنائز) کی شرح ہے۔ شاہی کتب خانہ رام پور (ہندوستان) میں باب الشروط تک اس کا قلمی نسخہ 394 صفحات میں موجود ہے۔ طبقات حنابلہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ دار ابن الجوزیہ سے ابو معاذ طارق بن عوض اللہ کی تحقیق کے ساتھ سات جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

61 شرح صحيح البخاري — قاضی مجد الدین (ابو الفداء) اسماعیل بن ابراھیم البِلبِیسی (المتوفی802ھ)

اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔ کشف الظنون میں مؤلف کی وفات 810ھ ذکر کی گئی ہے جو کہ غیر صحیح ہے۔ کیونکہ انباء الغمر (158/4)، الضوء اللامع (287/2) اور الحطۃ (224) میں ان کا تعارف دیا گیا ہے۔ وہاں 802ھ کو ہی ان کا سن وفات ذکر کیا گیا ہے۔

62 شواهد التوضيح — سراج الدین عمر بن علی بن احمد بن الملقن الشافعی (المتوفی804ھ)

بیس جلدوں میں یہ ایک ضخیم شرح ہے۔ مصنف نے نہایت اہم مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس میں ہر حدیث کے مقاصد دس اقسام پر مبنی بتائے گئے ہیں۔ اس میں ابن الملقن نے اپنے استاذ مغلطائی کی شرح ''تلویح'' پر بہت اعتماد کیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے برلن، حلب، آصفیہ اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔

63 الفيض الجاري — علّامہ سراج الدین عمر بن رسلان البُلقینی، الشافعی (المتوفی 805ھ)

یہ بھی نا تمام شرح ہے۔ کتاب الایمان تک پچاس اجزاء کی شکل میں پہنچی۔ امام شوکانی کے بقول عمر بن رسلان نے صحیح بخاری کی بیس احادیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے۔ ابن حجر کے حوالے سے امام شوکانی لکھتے ہیں کہ البلقینی اپنی وسعت علم کی وجہ سے بہت طویل بحثیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف نامکمل رہیں۔

64 منح الباري بالسيح الفسيح الجاري — علّامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب شیرازی، فیروز آبادی (صاحب القاموس) (المتوفی 817ھ)

ابواب عبادات کے ربع (چوتھائی) تک یہ شرح بیس جلدوں تک جا پہنچی۔ علامہ صاحب نے اس کے اختتام کا اندازہ چالیس جلدوں میں کیا تھا۔ یہ شرح ابن عربی کے عجیب وغریب منقولات سے بھری پڑی ہے۔ اس طرح کے لا یعنی اقوال کی بھرمار کی وجہ سے یہ شرح عوام وخواص میں پذیرائی حاصل نہ کرسکی۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے اس کا وہ ٹکڑا دیکھا ہے جو مؤلف کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا۔ وہ انتہائی کرم خوردہ اور بوسیدہ تھا۔ امام شوکانی نے اس شرح کا نام فتح الباري في شرح صحيح البخاري لکھا ہے۔

65 الإفهام بما وقع في صحيح البخاري من الإبهام — ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن عمر بن رسلان البلقینی (المتوفی 824ھ)

مؤلف نے صفر 822ھ میں یہ شرح مکمل کی۔ اس کا ایک نسخہ آیا صوفیا، قسطنطنیہ کے ایک کتب خانے میں موجود ہے۔

66 مصابيح الجامع الصحيح — علّامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی (المتوفی 828ھ)

یہ شرح ایک جلد میں ہے۔ اس میں زیادہ تر اعراب (ترکیب نحوی) اور نحو پر زور دیا گیا ہے۔ 828ھ میں بروز ہفتہ بوقت ظہر بمقام زبید (یمن) میں تکمیل کو پہنچی۔ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانہ نور عثمانیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ بریل ہوتسما، سلیم آغا، مکتبہ جامع

الزیتونہ اور موصل میں بھی اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

67 اللّامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح — علامہ شمس الدین ابوعبد اللہ محمد بن عبد الدائم بن موسیٰ البرماوی (المتوفی 831ھ)

چار جلدوں میں بہت ہی عمدہ شرح ہے۔ یہ زرکشی کی شرح تنقیح اور کرمانی کی شرح سے ماخوذ ہے۔ البتہ اس میں کچھ ایضاحات، تنبیہات اور فوائد اضافی ہیں۔ اس کے قلمی نسخے برلن، نورعثمانیہ، آیا صوفیا، مکتبہ جامع الزیتونہ اور پشاور میں موجود ہیں۔

68 شرح صحیح البخاري — علامہ محمد بن احمد بن موسیٰ کفیری (المتوفی 831ھ)

تاریخ الأدب العربي میں اس کا نام "الکوکب الساري في شرح صحیح البخاري" لکھا ہوا ہے۔ بقول مصنف اس شرح کی بنیاد سعید بن مسعود گازرونی کی مقاصد التنقیح ہے۔ شذرات میں ذکر کیا گیا ہے کہ مصنف نے ابن ملقن اور کرمانی کی شرح بخاری ملخص کرنے کے بعد دونوں کو جمع کرکے چھ جلدوں میں یہ شرح تیار کی ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں کہ علامہ کفیری نے صحیح بخاری کی ایک اور شرح بھی لکھی ہے۔ اس کا نام التلویح الٰی معرفۃ الجامع الصحیح ہے جو کہ پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کا قلمی نسخہ برلن میں موجود ہے۔

69 مجمع البحرین وجواهر الحبرین — علامہ تقی الدین یحییٰ بن محمد بن یوسف الکرمانی (المتوفی 833ھ)

اس شرح میں علامہ یحییٰ نے اپنے والد کی شرح الکواکب الدراری سے مدد لی ہے اور ابن ملقن، زرکشی اور دمیاتی کی شروحات سے اضافہ کیا ہے۔ یہ شرح آٹھ جلدوں میں ہے۔ مؤلف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ بعینہ ترکی کے کتب خانہ سرائے احمد ثالث میں موجود ہے۔ (تاریخ التراث: 183/1)

70 مختصر شرح البخاري الکرماني — احمد بن محمد النعمانی (المتوفی 834ھ)

تفصیلات نہیں مل سکیں۔

71 الکوکب الساري في شرح الجامع الصحیح للبخاري — شیخ ابوالحسن علی بن حسین بن عروہ الموصلی الحنبلی (المتوفی 837ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ رام پور کے ایک کتب خانہ میں موجود ہے۔ بعض نے اس کے مؤلف کا نام محمد بن احمد بن موسیٰ الکفیری (المتوفی 831ھ) لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ برلن میں ہے۔

72 التلقيح لفهم قارئ الصحيح — برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل الحلبی (المتوفی 841ھ)

امام شوکانی کے نزدیک 4 جلدوں میں مختصر اور انتہائی کارآمد شرح ہے۔ مؤلف کے ذاتی خط سے دو جلدوں میں ہے۔ تاریخ التراث میں مذکور ہے کہ ترکی کے ایک کتب خانہ میں اس کے تین نسخے موجود ہیں۔

73 المتجر الربيح والمسعى الرجيح والمرحب الفسيح في شرح الجامع الصحيح — علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن مرزوق التلمسانی، المالکی (شارح البردہ) (المتوفی 842ھ)

یہ شرح بھی مکمل نہ ہوسکی۔ مؤلف کی دیگر تصانیف میں سے ایک کتاب أنواع الدراري في مكررات البخاري بھی ہے۔

74 افتتاح القاري لصحيح البخاري — ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد حموی دمشقی (المتوفی 842ھ)

یہ شرح نایاب ہے۔

75 النكت — قاضی محب الدین احمد بن نصر اللہ بن احمد البغدادي، الحنبلي (المتوفی 844ھ)

یہ نکات بھی علامہ زرکشی ہی کی شرح پر لکھے گئے۔

76 شرح صحيح البخاري — شہاب الدین احمد بن رسلان المقدسی الرملی الشافعی (المتوفی 844ھ)

یہ شرح تین جلدوں میں ہے اور نامکمل ہے کیونکہ بقول علامہ سخاوی یہ کتاب الحج تک ہی پہنچ سکی ہے۔

77 تيسير منهل القاري في تفسير مشكل — محمد بن محمد بن محمد بن موسیٰ الشافعی الحنبلی

البخاري (المتوفی 846ھ)

مؤلف نے یہ کتاب 846ھ میں مکمل کی۔ اس کا پہلا حصہ بصورت قلمی نسخہ اسکوریال میں موجود ہے۔

78 فتح الباري — شیخ الاسلام حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی 852ھ)

یہ وہی شرح ہے جس کے بارے میں امام شوکانی کا قول لا هجرة بعد الفتح مشہور ہے۔ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمے میں کہا تھا کہ صحیح بخاری کی ہر لحاظ سے ایک مکمل شرح لکھنا امت مسلمہ پر قرض ہے۔ حافظ سخاوی کے بقول فتح الباری کی تکمیل سے یہ قرض ادا ہو گیا۔ 817ھ میں اس کا آغاز ہوا۔ مؤلف روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتے، پھر اسے محدثین کی ایک جماعت نقل کر لیتی۔ ہفتے میں ایک دن اس پر مباحثہ اور معارضہ ہوتا، مقابلہ کیا جاتا۔ سوالات اور اعتراضات کا جواب ابن حجر صاحب خود دیتے، حتی کہ یہ شرح 842ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد مصنف نے کچھ اضافہ کیا۔ جب اضافہ مکمل ہوا تو ساتھ ہی مصنف کی عمر بھی تمام ہو گئی۔ فتح الباری کی تکمیل پر ایک شان دار ضیافت کا اہتمام ہوا۔ یہ کتاب پوری دنیا میں اس قدر مقبول ہوئی کہ سلاطین نے اسے اشرفیوں سے تول کر خریدا۔ اس کے قلمی نسخے برلن، پیرس، ینی، کوپریلی، برٹش میوزیم، بولونیا، اسکوریال، مکتبہ جامع الزیتونہ، مکتبہ القرویین فاس، سلیمانیہ، مکتبہ قلیج علی، داماد ابراہیم، مشہد، پشاور، آصفیہ اور رام پور وغیرہ میں موجود ہیں۔ فتح الباری کئی دفعہ چھپی۔ 1300ھ-1301ھ میں بولاق میں شائع ہوئی اور اسی طرح 1325ھ میں مطبع الخیریہ قاہرہ میں شائع ہوئی۔ سب سے زیادہ متداول نسخہ وہ ہے جو استاذ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ کی نگرانی میں شائع ہوا۔ اس کے بعض اجزا پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی تعلیقات بھی ہیں۔ قاہرہ میں مطبع سلفیہ نے اسے 13 جلدوں میں مقدمہ هدي الساري سمیت چھاپا۔ یہ شرح مکتبہ دارالسلام، الریاض سے بھی نہایت عمدہ کاغذ پر جدید محاسنِ طباعت کے ساتھ 1421ھ/2000ء میں شائع ہو چکی ہے۔

79 هدي الساري مقدمة فتح الباري — شیخ الاسلام ابو الفضل حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی 852ھ)

یہ مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ہے اور بجائے خود ایک مستقل اور جامع کتاب ہے۔ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کہ اس کے بغیر صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی ناممکن ہے۔ اس مقدمے میں دس فصلیں ہیں۔ ہر فصل کے ضمن میں بہت سے ذیلی عنوانات ہیں۔ مختصر خاکہ یہ ہے:

صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب اور تدوین حدیث کا آغاز۔

صحیح بخاری کا اصل موضوع، صحیح بخاری میں مذکور احادیث کے لیے شرائط، أَصَحُّ الْکُتُب کی وجہ، تراجم ابواب میں مذکور نکات کی وضاحت۔

حدیثوں کی تقطیع اور اختصار، تکرار کی صورتیں، فوائد اور حکمتوں کا بیان۔

مرفوع احادیث کے معلق لانے اور آثارِ موقوفہ کے تذکرے کی وجوہات کا بیان۔

متون حدیث میں مذکور مشکل الفاظ کی تفہیم۔

بہ ترتیب حروف تہجی صحیح بخاری میں مذکور اسماء، القاب اور کنیتوں کا بیان۔

امام بخاری کے مبہم اساتذہ کی وضاحت۔

اُن احادیث کا سلسلۂ سند جن پر تنقید کی گئی۔

ان راویوں کا تذکرہ جن پر کلام کیا گیا۔

ابواب کی فہرست، ہر باب کے تحت مذکورہ احادیث کی تعداد، احادیثِ مکررہ کا علم، صحیح بخاری میں مذکور احادیث کی فہرست، صحیح بخاری میں مذکور صحابہ سے کس قدر احادیث وارد ہوئیں۔

امام بخاری کی سیرت، سوانح عمری اور ان کی دیگر تالیفات اور تلامذہ کا تذکرہ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ مقدمہ فتح الباری سے قبل مکمل کیا تھا۔ 813ھ میں مقدمہ سے فارغ ہوئے تھے۔ اس کے قلمی نسخے، برلن، المکتبۃ الہندی، برٹش میوزیم، الجزائر، ینی، آیا صوفیا، پٹنہ، اسکوریال اور امبروزیانا میں موجود ہیں۔ یہ مقدمہ 1301ھ میں بولاق اور 1325ھ میں مکتبۃ الخیریہ قاہرہ میں شائع ہوا۔

80 الإعلام بمن ذكر في البخاري من الأعلام۔ — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

تہذیب الکمال میں مذکور راویوں کے علاوہ دیگر راویوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور صحیح بخاری میں مذکور رجال کا تعارف کرایا گیا ہے۔

81 تغليق التعليق — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

معلق احادیث کو موصول بیان کرنے کے علاوہ احادیث مرفوعہ، آثار اور موقوفات ہر ایک کی صحت اور ضعف و متابعات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اور جن محدثین نے ان تعلیقات، آثار اور موقوفات کا اخراج کیا ہے ان سب کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ مقدمہ فتح الباری میں اس کی تلخیص کی گئی ہے۔ حافظ صاحب نے 804 ھ میں اس کی تسوید سے فراغت پائی۔ اس کے بعد اس کا خلاصہ ''التشويق إلى وصل المهم من التعليق'' کے نام سے لکھا۔ پھر اس خلاصے کا بھی اختصار کیا جس کا نام ''التوفيق لوصل المهم من التعليق'' رکھا۔

82 انتقاض الإعتراض — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

علامہ عینی کی شرح میں مذکور فتح الباری پر اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ مصنف کی رحلت کے باعث یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی۔ اس کے قلمی نسخے رام پور اور دمشق عمومیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں اور محقق نسخہ مکتبۃ الرشد، الریاض سے 1413 ھ /1993ء کو طبع ہو چکا ہے۔

83 تقريب الغريب في غريب صحيح البخاري — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

اس میں صحیح بخاری کے الفاظ مشکلہ پر بحث کی گئی ہے۔

84 تجريد التفسير — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر رحمہ اللہ

سورتوں کی ترتیب سے تفسیرات صحیح بخاری کو علیحدہ کیا گیا ہے۔

85 النكت — شیخ الاسلام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

علّامہ زرکشی کی شرح تنقیح پر حافظ صاحب نے ''النکت'' لکھے۔ افسوس کہ پورے نہ ہو سکے۔

86 أطراف الصحيحين

متعدد مؤلفین: ① امام ابو مسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی (المتوفی 400ھ)

② ابو محمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی (المتوفی 401ھ)

③ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی، (المتوفی 517ھ)

④ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی 852ھ)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اطراف مستقل طور پر متعدد لوگوں نے لکھے ہیں۔ ابو محمد خلف بن محمد کے اطراف باعتبار ترتیب ورسم بہت عمدہ ہیں۔ خبط اور وہم ان میں بہت کم ہے۔

اطراف لکھنے والوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن کتابوں کی حدیثوں کے اطراف انھوں نے لکھے ہیں ان کی تمام سندیں اور راویوں کو ضبط کرلیا جائے اور بتادیا جائے کہ یہ متن فلاں کتاب میں فلاں سند سے مروی اور فلاں کتاب میں فلاں سند سے ہے، لہٰذا اگر کوئی راوی رہ جائے تو فی الفور پتا چل جاتا ہے۔

87 عمدة القاري

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (المتوفی 855ھ)

دس جلدوں پر مشتمل یہ ایک مشہور شرح ہے۔ 821ھ میں اس کا آغاز ہوا اور 847ھ تک ایک سدس (1/6) حد تک مکمل ہوگئی۔ فتح الباری سے خاصی مدد لی گئی حتی کہ بعض اوقات پورے کا پورا ورق بھی نقل کردیا گیا۔ معانی بیان اور بدیع نوادر وغیرہ شیخ رکن الدین کی شرح سے نقل کیے گئے ہیں۔ اسی بنا پر ایک حد تک انھوں نے یہی اسلوب برقرار رکھا، پھر اسے ترک کردیا۔ کیونکہ جو مأخذ تھا اس کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ رکن الدین کی یہی شرح علامہ عینی سے قبل میرے ہاتھ لگی تھی لیکن کتاب نا تمام تھی۔ اسی وجہ سے اس سے نقل کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ علامہ عینی اس کے خاتمے کے بعد سے معانی بیان و بدیع نوادر وغیرہ

کے بارے میں بالکل ساکت ہیں۔ علامہ عینی کی یہ شرح مطالب کی خوب توضیح کرتی ہے، تاہم یہ فتح الباری جیسی شہرت نہ پاسکی۔ فتح الباری علماء کے لیے بہت مفید ہے اور عمدۃ القاری طالب علموں کے لیے مفید ہے۔ اس کے قلمی نسخے برلن، پیرس، الجزائر، راغب، نورعثمانیہ، آیا صوفیا، پٹنہ، اسکوریال، مکتبہ القرویین فاس، مکتبہ جامع الزیتونہ، سلیمانیہ، داماد زادہ، پشاور، رام پور، آصفیہ اور بانکی پور میں موجود ہیں۔ بیروت میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔

88 مصباح القاري — امام حسین بن عبد الرحمٰن حسینی علوی شافعی الأہدل الیمنی (المتوفی 855ھ)

اس شرح کا تذکرہ نواب صدیق حسن خاں نے الحطّة میں کیا ہے۔

89 تلخيص أبي الفتح لمقاصد الفتح — ابوالفتح شرف الدین محمد بن ابی بکر بن حسن القرشی المدنی المراغی (المتوفی 856ھ)

بقول امام شوکانی مؤلف نے فتح الباری کا اختصار کیا ہے اور یہ اختصار چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ امام سیوطی نے اس شرح کا نام ''شرح البخاری'' درج کیا ہے۔

90 تعليق على البخاري — محمد بن محمد بن علی النویری (المتوفی 857ھ)

تفصیل نہیں ملی۔

91 شرح البخاري — شرف الدین یحیٰی بن عبد الرحمٰن بن محمد الکندی (المتوفی 862ھ)

اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔

92 شرح صحيح البخاري — قاضی زین الدین عبدالرحیم ابن الرکن احمد (المتوفی 86ھ)

اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔

93 تحفة السامع والقارى في ختم صحيح البخاري — احمد بن محمد...... المعروف بابن زید الدمشقی الحنبلی (المتوفی 870ھ)

تفصیلات نہیں مل سکیں۔

94 مختصر شرح البخاري للبرهان الحلبي — کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن المصری الشافعی المعروف بابن امام الکاملیہ (المتوفی 874ھ)

مؤلف نے التلقیح لفهم قارئ الصحیح للحلبی کا اختصار کیا اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

95 التوضیح لمبهمات الجامع الصحیح — ابوذر احمد بن ابراہیم بن محمد بن خلیل ابن السبط الحلبی (المتوفی 884ھ)

موضوعِ بحث نام ہی سے ظاہر ہے، یعنی اس کتاب میں صحیح بخاری کی مشکلات کا حل درج ہے۔ تین جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جنگ عظیم دوم سے قبل جرمنی میں ایک دارالعلوم کے مکتبہ مخطوطات میں موجود تھا۔

96 التوضیح للأوهام الواقعة في الصحیح — ابوذر احمد بن ابراہیم بن محمد بن خلیل ابن السبط الحلبی (المتوفی 884ھ)

شرح کرمانی، فتح الباری اور شرح برماوی سے تلخیص کی گئی ہے۔ براکلمن نے صحیح بخاری کی ایک اور شرح الدر في شرح صحیح البخاري بھی اسی مؤلف کی طرف منسوب کی ہے۔

97 الدرر في شرح صحیح البخاري — احمد بن ابراہیم الحلبی (المتوفی 884ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ قاہرہ میں موجود ہے۔

98 تمام شروحات سے منتخب شرح — محمد بن ابوبکر بن ابراہیم بہاء مشہدی (المتوفی 889ھ)

اس کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

99 شرح البخاري — ابو البقا محمد بن عبد الرحمٰن بن احمد البکری المصری الشافعی المعروف بالجلال البکری (المتوفی 891ھ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے شاگرد اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے مؤلف اپنے زمانے میں شافعی فقہ کے حافظ بھی تھے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنی شروع کی لیکن معلوم نہیں کہاں تک مکمل کی تھی۔

100 الكوثر الجاري على رياض البخاري — الفاضل احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی، الحنفی (المتوفی 893ھ)

یہ ایک متوسط شرح ہے۔ اس کا اکثر حصہ علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر کی تردید میں بیان کیا گیا ہے۔ مشتبہ راویوں کے اسماء کی وضاحت، مشکل الفاظ کی تفہیم اور شرح سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، مصنف کے مناقب جمیلہ اور صحیح بخاری کی خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ شرح جمادی الاولیٰ 874ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے قلمی نسخے آیا صوفیا، راغب اور داماد زادہ میں موجود ہیں۔

101 شرح صحيح البخاري — امام زین الدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی بکر العینی، الحنفی (المتوفی 893ھ)

یہ شرح تین جلدوں میں ہے اور صحیح بخاری اس کے حاشیے پر ہے۔

102 التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح — زین الدین ابوالعباس احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی (المتوفی 893ھ)

مرفوع احادیث کو سند سے الگ اور مکررات کو حذف کردیا گیا ہے۔ احادیث متفرقہ کو جمع کردیا گیا ہے، جس سے حدیث تلاش کرنا آسان ہوگیا۔ 1287ھ میں قاہرہ اور بولاق میں چھپ چکی ہے۔ کئی نئے ایڈیشن بھی آچکے ہیں۔

103 الرياض المستطابة في جملة من روى في الصحيحين من الصحابة — امام عماد الدین یحیٰی بن ابی بکر العامری الیمانی (المتوفی 893ھ)

علامہ عماد الدین نے اس کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ پہلے صحیحین میں مذکور صحابہ کرام کے نام، پھر متفق علیہ افراد، پھر افراد بخاری اور افراد مسلم کا تذکرہ کیا ہے۔

104 شرح صحيح البخاري — فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بن عبدالکریم

بن موسیٰ بن عیسیٰ بن مجاہد بزدوی الحنفی (المتوفی 894ھ)

یہ بھی ایک مختصر شرح ہے۔ بعض نے شرح الجامع الصحیح کے نام سے ان کی ایک اور شرح کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی وفات 482ھ میں ذکر کی ہے۔

105 المنهل الجاري المجرد من فتح الباري شرح الجامع الصحيح للبخاري — شیخ قطب الدین محمد بن محمد الخضیری الدمشقی الشافعی (المتوفی894ھ)

سوال و جواب کی صورت میں فتح الباری سے اخذ کر کے مرتب کی گئی ہے۔

106 شرح صحيح البخاري — برہان الدین ابراہیم بن علی النعمانی (المتوفی 898ھ)

صرف کتاب الصلاۃ تک پہنچی، مکمل نہ ہو سکی۔ مؤلف نے فتح الباری اور شرح عینی کو جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا۔

107 حاشية صحيح البخاري — ابو العباس احمد بن احمد بن محمد بن عیسیٰ شہاب الدین برنسی، مغربی، مالکی معروف بہ زروق۔ (المتوفی 899ھ)

علامہ عجلونی نے لکھا ہے کہ یہ صحیح بخاری کی تفہیم کے سلسلے کا ایک حاشیہ ہے۔

108 تعليقة علىٰ صحيح البخاري — مولوی لطف اللہ بن حسن التوقانی (المقتول 900ھ)، شذرات الذہب (23/8) میں 904ھ درج ہے۔

یہ تعلیق صرف اوائل صحیح بخاری کے متعلق ہے۔

109 شرح صحيح البخاري/ البارع الفصيح في الجامع الصحيح — ابو البقاء محمد بن علی بن خلف الاحمدی المصری الشافعی نزیل المدینہ (المتوفی بعد سنۃ 909ھ)

یہ ایک طویل شرح ہے۔ مؤلف نے شرح کرمانی، شرح عینی اور فتح الباری وغیرہ سے ملخص کر کے طویل اور مختصر کے درمیان ایک عمدہ شرح تیار کی ہے۔

110 التوشيح على الجامع الصحيح — جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (المتوفی 911ھ)

یہ نہایت مختصر، جامع اور لطیف شرح ہے۔ حجم میں علامہ زرکشی کی شرح کے برابر ہے۔ اس کے قلمی نسخے پٹنہ، برلن، ینی، شہید علی، مکتبہ القرویین اور آصفیہ میں موجود ہیں۔ اس شرح پر 1211ھ میں تعلیقات لکھی گئی جو برلن میں موجود ہے۔ 1298ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

111 شرح لكتاب الصوم من صحيح البخاري — اسماعیل الجراحی (المتوفی قبل سنة 915ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ بریل ہوتسما میں موجود ہے۔

112 إرشاد الساري على صحيح البخاري — شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی، المصری (المتوفی 923ھ)

اس میں شرح اور متن کا ایسا امتزاج ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ مشکلات کو حل، مہملات کو مقید اور مبہمات کو واضح کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری کا درس دینے والوں کے لیے بڑی مفید ہے۔ یہ شرح بڑی شروحات کی تلخیص ہے بالخصوص فتح الباری اس کا اصل مأخذ ہے۔ اس کے قلمی نسخے برلن، پیرس، آفس لائبریری بھارت، کوپریلی، راغب، نور عثمانیہ، آیا صوفیا، پٹنہ، مانچسٹر، اسکوریال، شہید علی، یحییٰ آفندی، سلیمانیہ، موصل، آصفیہ اور رام پور میں موجود ہیں۔ یہ کتاب بولاق، قاہرہ، دہلی، لکھنؤ، جونپور اور فاس میں کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

113 تحفة السامع والقاري لختم صحيح البخاري — علامہ قسطلانی (المتوفی 923ھ)

تفصیلات نہیں مل سکیں۔

114 غاية المرام في رجال البخاري — الشیخ محمد بن داود بن محمد البازلی الکردی، الحموی، الشافعی (المتوفی 925ھ)

یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہے۔ کتاب کی تکمیل کے بعد اسے حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا گیا۔ قسطنطنیہ کے کتب خانہ نورعثمانیہ میں ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

115 هداية الباري/ تحفة الباري بشرح صحيح البخاري — شیخ الاسلام زکریا بن محمد بن احمد الانصاری قاہری، تلمیذ حافظ ابن حجر العسقلانی (المتوفی 926ھ)

یہ شرح قاہرہ (مصر) سے 1326ھ میں 12 جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔ بعض نے اس کا نام هداية الباري کی جگہ هداية القاري بھی لکھا ہے۔ بقول بعض مؤلف نے یہ شرح صحیح بخاری کی دس شروحات کی تلخیص کر کے تیار کی ہے۔ اس کے قلمی نسخے نورعثمانیہ، مکتبہ جامع الزیتونہ، مکتبہ القرویین فاس اور آصفیہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

116 شرح تجريد الصحيح للزبيدي — شیخ محمد بن قاسم بن محمد بن محمد شمس ابوعبداللہ غزی، قاہری، شافعی، المعروف بابن القاسم وابن الغرابیلی (المتوفی 937ھ)

مذکورہ بالا اور اس شرح کا تذکرہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی شرح عون الباري میں کیا ہے۔

117 معونة القاري — ابوالحسن علی بن ناصرالدین محمد بن محمد المالکی (المتوفی 939ھ)

اس کا تذکرہ علامہ عجلونی نے اپنی قابل قدر کتاب الفوائد الدراري میں کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ القرویین فاس میں موجود ہے۔

118 شرح ثلاثيات البخاري — محمد شاہ بن الحاج حسن (المتوفی 939ھ)

ثلاثیات البخاری میں مؤلف نے صحیح بخاری کی وہ روایات منتخب کی ہیں جو تین واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہیں جن کی تعداد 22 ہے۔ ان میں سے اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطے سے مروی ہیں۔ مکی بن ابراہیم امام بخاری کے طبقۂ اولیٰ کے شیوخ میں سے ہیں جو تابعین سے روایت کرتے ہیں، جیسے ابونعیم، خلاد بن یحییٰ اور علی بن عیاش وغیرہ ہیں۔ محمد شاہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

119 صيانة القاري عن الخطاء في صحيح — ابوالحسن علی بن ناصرالدین محمد بن محمد المالکی (المتوفی

البخاري (939ھ)

علامہ عجلونی نے الفوائد الدراری میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف امام سیوطی کے شاگرد ہیں۔

120 تعلیقة علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (المتوفی940ھ)

اس کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

121 شرح عدة أحاديث صحيح البخاري محمد بن عمر بن احمد السفیری الحلبی (المتوفی956ھ)

اس کے قلمی نسخے برلن اور اسکندریہ میں موجود ہیں۔

122 المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البرية من صحيح الإمام البخاري علامہ شمس الدین محمد بن عمر بن احمد السفیری الشافعی (المتوفی956ھ)

محقق نسخہ دارالکتب العلمیہ بیروت (لبنان) سے تین جلدوں میں 1425ھ میں شائع ہوا۔

123 الكوكب الساري في اختصار البخاري بوعلی محمد بن عیسیٰ بن عبداللہ (المتوفی960ھ)

اس شرح کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہے۔

124 شرح صحيح البخاري علامہ زین الدین عبد الرحیم بن عبد الرحمٰن بن احمد العباسی الشافعی (المتوفی963ھ)

اس کی ترتیب بالکل انوکھی اور نئے انداز کی ہے، یعنی جامع الاصول لابن اثیر جزری کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ احادیث کو سلسلۂ سند سے مجرد کر دیا گیا ہے۔ حاشیہ میں مخصوص حروف بطور علامت لکھے گئے ہیں جس سے ان صحاحِ خمسہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کے مؤلفین نے اس حدیث کی تخریج میں امام بخاری کی موافقت کی ہے۔ آخر میں مشکل الفاظ کی شرح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اس شرح پر علامہ برہان الدین ابوشریف اور علامہ عبد البر بن شحنہ نے تقاریظ لکھی ہیں۔

125 فيض الباري في غريب صحيح البخاري علامہ عبد الرحیم بن عبد الرحمٰن العباسی (المتوفی 963ھ)

اس کا ایک نسخہ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانے میں موجود ہے۔

126 فيض الباري — علامہ سید عبدالأول بن علی بن علاء حسینی جون پوری (المتوفی 968ھ)

اس شرح کا تذکرہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی قابل قدر تاریخ اتحاف النبلاء میں کیا ہے۔

127 تعليقة — مصلح الدین مصطفیٰ بن شعبان السروری (المتوفی 969ھ)

صحیح بخاری کے نصف تک یہ ایک طویل حاشیہ ہے۔

128 بداية القري في ختم صحيح البخاري — محمد بن سالم بن علی الطبلاوی (المتوفی 966ھ)

اس کے قلمی نسخے گیرٹ اور قاہرہ میں موجود ہیں۔

129 تعليقة — مولوی فضیل بن علی الجمالی (مولانا فضل بن علی الجمال، المتوفی 991ھ)

اس کا حال بھی معلوم نہیں ہو سکا۔

130 بغية السامع في شرح الجامع — جمال الدین ابو یوسف بن عمر بن حسن (المتوفى في القرن العاشر الهجري)

اس کا ایک نسخہ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانہ میں موجود ہے۔

131 الخير الجاري في شرح صحيح البخاري — علامہ ابو یوسف یعقوب البنانی لاہوری (المتوفی 1003ھ)

شرح قسطلانی، شرح عینی اور فتح الباری وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں کتاب الزکاۃ تک ایک جلد موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری شرح چار جلدوں پر مشتمل ہو گی۔ الثقافة الإسلامية في الهند میں اس شرح کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور اور رام پور وغیرہ میں موجود ہیں۔

132 شرح صحيح البخاري — یعقوب بن حسن العرفی الکشمیری (المتوفی 1003ھ)

اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

133 شرح صحيح البخاري — شیخ طاہر بن یوسف سندھی برہان پوری (المتوفی 1004ھ)

یہ شرح قسطلانی سے ماخوذ ہے۔

134 غاية التوضيح للجامع الصحيح — علامہ عثمان بن عیسٰی بن ابراہیم الصدیقی الحنفی برہان پوری (المقتول، شعبان 1008ھ)

تاریخ التراث (189/1) میں اس کے کئی نسخوں کا متعدد کتب خانوں میں موجود ہونے کا ذکر ہے۔ شاہی کتب خانہ رام پور میں بھی قلمی نسخہ موجود ہے۔ جلد اول 1176 صفحات پر مشتمل ہے جو كتاب بدء الوحی سے باب القران في التمر عند الأكل تک ہے۔ جلد ثانی باب رقية النبي ﷺ سے آخر تک ہے۔ اس کے قلمی نسخے مکتبہ ہندی، آصفیہ اور پٹنہ میں بھی موجود ہیں۔

135 تعليقة — مولوی حسین بن رستم الکفوی (المتوفی 1012ھ)

علامہ زرقانی نے شرح مواهب اللدنيه میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

136 تزيين العبارة بدون تحيز الإشارة — ملا علی قاری الہروی (المتوفی 1014ھ)

اس کے قلمی نسخے برلن اور قاہرہ میں موجود ہیں۔

137 شرح ثلاثيات البخاري للقاري الهروي — ملا علی بن سلطان محمد القاری، الہروی، المکی (المتوفی 1014ھ)

بعض نے اس کا نام تعليقات القاري على ثلاثيات البخاري لکھا ہے۔ مؤرخ احمد المحبّی نے اپنی تاریخ (خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ شہید علی میں ہے۔

138 اعراب القاري على اول باب البخاري — ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی (المتوفی 1014ھ)

اس کے قلمی نسخے پٹنہ، برلن، مانچسٹر، قاہرہ اور آصفیہ میں موجود ہیں۔

139 تشنیف المسامع لبعض فوائد الجامع - أو: الحواشي الفريدة — ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد بن یوسف العریف الفاسی (المتوفی 1036ھ)

اس کا قلمی نسخہ الرباط میں موجود ہے، علاوہ ازیں یہ کتاب فاس میں 1307ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

140 شرح صحيح البخاري — علامہ عبد الباقی بن عبد الباقی بن عبد القادر بعلی، زہری، دمشقی (المتوفی 1071ھ)

علامہ عجلونی کہتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے ایک بڑے حصے کی شرح ہے۔

141 تيسير القاري — علامہ نور الحق بن مولانا عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی 1073ھ)

چھ جلدوں میں یہ ایک ضخیم شرح ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔ ایک ہی زمانے میں شیخ عبد الحق نے مشکاۃ کی شرح اور ان کے بیٹے علامہ نور الحق نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ اس کے قلمی نسخے المكتبۃ الہندی، پشاور اور بانکی پور میں موجود ہیں۔ یہ شرح ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں 1305ھ میں پانچ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

142 عقد الجمان اللامع من قعر بحر الجامع في الحديث — محمد بن محمد بن علیب الجزائری المعروف باقوجیلی. (المتوفی 1080ھ)

مؤلف نے اس میں صحیح بخاری کے راویوں کو حروف تہجی کی ترتیب سے اشعار میں بیان کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ الجزائر میں موجود ہے۔

143 شرح ثلاثيات البخاري — علامہ احمد بن احمد بن محمد المعروف بالعجمی (الوفائی) (المتوفی 1086ھ)

اس کا ایک نسخہ کتب خانہ علی پاشا غازی سلطان محمود خان ثانی، قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس کے قلمی نسخے بریل، مکتبہ جامع الزیتونہ اور باتاقیا میں موجود ہیں۔ بین السطور ہندی ترجمے اور شرح کے ساتھ 1298ھ میں دہلی سے شائع ہوئی۔

144 حاشية — عبدالقادر بن علی الفاسی (المتوفی 1091ھ)

مؤلف کا صحیح بخاری پر لکھا گیا یہ حاشیہ فاس سے 1307ھ میں طبع ہو چکا ہے۔

145 تعليقات على إعراب القاري — محمد بن محمد البجشی (المتوفی 1096ھ)

إعراب القاري على أول باب البخاري ملا علی قاری الہروی (المتوفی 1014ھ) کی تصنیف ہے۔ اس پر مؤلف نے تعلیقات لکھی ہیں۔ اس تعلیق کا نسخہ برلن میں موجود ہے۔

146 فيض الباري شرح صحيح البخاري — خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندی (المتوفی 1114ھ)

اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

147 ضياء الساري — علامہ شیخ عبداللہ بن سالم بن محمد بن عیسی البصری المکی (المتوفی 1134ھ)

الحطّة اور الفوائد الدراری میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد الساري سے بسیط اور فتح الباري سے چھوٹی ہے۔ تین جلدوں میں ثلث تک پہنچی تھی۔ ترکی میں اس کے دو قلمی نسخے موجود تھے جن میں سے ایک نسخہ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانے میں ہے۔

148 إشارات صحيح البخاري و أسانيدهٗ — ابو محمد عفیف الدین عبد اللہ بن سلیم البصری الشافعی (المتوفی 1134ھ)

اس کے قلمی نسخے کو بریل، ہوتسما اور گیرٹ میں موجود ہیں۔

149 المختصر علٰى تحفة الباري — ابو الحسن بن عبد الہادی السندی (المتوفی 1136ھ)

تحفۃ الباری کے حاشیے پر یہ کتاب 1318ھ میں قاہرہ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

150 تعليقة — علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی السندی (المتوفی 1139ھ)

صحیح بخاری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہوئی۔

151 حاشية — ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن زکری الفاسی

(المتوفی 1144ھ)

اس کا قلمی نسخہ الرباط میں موجود ہے۔

152 نور القاري — شیخ نورالدین (احمد بن محمد صالح) احمد آبادی (المتوفی 1155ھ)

اس شرح کا تذکرہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی قابل قدر تاریخ اتحاف النبلاء میں کیا ہے۔

153 شرح على الأحاديث المشروحة في الكتاب الأخير — تاج العارفین بن موفق الدین (المتوفی 1160ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ برلن میں موجود ہے۔

154 الفيض الجاري — اسماعیل (بن محمد بن عبدالهادی) العجلونی (تلمیذ علامہ سندی) (المتوفی 1162ھ)

ابتدائے تصنیف 1141ھ میں کی۔ علامہ موصوف نے جامع اموی کے قبہ نسر میں صحیح بخاری کی تدریس کے زمانے میں اس شرح کو ضبطِ کتابت میں لانے کا آغاز کیا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ مدینہ میں موجود ہے۔

155 الفيض الطاري — جعفر بن محمد مقصود عالم شاہی

اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ میں موجود ہے۔

156 الإعلام بشرح أحاديث سيد الأنام — اسماعیل الجراحی (المتوفی 1162ھ)

یہ کتاب الصوم کی شرح ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ گیرٹ میں موجود ہے۔

157 نجاح القاري — عبداللہ بن محمد بن یوسف حلمی، حنفی، استنبولی الشہیر بیوسف اَفندی۔ (المتوفی 1167ھ)

اس کا ایک قلمی نسخہ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانہ میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس کے قلمی نسخے آیا صوفیا، نور عثمانیہ، یحییٰ اَفندی، مدینہ اور خود مؤلف کے ہاتھ کے نسخے مکتبات الفاتح، ولی الدین اور حمیدیہ میں موجود ہیں۔ علامہ یوسف اَفندی نے صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی ہے۔

158	إضاءة الدراري	علامہ شہاب احمد بن علی بن عمر بن صالح المنینی العثمانی (المتوفی 1172ھ)

یہ بھی کتاب الصلاة تک ہی پہنچی اور مکمل نہ ہوسکی۔ اس کا تذکرہ ردالمحتار کے مصنف ابن عابدین نے کیا ہے۔

159	شرح صحیح البخاري	علی بن مصطفی الشافعی، الحلبی (تلمیذ العلامۃ السندی) (المتوفی 1174ھ)

یہ شرح کتاب المغازي تک پہنچی اور مکمل نہ ہوسکی۔ اس کا تذکرہ فاضل مؤرخ و ادیب علامہ محمد خلیل آفندی نے سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر میں کیا ہے۔

160	قرة العين في ضبط أسماء رجال الصحيحين	علامہ عبدالغنی بن احمد البحرانی الشافعی (المتوفی 1174ھ تقریباً)

یہ کتاب 1323ھ میں حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوچکی ہے۔

161	تعليقات على أبواب البخاري	شاہ ولی اللہ أحمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی (المتوفی 117ھ)

اس کا قلمی نسخہ پٹنہ میں موجود ہے۔

162	شرح تراجم أبواب صحيح البخاري	شاہ ولی اللہ أحمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی (المتوفی 1176ھ)

حیدرآباد سے 1323ھ میں طبع ہوچکی ہے۔ صحیح بخاری کے درسی مطبوعہ نسخوں میں بھی مطبوع ہے۔

163	شرح فارسي	شیخ الاسلام بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن مولانا عبدالحق محدث دہلوی نوٹ: نزہۃ الخواطر کی چھٹی جلد بارھویں صدی کے علماء کے بارے میں ہے۔ اسی (119/6) میں مصنف کا تذکرہ موجود ہے۔

فارسی زبان میں یہ صحیح بخاری کی چھ جلدوں میں مبسوط شرح ہے۔ یہ فارسی شرح تیسیر القاری کا اختصار ہے، یعنی فارسی زبان میں سلیس ترجمے کے ساتھ چند مفید اضافے بھی ہیں۔

164 شرح صحيح البخاري — شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدین (المتوفی 1180ھ)

فارسی میں صحیح بخاری کی بہت عمدہ شرح ہے۔

165 شرح مختصر البخاري — علامہ احمد بن احمد بن محمد السُّجاعی (المتوفی 1197ھ)

بعض نے اس کا پورا نام النور الساري على متن مختصر البخاري لابن أبي جمرة لکھا ہے۔

166 ضوء الدراري — علامہ غلام علی بلگرامی (المتوفی 1200ھ)

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ مؤلف نے یہ شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن نامکمل رہی۔ ابتدا سے کتب الزکاۃ کے آخر تک مکمل ہوئی۔ مصنف کے بیان کے مطابق کچھ اضافے کے ساتھ ارشاد الساری کی تلخیص ہے۔ اس شرح کا تذکرہ خود مؤلف نے سبحة المرجان میں کیا ہے۔

167 شرح على الأحاديث المشروحة في الكتب الأخيرة — سلیمان عجیلی (المتوفی 1204ھ)

اس کا قلمی نسخہ برلن میں موجود ہے۔

168 زاد المجد الساري بشرح صحيح البخاري — ابوعلی محمد التاؤودی ابن سودۃ المری (المتوفی 1209ھ)

یہ شرح فارسی زبان میں ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رباط (مراکش) میں موجود ہے۔ 1328ھ - 1330ھ میں چار اجزا میں شائع ہو چکی ہے۔

169 أسامي الرواة لصحيح البخاري — حسن صوفی زادہ (المتوفی 1279ھ)

مقدمہ ترکیہ کے ساتھ یہ کتاب استنبول میں 1382ھ میں طبع ہوئی۔

170 شرح تجريد الصحيح للزبيدی — الشیخ عبد اللہ بن حجازی بن ابراہیم الشرقاوی (المتوفی 1227ھ)

بعض علماء نے اس کا نام فتح المبدی لشرح مختصر الزبیدی بیان کیا ہے۔ یہ کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔

171 فتح المبدي — عبداللہ شرقاوی (المتوفی 1227ھ)

احمد بن احمد شرجی الزبیدی (المتوفی 893ھ) کی کتاب تجرید الصحیح کی مؤلف نے شرح لکھی ہے۔ اس کے قلمی نسخے مکتبہ جامع الزیتونہ، مدینہ اور اسکندریہ میں موجود ہیں۔ قاہرہ سے 1330ھ اور 1333ھ میں تین اجزا میں شائع ہوچکی ہے۔

172 شرح الشنواني — محمد بن علی الشافعی الشنوانی (المتوفی 1233ھ)

یہ جمع النهاية في بدء الخير والغاية ہی کی ایک شرح ہے۔ اس کے قلمی نسخے پیرس، اور مکتبہ القرویین فاس میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں قاہرہ سے 1305ھ میں شائع بھی ہوچکی ہے۔

173 منح الباري — شیخ محمد حسن بن محمد صدیق پنجابی المعروف علامہ دراز پشاوری (المتوفی 1260ھ)

یہ فارسی میں ایک مفید شرح ہے۔ یہ لکھنؤ سے شائع ہوچکی ہے۔

174 العثماني

مولانا احمد علی سہارن پوری نے صحیح بخاری پر لکھے حاشیہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں ہوسکا۔

175 حل صحيح البخاري — مولانا احمد علی سہارن پوری تلمیذ محمد اسحاق محدث دہلوی (المتوفی 1298ھ)

اس کی بنیاد نسخہ عتیقہ پر ہے جو انھوں نے سید نذیر حسین دہلوی سے عاریتاً لیا تھا۔ مولانا احمد علی صاحب نے اس حاشیے کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں فن حدیث کے اصولوں کے علاوہ صحیح بخاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں بتائی ہیں۔ اس مقدمے کی بنیاد بھی مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ قسطلانی پر ہے۔ بعض چیزیں شاہ ولی اللہ کے رسالہ شرح تراجم أبواب صحيح البخاري سے ماخوذ ہیں۔ آخری پانچ پارے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہیں۔ مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کو شرح عيني اور دیگر کتب حنفیہ کی مدد سے اول سے آخر تک مذہب حنفیہ کے

مطابق کر دیا ہے۔

176 سُلَّمُ القاري — سید علامہ محمد بن احمد الأہدل الیمنی (المتوفی1298ھ)

نواب صدیق حسن خان نے اس کا تذکرہ الحطّة میں کیا ہے۔ انھوں نے اس کا پورا نام سُلَّمُ القاري بِزند في إفادته و إفاضته الباري رقم کیا ہے۔

177 النور الساري — علامہ شیخ حسن العِدوِی، الحمزاوی، المالکی (المتوفی 1303ھ)

یہ قاہرہ سے صحیح بخاری کے حاشیے پر 1279ھ میں دس جلدوں میں چھپی اور بولاق میں 1296ھ میں، جبکہ 1303ھ میں قاہرہ ہی سے چار اجزا میں دوبارہ شائع ہوئی۔

178 عون الباري لحل أدلة البخاري — علامہ نواب ابوالطیب صدیق حسن خان بہادر المتوفی 1307ھ)

علامہ زبیدی نے جو تجرید کی تھی یہ اُسی (تجريد الصحيح) کی عربی شرح ہے۔ 1984ء میں دارالرشید، حلب سے 5 جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ بولاق میں 1297ھ میں كتاب منتهى الأحكام لابن تيميه کے حاشیے پر اور نیل الأوطار کے حاشیے پر بھی طبع ہوئی۔ 1299ھ اور 1307ھ میں بھوپال سے بھی شائع ہوئی۔

179 غنية القاري بترجمة ثلاثيات البخاري — علامہ نواب صدیق حسن خان (المتوفی 1307ھ)

ثلاثیات صحیح بخاری کا اردو میں یہ نہایت دلچسپ ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو بغية القاري في ثلاثيات البخاري بھی کہا گیا ہے۔

180 حل صحيح البخاري — مولانا سید نذیر حسین محدّث دہلوی (المتوفی1320ھ)

یہ نسخہ بہت قدیم، نہایت واضح اور خوش خط ہے۔ یہ حل مشکلات اور حواشی کے ساتھ تیس (30) ضخیم جلدوں میں ختم ہوا۔ اس نسخے کے ظواہر اس کی قدامت کی دلیل ہیں۔ بڑے بڑے اساتذہ اور شیوخ نے دوران درس و تدریس اس پر حواشی اور نکات چڑھائے۔ شیخ الکل کے اپنے

ہاتھ کے لکھے ہوئے حواشی بھی اس پر موجود ہیں۔ پہلے پہل ہندوستان میں جو نسخہ مولانا احمد علی کے حاشیے کے ساتھ شائع ہوا وہ اسی نسخے کی خوشہ چینی ہے۔ انھوں نے شیخ الکل سے یہ نسخہ عاریتاً لے کر اپنا نسخہ طبع کرایا۔ یاد رہے! شیخ الکل کی ذاتی ''ہمدرد لائبریری، دہلی'' میں ہزاروں کتب اور مخطوطات موجود ہیں۔

181 حاشيه على صحيح البخاري — ابو العباس احمد بن طالب بن محمد...... ابن سودة المری (المتوفی 1321ھ)

تفصیل نہیں مل سکی۔

182 لامع الدراري على جامع البخري — مولانا رشید احمد گنگوہی (المتوفی 1323ھ) مع التعلیق محمد زکریا کاندھلوی

مکتبہ یحیوی سہارن پور سے 1389ھ میں 3 جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

183 فضل الباري شرح ثلاثيات البخاري — علامہ ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی (المتوفی 1329ھ)

یہ شرح مؤلف کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی۔

184 رفع الإلتباس عن بعض الناس — علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی (المتوفی 1329ھ)

ایک رسالہ دفع الوسواس عن بعض الناس کے نام سے چھپا تھا جس میں امام بخاری کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا جو امام بخاری نے صحیح بخاری میں قال بعض الناس لکھ کر کیے۔ اس رسالے کا جواب رفع الالتباس کے نام سے علامہ ابو الطیب نے شائع فرمایا۔ اس میں انھوں نے علامہ عینی کی ان غلط فہمیوں سے پردہ اٹھایا ہے جو انھوں نے اپنی شرح عمدة القاری میں ذکر کی ہیں اور جن کی بنا پر وہ امام بخاری کے اعتراضات کو غلط کہتے تھے۔ یہ کتاب 1309ھ میں دہلی سے شائع ہوئی۔

185 هداية الباري إلى ترتيب أحاديث البخاري — عبدالرحیم عنبر (المتوفی 1365ھ)

اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے راویوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ قاہرہ سے 1340ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

186 مفتاح كنوز البخاري — محمد فؤاد عبد الباقی (المتوفی 1388ھ)

یہ کتاب قاہرہ سے 1935ء میں چھپی۔

187 مختصر صحيح الإمام البخاری — علامہ محمد ناصر الدین الالبانی (المتوفی 1420ھ)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے محنت شاقہ سے کام لے کر تمام مرفوع احادیث اور موقوف آثار کی سندوں اور مکرر متون کو حذف کر کے یہ مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ صحیح بخاری کے فوائد کو جمع کر دیا گیا ہے۔ مکتبہ المعارف، الریاض سے چار جلدوں میں 1422ھ میں شائع ہوچکی ہے۔

188 شرح صحيح البخاري — شیخ محمد بن صالح عثیمین (المتوفی 1421ھ)

آٹھ جلدوں میں بہترین شرح ہے۔ 1428ھ میں قاہرہ (مصر) سے شائع ہوچکی ہے، اس کے حاشیے پر شیخ ابن باز کی تعلیقات اور علامہ البانی کے فوائد بھی درج ہیں۔

189 شرح صحيح البخاري — علامہ عبد الرحمٰن البہرہ

خط نسخ میں شاہی کتب خانہ رام پور میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ دونوں نسخے ناقص ہیں۔ جلد اول قلمی صفحات 492 ناقص از "باب كيف كان بدء الوحي" تا "باب القراءة" اور دوسرا نسخہ بھی جلد اول از "باب بدء الوحي" تا "باب القراءة" ہے۔

190 شرح صحيح البخاري — علامہ سید ابراہیم الشہیر بابن حمزہ نقیب اشراف دمشق

علامہ عجلونی نے یہ شرح کتاب الصلاۃ تک دیکھی ہے۔ ہر باب کے شروع میں حمد وصلاۃ لکھی گئی ہے۔

191 شرح صحيح البخاري — الشیخ علی الشامی الحدیدی

علامہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے ابتدائی حصے کی شرح ہے۔ شیخ علی الشامی سے میری ملاقات 1285ھ میں ہوئی تھی۔ كتاب الحطة ان کو ہدیۃً دی تھی۔

192 شرح صحيح البخاري — محمود بن ابراہیم بن محمد السلامی

اس کا ایک قلمی نسخہ آیا صوفیا میں موجود ہے۔

193 مقدمة و شرح للكتابين الأولين من صحيح البخاري — عمر بن محمد عریف نہروالی

اس کا ایک قلمی نسخہ المکتبۃ الہندی میں موجود ہے۔

194 الفيض الطاري شرح صحيح البخاري — شیخ جعفر بن محمد بخاری گجراتی

یہ شرح دو جلدوں میں ہے۔

195 معلّم القاري شرح ثلاثيات البخاري — مولوی رضی الدین ابو الخیر عبد المجید خان ٹونکی (نواب وزیر الدولہ بہادر کے داماد)

مطبع مفید عام آگرہ سے 1261ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ 138 صفحات پر مشتمل ہے۔

196 التعليق الفخري — محمد بن عباس علی خان

عبد اللہ بن سعد بن ابی جمرہ الازدی (المتوفی 699ھ) نے صحیح بخاری کی تقریباً دو سو حدیثوں کا ایک انتخاب جمع النهاية في بدء الخير والغاية کے نام سے کیا تھا۔ مؤلف نے اس کی ایک شرح خود لکھی تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی مختصر کی شرح التعلیق الفخری کے نام سے محمد بن عباس علی خان نے لکھی ہے۔

197 حل صحيح البخاري — مرزا حیرت دہلوی (المتوفی 1899ء)

متن مولانا احمد علی سہارن پوری کا رکھا ہے، جبکہ صحیح بخاری کے حل میں زیادہ مدد قسطلانی اور فتح الباری سے لی گئی ہے۔ حل لغات الگ اور بین السطور حواشی نکال دیے گئے ہیں جس سے حل مشکلات میں دقت پیدا ہوئی ہے۔

198 صحيح بخاري مترجم — مرزا حیرت دہلوی (متوفی 1899ء)

نہایت معنی خیز ترجمہ ہے۔ جابجا بریکٹوں میں توضیحی اشارے دیے گئے ہیں۔ وضاحت کے لیے

نوٹ اور حاشیہ بھی لکھا گیا ہے۔

199 زُبدةُ البخاري عمر ضیاء الدین

1330ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی اور 1341ھ میں استنبول سے ترکی ترجمے کے ساتھ تین اجزا میں طبع ہوئی۔

200 الألف المختارة من صحيح البخاري عبد السلام محمد ہارون

مؤلف نے امام بخاری کی الجامع الصحیح میں سے ایک ہزار احادیث کا انتخاب کر کے ان کی مختصر شرح لکھی ہے۔ اس میں مؤلف نے کرمانی، ابن حجر، عینی اور عسقلانی سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اس کے چھ جز طبع ہو چکے ہیں۔

201 جواهر البخاري محمد مصطفیٰ عمارہ

اس میں صحیح بخاری کی 700 احادیث کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ شرح قاہرہ سے 1341ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

202 مختصر البخاري عبد اللہ بن ابی جمرہ

اس کے قلمی نسخے راغب اور آصفیہ میں موجود ہیں۔

203 تحرير على كتاب العلم من صحيح البخاري عبد السید محمد نجار مفتی الہ یار التونیہ

یہ کتاب تیونس میں 1325ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

204 منحة الباري في جمع روايات البخاري عبید سندھی المدنی

اس کا قلمی نسخہ مدینہ میں موجود ہے۔

205 حل أغراض البخاري المبهمة في الجمع بين الحديث والترجمة ابو عبد اللہ محمد بن منصور بن حمامہ المغراوی

اس میں صحیح بخاری کے تقریباً ایک سو تراجم ابواب پر بحث کی گئی ہے۔

206 فيض الباري — مولانا محمد انور شاہ کاشمیری

جمعیت علمائے ٹرانسوال (جنوبي افريقه) کے اہتمام سے 1938ء میں چار جلدوں میں چھپی۔

207 فيض الباري — شیخ فضل احمد انصاری

اردو زبان میں مؤلف کی یہ بہترین شرح ہے۔

208 تسهيل القاري — مولانا وحید الزمان خان

اردو زبان میں یہ ایک بہتر شرح تصور کی جاتی ہے۔

209 فضل الباري

صحیح بخاری کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ اسے ایک طویل شرح سمجھنا چاہیے۔ لاہور سے شائع ہوئی۔

210 فيض الباري — مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی

بخاری کی متعدد شروحات سے ماخوذ اردو ترجمہ و تشریح۔

211 تيسير الباري — مولانا وحید الزمان خان

بڑا معنی خیز ترجمہ ہے۔ صحیح بخاری کے ساتھ چھپا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں مؤلف نے اپنا سلسلہ سند امام بخاری تک دس واسطوں سے ملایا ہے۔ حواشی اور حلِ لغات بھی لکھے۔ بڑی خوش اسلوبی سے شائع ہوا۔

212 اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات — محمد رئیس ندوی

موصوف نے مصنف انوار الباری کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اور صحیح بخاری اور امام بخاری کے دفاع میں یہ شرح لکھی ہے۔ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل (شیخوپورہ) سے 1403ھ میں چھپ چکی ہے۔

213 صحیح بخاری کا انگریزی ترجمہ — علامہ اسد (آف جرمنی)

صحیح بخاری کے دو حصوں کا انگریزی ترجمہ مع مختصر فوائد و حواشی ایک نومسلم علامہ محمد اسد کے قلم سے

شائع ہوا۔ افسوس یہ مکمل نہ ہوسکا۔ علاوہ ازیں یورپی مصنف مسٹر کریزن نے بھی صحیح بخاری کا ترجمہ کیا جو 1296ھ میں یورپ کے شہر بلک سے دس جلدوں میں طبع ہوا۔

214 ترجمہ صحیح بخاری بزبان فرانسیسی — اوھوداس وڈبلیو مارکوئیس

مع حواشی و فہرست جملہ مضامین و الفاظ بہ ترتیب حروف تہجی پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ یہ کتاب 1903ء - 1914ء کے درمیانی عرصے میں پیرس سے چھپی۔

215 إمداد القاري بشرح كتاب التفسير من صحيح البخاري — علامہ عبید بن عبداللہ بن سلیمان الجابری

مکتبہ الفرقان، عجمان سے 1421ھ میں چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

216 صحیح بخاری کا اردو ترجمہ — مولانا داود راز دہلوی

صحیح بخاری کا الگ الگ پاروں میں با محاورہ سلیس اردو ترجمہ ہے۔ حواشی قدیمہ اور تشریحات جدیدہ سے مزین ہے۔ 1387ھ میں شائع ہوا۔

217 مختصر صحیح بخاری کا اردو ترجمہ — ابو محمد حافظ عبدالستار حماد

امام ابو العباس زین الدین احمد بن عبداللطیف الزبیدی رحمہ اللہ کی التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح کا اردو ترجمہ ہے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ کی نظر ثانی اور فوائد کے ساتھ مکتبہ دارالسلام سے شائع ہوا۔

218 البدر الساري إلى فيض الباري — محمد بدر عالم میرٹھی

جنوبی افریقہ کے صوبہ ٹرانسوال سے 1938ء میں چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

219 تحفة القاري بحل مشكلات البخاري — محمد ادریس کاندھلوی

مکتبہ عثمانیہ لاہور سے 1376ھ میں چھپ چکی ہے۔

220 مقدمة صحيح البخاري — محمد ادریس کاندھلوی

مکتبہ عثمانیہ لاہور سے طبع ہوچکی ہے۔

221 شرح كتاب التوحيد من صحيح البخاري عبداللہ بن محمد الغنیمان

مکتبہ لبنہ سے 1988ء میں 2 جلدوں میں چھپی۔

222 مصابيح الإسلام من حديث خير الأنام علامہ فقیر اللہ

بترتیب ابواب فقہیہ صحیح بخاری کا یہ ایک عمدہ اور بے نظیر انتخاب ہے۔ مؤلف نے محمد امین خان کے حکم پر اسے مشکاۃ کے ابواب پر ترتیب دیا ہے۔ حسب ضرورت تعلیقات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، البتہ اسنادِ احادیث اور مکررات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

223 مفتاح صحيح البخاري محمد شریف بن مصطفیٰ توقادی

1312ھ میں مکمل ہوئی اور 1313ھ میں شائع ہوئی۔ مؤلف نے اس کی احادیث کو الفاظ نبوی کے پہلے حرف کے مطابق حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ ہر حدیث کے ابواب اور کتب کے حوالے نیز اجزا وصفحات بھی درج کیے ہیں۔ علاوہ ازیں عینی، قسطلانی اور ابن حجر کی شروح کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

224 نبراس الساري في أطراف البخاري مولانا عبدالعزیز

مصنف نے صحیح بخاری کی احادیث کے اطراف جمع کیے۔ ہر حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ کس کس باب میں مختصر یا مطول آئی ہے، پھر فتح الباری اور عمدۃ القاری کے صفحات کے حوالے بھی دیے ہیں۔ یہ کتاب اول الذکر سے زیادہ مفید ہے۔

225 مفتاح البخاري محمد شکری بن حسن

یہ کتاب استنبول میں 1313ھ میں طبع ہوئی۔

226 شرح صحيح البخاري

اس کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

227 إعانة القاري — شیخ یحییٰ بن امین العباسی، الہ آبادی

(شرح بسیط)

228 إنعام المنعم الباري بشرح ثلاثيات البخاري — عبدالصبور بن عبدالتواب ملتانی

مصنف مرحوم نے طالب علمی کے زمانے میں یہ شرح مرتب کی۔ اس کا ماخذ فتح الباری، قسطلانی، داوودی اور سندھی ہیں۔ 1358ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ جامعہ سلفیہ بنارس (ہندوستان) نے اسے 1400ھ میں دوبارہ شائع کیا۔

229 درء الدراري في شرح رباعيات البخاري — علامہ احمد بن محمد الشافعی

صحیح بخاری میں مذکورہ وہ روایات چنی گئی ہیں جن کی سندیں چار واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ ان کی شرح زرکشی اور کرمانی سے اخذ کی گئی ہے۔ نیز مؤلف نے ہر حدیث کی شرح کے بعد لفظ قُلْتُ لکھ کر مفید اضافے اپنی تحقیقات کی صورت میں قلم بند کیے ہیں۔

230 ارشاد القاري الى نقد فيض الباري — حضرت حافظ محمد گوندلوی اور حافظ عبدالمنان نور پوری

اس کی چار جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصّٰلحٰت

سیرتِ امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی صورت میں امت پر جو احسان عظیم کیا تھا امت نے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی فراموش نہیں کیا۔ حدیث کی اس دستاویز کو امت مسلمہ کی طرف سے ''صحیح ترین احادیث'' کی قبولیت کا درجہ حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ''اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ'' کے امتیازی وصف پر امت کا اجماع ہے۔ کسی نے صحیح بخاری کے رواۃ کا تعارف کرایا تو کسی نے تراجم ابواب کا، کسی نے شرح لکھی تو کسی نے اختصار کیا، کسی نے حواشی لکھے تو کسی نے معلق روایات کا حکم بیان کیا اور اکثر زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ کا تذکرہ کتب اسمائے رجال میں ممتاز حیثیت سے جگمگا رہا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت، بود و باش، سفر و حضر، تعلیم و تعلّم، اساتذہ و تلامذہ، علوم و فنون میں بلند پایہ، تالیفات و تصنیفات اور ان کا اسلوب اور مندرجات، امام صاحب کے ہم عصر حکمران، آپ کا زہد و ورع، عبادت و ریاضت، احادیث رسول ﷺ سے آپ کا شغف، متقدمین اور متاخرین کے امام صاحب کے بارے میں خیالات و جذبات اور ممتاز زندگی کے علمی و عملی واقعات کو زیر نظر کتاب ''سیرت امام بخاری رحمہ اللہ'' میں عام فہم انداز، محققانہ اسلوب اور دلکش پیرائے میں دارالسلام نے ممتاز اہل علم کی قلمی معاونت سے عمدہ طباعت کے ساتھ افادۂ عام کے لیے پیش کیا ہے۔ یقیناً اس کتاب میں ہمارے لیے عملی زندگی گزارنے کے قیمتی اسباق موجود ہیں۔